مقالات مولوی محمدؐ شفیع

راجع بہ

ہنروران وخط وخطّاطان

جلد اوّل

مرتّب

احمد ربانی ایم اے
(پاکستان ریلوے سروس)

مجلس ترقّئ ادب، لاہور

مقالات مولوی محمد شفیع

راجع بہ

ہنروران خط و خطاطان

جلد اوّل

مرتبہ

احمد ربانی ایم اے
(پاکستان ریلوے سروس)

مجلس ترقی ادب، لاہور

والد بزرگوار

کے

مقالات کا یہ مجموعہ

اپنے شفیق بزرگ جسٹس ایس اے رحمان دام اقبالہ المعالی

کے نام نامی سے منتسب کرنے کی

سعادت وفضیلت حاصل کرتا ہوں

جن کی تشویق

میری ان حقیر علمی کوششوں کی ہمیشہ رفیق رہی ہے

احمد ربانی

جمع و ترتیب — احمد ربانی ایم۔ اے، پاکستان ریلوے سروس
ڈپٹی جنرل منیجر پاکستان ویسٹرن ریلوے۔ لاہور

کتابت — محمد شفیع۔ ادارہ کتابت۔ چوک وال گراں۔ لاہور

مطبع — نوائے وقت پرنٹرز لمیٹڈ لاہور۔

ناشر — مجلس ترقی ادب لاہور

طبع — اوّل

تعداد — ایک ہزار ایک سو

قیمت — پندرہ روپے

فہرست مندرجات

مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور

از سید حسام الدین راشدی

رفتہ اند، ازیں بزم، تا سخن باقیست
ز دیدہ رفتہ حریفان، ہنوز در گوشند

جب شعور نے آنکھیں کھولیں اس وقت دیکھا، علمی دنیا میں مولانا محمد شفیع کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی تحقیق ان کی دقت نظر اور ان کا علمی مقام اور منزلت، اس دور کی ایک مانی ہوئی بات تھی۔

یہی دن تھے جب اورینٹل کالج نہ فقط اہم بلکہ معزز اور محترم ادارہ بنا ہوا تھا، کیونکہ مولانا اس میں موجود تھے، کالج کا رسالہ اور اس کا فارسی ضمیمہ اس لیے موقر اور مقبول اور عالمی شہرت رکھتا تھا کہ مولانا کی تحقیقات اس میں چھپتی تھیں۔ دانش گاہ پنجاب ان دنوں دنیائے دانش اور علم میں اس لیے مشہور و معروف بلکہ آبرو مند تھی کہ اس سے کئی ایک ایسے اہم علمی نوادر شایع ہو چکے تھے، ایک مدت سے اہل علم کو، جن کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ مکاتیب رشید الدین تو بعد میں سامنے آئی، لیکن اس سے پہلے فہرست عقد العرید، مطلع السعدین، تتمہ صوان الحکمہ، درۃ الاخبار، تذکرہ میخانہ، خواجہ غیاث الدین کا

سفر نامہ، چین اور اقتباسات آداب الحرب و الشجاعت جیسی نادر کتابیں اہل علم تک پہنچ چکی تھیں۔ عنصری کی دامق و عذرا کی دریافت اور اس پر تحقیقات خود ایک ایسا غیر معمولی انکشاف تھا کہ اہل علم و قلم میں ایک تہلکہ مچا ہوا تھا ـــــ دنیائے علم کو علم تھا کہ لاہور ایک آبرومند شہر ہے اور اس کی دانش گاہ صحیح معنوں میں دانش اور علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جو کسی صورت میں دنیا کے کسی بڑے سے بڑے علمی سرچشمہ سے کم نہیں ہے۔

مولانا کا وجود خیر و برکت کا باعث تھا، ان کی مردم شناسی، قدردانی، اور ان کی اپنی ذاتی صفات اور شخصی کشش نے، جہاں تہاں سے، کئی ایک محقق اور مانے ہوئے اہل علم، اپنے ارد گرد جمع کر لیے تھے، اور بجا طور پر دانش گاہ پنجاب کو ان کی وجہ سے نہ فقط فضیلت یا افضلیت حاصل تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ دور اس کی سروری کا دور تھا اور یہ زمانہ اس کی کجکلاہی کا زمانہ تھا۔ اسی سمے میں مولانا عبدالعزیز المیمنی وہاں تھے، حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم کا یہی زمانہ تھا، شیخ محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ اسی دور کے اساتذہ تھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے بزرگوار سید عبد اللہ کا دور بھی وہی دور تھا۔

یہ سب حضرات اسی حلقہ کے ارکان، اسی سلسلہ کے موتی، اور اسی محفل کے شب چراغ تھے۔ ان سب برگزیدہ شخصیتوں نے مل کر پورے ملک کے اندر تحقیق اور تجسس کی، علم اور عمل کی، قلم کی اور کتاب کی ایک ایسی ہوا

باندھ رکھی تھی اور علمی ماحول کو ایسے بلند مرتبہ اور درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ دنیا دو رنگی نے جب اس طلسم کو توڑا اور یہ بساط الٹی تو پھر یہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے ترستی ہی رہ گئیں۔

مولانا نے شاہ حسین بایقرا کے حالات پڑھتے اور ہرات کے علمی نشاۃ ثانیہ پر لکھتے لکھتے اپنے شہر کو اور اپنے ملک کو بھی قریب قریب اس منزل اور مقام تک پہنچا دیا تھا، علمی ذوق و شوق پورے شباب پر تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ایک دھن بن چکا تھا، خالص علمی اور ٹھوس تحقیقی کتابوں کی مانگ ہر طرف بڑھ چکی تھی، لاہور کے بازار ہر وقت بھرے بھرے رہتے تھے ــــ سودا تبھی تو بازار میں ہوتا ہے جب اس کے گاہک ہوتے ہیں ــــ کتابوں کی خرید اور ملک بھر میں خطی نسخوں کی تلاش اور اپنے آباؤ اجداد کے ارث کی حفاظت اور فراہمی اس زمانے میں ایک مقدس فریضہ سمجھا جانے لگا تھا اور لاہور کے ہر اہل علم کو یہ فریضہ انجام دینا پڑتا تھا۔ شیرانی کے نوادر، پروفیسر آذر کا کلیکشن، خود مولانا کا اپنا کتب خانہ، سب اسی عہد زرّین کی یادگار ہیں۔

مولوی صاحب ہی سب سے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ملک کے علاوہ ملک سے باہر مشرق ہو خواہ مغرب، یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کون سے علمی نوادر کہاں کہاں اور کس کس کتب خانہ کی زینت ہیں۔ مختلف کتابوں کے فوٹو اور نقلیں ــ جو اس وقت دانش گاہ کے کتب خانہ کی زینت اور آبرو ہیں ــ سب اسی یادگار زمانے کی یادگار ہیں۔

اپنے ذاتی ذوق اور شخصی تلاش اور تحقیق کے طفیل اس بزرگوار نے

دانش گاہ میں اس طرح کے پائدار اور نہ مٹنے والے نقوش اور نشان چھوڑے کہ اسی پرانی ساکھ اور ان پرانے نقش و نگار کی بنا پر، دور دیس سے آج بھی جو پڑھا لکھا وارد ہوتا ہے، وہ ایک مرتبہ دانش گاہ کے دروازے پر ضرور جا کر دستک دیتا ہے۔

احمد ربانی صاحب نے فرمایا ہے کہ میں ایسی عظیم شخصیت کے مقالات پر مقدمہ لکھوں۔ حیران ہوں اور شرمندہ بھی۔ حیران اس لیے کہ مولانا کے لکھے ہوئے پر میں کیا لکھ سکتا ہوں! اور شرمندہ ہوں کہ لکھوں بھی تو اس کے لیے مرتبہ اور منزلت کہاں سے لاؤں! اور پھر وہ قلم کہاں ہے جو ان کے مضامین یا ان کی تحقیق پر تبصرہ کرتے چلے؟

حکم کی تعمیل اور ارشاد کی تکمیل بہر حال اس حد تک کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے یا اس عظیم المرتبت آدمی کی شخصیت نے میرے دل و دماغ پر اثرات چھوڑے ہیں ان کو بیان کر دوں — اتنا کچھ مناسب بھی ہے اور یہی میرا مقدور بھی ہے۔

جنس موہومئے ما، شیفتۂ ارزش نیست
قیمت ما، ہمہ این بسکہ، بہ بازار تو ایم

مولانا سے شخصی طور پر حضوری تو غالباً پاکستان بننے کے بعد، اس وقت حاصل ہوئی جب، سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم نے راقم حروف کے لیے لاہور میں اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام فرمایا، اور حضرت مولانا کو بھی تشریف فرمانے کی زحمت دی۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، روحانی شرفیابی

برسوں سے حاصل تھی۔ ان کے نوشتوں میں ان کے مقالوں میں ان کی کتابوں میں ان کو میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔

اس رات کو جب وہ تشریف لائے تعارف ہوا اور باتیں ہوئیں تو ــــ ہر چند پہلی ملاقات تھی ــــ لیکن شخصاً بھی میں نے ان کو دیکھ لیا بلکہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ قد دراز، مضبوط کاٹھی، بدن چوڑا چکلا، کھلتا ہوا گندمی رنگ، چہرہ مہرہ مردانہ نہایت شاندار اور پر وقار، پیشانی کشادہ اور تابندہ، آنکھیں چھوٹی لیکن چمکدار اور اتنی تیز کہ تاب لانا بڑا ہی مشکل کام تھا، بلکہ نا ممکن تھا کہ ان کو گھور کے دیکھا جا سکے۔ مونچھیں مناسب حد تک لمبی اور اس دور کی یادگار جس دور میں مرد مرد دکھائی دیتے تھے۔ ان کا منہ بہت دلکش اور ٹھوڑی بہت خوبصورت اور جاذب تھی۔ سر کے بال جھڑتا چکے تھے، کنپٹیوں پر بال جتنے بھی تھے وہ سفید ہو چکے تھے۔ آواز باریک نہایت ملائم اور حریر و پرنیاں کی طرح نرم اور نازک ــــ ایسی آواز "تند و تلخ کبھی" کاہے کو ہوتی ہوگی، سراسر مشفقانہ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی یہ آواز تھی ــــ میں بہت خوش تھا کہ آج اس شخصیت کا سامنا ہے جس کو دیکھنے کی تمنا اور آرزو مدت سے تھی۔

نازم بچشم خود، کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپای خود، کہ بکویت رسیدہ است

مولانا پہلے شخص تھے جنہوں نے سندھ کا علمی سفر کیا تھا۔ سکھر، روہڑی، حیدرآباد، ٹھٹہ، اور سیوھن پہنچ کر وہاں کے تاریخی آثار دیکھے اور جہاں کہیں کتبات نظر آئے نقل کیے اور بعض اہم

کتبوں کے چربے اتارے۔ پرانے خاندانوں کے گھروں میں گئے، قلمی کتابیں، قلمی بیاضیں اور تاریخی نوادر اور نوشتے دیکھے، جو خرید سکے وہ خرید لیے باقیوں کی یادداشتیں تیار کیں۔

اس تاریخی سفر کے حالات اورینٹل کالج میگزین کی متعدد اشاعتوں میں جب شائع کیے کتبے دیئے اور چربے چھاپے تو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ سندھ کے علم دوست حضرات چونک اٹھے تھے۔ کئی اہم تاریخی حقائق، علمی تحقیق اور تنظیم کے ساتھ، پہلی مرتبہ ان کے سامنے آئے تھے، اور پہلا موقع تھا کہ ان کو یہ علم ہوا کہ مقابر اور خانقاہیں پوجا پاٹھ کے علاوہ بھی کچھ اہمیت اور افادیت رکھتی ہیں۔

مولانا نے انہیں مضامین کے ذریعہ، علمی دنیا کے سامنے، یہ اہم تاریخی انکشاف کیا تھا کہ، سلطان محمد تغلق جب ٹھٹھ کے قریب مرا تو اس کی نعش پہلے سیوھن میں دفن کی گئی اور دہلی بعد میں منتقل ہوئی تھی۔ اس عارضی دفن گاہ پر جو کتبے چسپاں ہوئے تھے۔ وہ مولانا نے سیوھن میں دریافت کر لیے تھے، اور ان کے چربے انہی سلسلۂ مضامین میں چھاپ کر لکھنے والوں کے لیے ایک اہم تحقیقی موضوع پیدا کردیا۔

بہت زمانے کی بات ہے، میرے برادر بزرگ پیر علی محمد راشدی ٹھٹھ جا کر، تحفۃ الکرام کا وہ نسخہ جو مصنف کے اپنے خط میں تھا، ان کے خاندان سے چند دن کے لیے لے آئے تھے، اور مطبوعہ نسخہ کے مقابلے میں جو اضافہ اور اختلافات نکلے، ان کو مرتب کرکے اپنے روزنامہ ستارہ سندھ کی کئی اشاعتوں میں شائع کیا۔ یہ ایک بات تھی جو

آئی گئی ہو چکی تھی، نہ تتارہ سندھ رہا نہ وہ پرچے محفوظ رہے اور نہ پھر یہ معلوم رہا کہ وہ نسخہ کیا ہوا اور کہاں گیا۔

اسی صحبت میں ٹھٹھ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے مولانا نے انکشاف فرمایا کہ تحفۃ الکرام کا وہ نسخہ انہوں نے خریدا تھا اور اب وہ ان کے پاس محفوظ ہے ــــ گو کہ رشک سے میں یکلخت چونک اٹھا اور منہ میں پانی بھر آیا، لیکن ساتھ ہی مطمئن ہو گیا کہ کتاب اہم تھی نادر تھی اور منحصر بہ فرد تھی، ٹھیک ہی ہوا کہ مولانا کے پاس پہنچ کر ضائع ہونے سے بچ گئی۔

میں نے لوگوں سے سن رکھا تھا کہ مولانا بڑے ہی خشک اور مزاج کے بہت ہی سخت ہیں۔ میرے دل پر وحشت بیٹھی ہوئی تھی، لیکن جب دیکھا اور باتیں کیں تو سراسر مختلف پایا، بہت دلچسپ، بڑے شفیق اور مزاج کے نہایت مہربان اور ملائم۔

اس رات کی صحبت اور اس صحبت کی تلطف آمیز باتیں اور دل بڑھانے والی شفقت تھی جس نے مجھے یکسر گرویدہ بنا لیا۔ پہلے فقط ان کے علمی جاہ و جلال سے مرعوب تھا لیکن گفتگو کے بعد اور مربیانہ سلوک کی وجہ سے اب ان کی ذات اور شخصیت بھی میرے لیے دلکش اور جاذب بن گئی تھی۔ جیسے جیسے میری حضوری بڑھی ویسے ویسے ان کے طور طریقے اور ان کی مزاجی کیفیت مجھ پر واضح ہوتی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جو لوگ ان سے گھبراتے ہیں، در اصل وہ ان کے مزاج کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کو اپنی بے مائگی اور افلاس ذہنی، مولانا سے دور دور رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ مولانا

اس طرح کے لوگوں کے ساتھ اگر خشک رویہ اور سرد سلوک برتتے ہوں گے
۳ تو اس میں بر حق تھے ۔ آخر اتنے فاضل اوقات کہاں سے لاتے؟ وقت
کا صرفہ وہ اس طرح کرنے لگتے تو' یہ سب کچھ جو انھوں نے لکھا اور
کیا وہ کس طرح کر سکتے تھے ۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اگر سخت تھے اور خشک تھے تو محض علمی معاملات اور تحقیقی مسائل میں ۔ ایسی چیزوں میں وہ سخت ہی نہیں بلکہ بہت ہی سخت گیر تھے ۔ چلتی ہوئی چیز اور سطحی کھوت کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ لکھنے والے اکثر سرسری ہوتے کے عادی تھے' مولانا اس عمل کو علم کے لیے رسوا کن اور اپنے ملک کے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے ۔ ان کا خیال تھا — اور بالکل بجا خیال تھا — کہ اس طرح کے لکھنے والوں کی اگر تحسین کی گئی یا درگذر اور سکوت سے کام لیا گیا تو ملک سے حقیقی علم مفقود اور صحیح تحقیق کا جذبہ ختم ہوجائے گا ۔ بحیثیت استاد کے بھی اور بحیثیت ایک عالم کے بھی' مولانا اپنی اس عادت اور پالیسی پر سختی سے قائم رہے ۔ ان کی یہ خواہش اور کوشش رہی کہ ملک میں تحقیق کا معیار بہت بلند ہونا چاہیے اور قلم سے جو بات نکلے وہ سپاٹ سرسری اور پست نہ ہو بلکہ جچی تلی بات ہو ۔ مولانا کی یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی یا یہ آرزو کس حد تک تکمیل کو پہنچی؟ اس کے بیان کا نہ یہ موقع ہے اور نہ یہ محل ہے ۔

مولانا کی یہ گرفت فقط عامیوں کے لیے نہیں تھی بلکہ مانے ہوئے

اصحاب علم و قلم کے لیے بھی ان کا دستور العمل یہی تھا۔ ایسے حضرات کے نوشتے بھی جب تک ایک ایک لفظ کر کے خود پڑھ نہ لیتے اور پرکھ نہ لیتے تھے، اس وقت تک ممکن نہیں تھا کہ وہ مطمئن ہوں۔

ایک دن کی بات ہے، صبح صبح ہمارے مشترک دوست جناب عبدالحی جیبی صاحب تشریف لائے۔ بہت متردد اور پریشان تھے۔ معلوم ہُوا کہ مولانا کی فرمائش پر انھوں نے ایک مقالہ لکھ کر ان کی خدمت میں بھیج دیا تھا، مولانا نے اس میں سے ایک حوالے کی تصدیق ان سے چاہی تھی۔ بظاہر بات بہت معمولی تھی لیکن گھبراہٹ کی وجہ ہوئی کہ وہ بات بجائے کسی کتاب کے جیبی صاحب نے، اپنی یادداشت پر بھروسہ کرکے لکھ دی تھی۔ اتفاق کی بات کہیے یا مولانا کی نگاہ کی نکتہ رسی اور رسائی، نگاہ کرتے ہی نظر وہیں جا کر رکی اور طبیعت وہیں جاکر ٹھٹکی جہاں از روئے اصول تحقیق کچھ کمزوری رہ گئی تھی۔

بڑی دیر کے بعد کئی کتابوں کی الٹ پھیر کرتے ہوئے جب مطلوب حوالہ مل گیا تو میں نے محسوس کیا کہ جیبی صاحب کے سر پر سے جیسے ایک پہاڑ تھا جو بحمد اللہ اتر گیا۔ اطمینان کی سانس لی، پیشانی سے پسینا پونچھا اور سگرٹ سلگانے کے بعد جب اپنے میں آئے تو ایک اعترافی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ: صاحب! واقعی یہ شخص صاحب نظر ہے! آپ لوگوں پر قدرت کا بہت بڑا احسان ہے! میں نے کہا: جیبی صاحب! آخر اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات تھی؟ فرمایا: آپ کہتے ہیں پریشانی؟ صاحب میری تو علمی آبرو چوراہے پر کھڑی تھی۔ یہ کہہ کر حوالے کا کاغذ لیا اور اطمینان قلب اور سکون ذہنی

کے ساتھ نیو ٹاؤن پوسٹ آفس کی طرف، جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے چلے گئے۔

دیر دیر تک میں دروازے کی طرف دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ واقعی یہ ہماری خوش بختی تھی کہ ایک ایسا شخص ہم میں موجود تھا۔

اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ بعض حضرات کا تملا اٹھنا کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔ مولانا کی تحقیق طلبی ان کے دست رس سے بہت بلند تھی اور ان کے ظرف سے بھی قطعی باہر۔

مولانا کے علمی تحقیق کی دنیا محدود نہیں تھی، بہت ہی وسیع بلکہ لامحدود کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔ دور دراز فاصلوں کو ان کا اشہب قلم طے کئے ہوئے تھا۔ ان کی ذہنی گیرائی اور فکری رسائی بہت سے علاقوں اور ملکوں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ یہاں کے لوگ اپنے گرد و پیش کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے آگے جانے کے عادی نہیں تھے۔ مولانا ہی تھے جنہوں نے، ایک خاص نہج پر ٹھوس اور با وقار علمی تحقیق کی بنیاد ڈالی اور ایسے موضوعات اور گوناگوں علمی مسائل کے چھپے ہوئے گوشوں پر سے نقاب اٹھانے کہ پہلی مرتبہ بیرونی دنیا ہمارے ملک کی تحقیقات سے استفادہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ خطاطی، مصوری، ادب، شعر، تاریخ، سوانح، کتبات، مقابر غرض کہ علم اور فضل کا کونسا ایسا شعبہ یا شاخ تھی جس پر مولانا کی تحقیقات اور مرتب کئے ہوئے نتائج نے، علمی دنیا میں ایک مقام حاصل نہ کیا ہو۔

وسط ایشیا کی تاریخ ادب یا فنون لطیفہ پر ہمارے ہاں سب سے اول مولانا ہی کی نگاہ پڑی اور انہوں نے ہی اپنی تحقیق اور تلاش

کا موضوع اس کو بنایا۔ تیموریوں کی تاریخ ہو یا ان کی معارف پروری، مولانا ہی کے قلم نے پہلے پہل اس کو اجاگر کیا۔ اس کی تاریخی اہمیت سے نہ فقط ہمیں متعارف کرایا بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں میں جو علما ان موضوعات پر تحقیق کر رہے تھے، ان کی عقدہ کشائیاں کیں۔ یہی سبب تھا کہ بیرونی دنیا کے اہل علم ہمارے ہاں سے فقط مولانا ہی کی ذات کو جانتے تھے، اور ان کی مجالس علمی میں مولانا ہی کو مساویانہ بلکہ بعض چیزوں میں بلند مقام اور بالا تر درجہ حاصل تھا۔ جب "ارمغان علمی" کا اعلان ہوا تو بیرونی دنیا کے کئی ایک علما نے اس میں حصہ لینا، اس وجہ سے اپنے لئے علمی فرض سمجھا کہ، مولانا کی شخصیت ان کے سامنے اہم اور بہت محترم تھی۔ استاد معظم جناب بدیع الزمان فروزانفر نے اسی موقعہ پر فرمایا تھا کہ:

دهر و دوران کم آورد فرزند
چون محمد شفیع دانش مند

اور سچ کہا تھا کہ:

خاک لاہور از وجودہ شرف
پدر فضل را بہینہ خلف

مولانا کی شخصیت، اپنے کردار عمل خواہ علم کے لحاظ سے، ہمارے لیے نہ فقط مثالی بلکہ مشعل راہ ہے۔ ان کو اپنے موضوعات سے لگاؤ ہی نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک عشق تھا۔ انہماک کی یہ حالت تھی کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انہیں موضوعات کی ٹوہ میں لگے

رہتے تھے۔ عمل کی صورت حال یہ تھی کہ گھر پہ ہوں یا باہر، سفر ہو یا حضر، ہمیشہ اور ہر آن کسی نہ کسی مسئلہ کی تحقیق اور تلاش میں سرگرم رہتے تھے— یہ سب کچھ کسی عزّ و جاہ کے لئے نہیں تھا بلکہ محض حصول علم کے لئے۔ ذاتی غرض کوئی نہیں تھی نہ اس سے جلب منفعت مقصود تھا۔ ان کی ملازمت کا نہ اس پر انحصار تھا اور نہ ان کی روزی کا یہ سہارا تھا۔ مولانا نے علم کو بیچا نہیں اور نہ علم کو کبھی بازار میں لا کر بٹھایا تھا۔

ان کی زندگی نہایت ضابطہ کی زندگی تھی۔ ہر لمحہ قیمتی اور ہر لحظہ با کار، اور ہر قدم بجا تلا منزل کی جانب۔ ایک ایک آن قیمتی سمجھتے تھے کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے تھے، وقت ضائع کرنا ان کی نگاہ میں کفر سے بدتر تھا۔ وہ وقت ان کی زندگی کا حاصل ہوتا تھا جس میں وہ کوئی نئی معلومات یا کچھ نئی تحقیق کر لیتے تھے۔ گھر میں تو— یہ طبعی امر ہے — اہل و عیال کے ساتھ کبھی کبھار اِدھر اُدھر کی باتیں کر لیتے ہوں گے، لیکن باہر کی زندگی میں — جہاں تک مجھے علم ہے — ان کے منہ سے کبھی ایسی بات نکلتی ہوئی نہیں سنی گئی جو بے مقصد ہو غیر ضروری ہو یا غیر علمی ہو۔ پوری زندگی از اول تا آخر ایک نپے تلے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اسی لئے ان کی زندگی قیمتی بھی ہوئی اور یہی وجہ ہوئی کہ وہ اتنے قیمتی کام کر بھی گئے اور ایسے اہم آثار چھوڑ بھی گئے کہ آج اگر ان پر کسی کا ہاتھ اٹھنا چاہے بھی تو نقل ہوتا ہُوا محسوس کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کی زندگی اور ایک زندگی کا متواتر عمل رہتی دنیا تک

کے لئے، فقط دانش گاہ ہی نہیں ایک شہر ہی نہیں بلکہ پورے ملک اور ملت کو آبرومند بنا گیا۔

مولانا انسائیکلو پیڈیا کے سلسلے میں، یورپ جاتے ہوئے ایک مرتبہ چند گھنٹوں کے لئے اپنے داماد کے ہاں کراچی میں ٹھہرے۔ آغائی عبد الحی جیبی اور اس خاکسار کو جیسے ہی اطلاع ہوئی، ہم دونوں ان کی خدمت میں پہنچے۔ بڑے خوش ہوئے اور ایسے جذبہ کے ساتھ پذیرائی فرمائی کہ ہم سمجھے ان کو منہ مانگی مراد مل گئی یا وہ ہمارے ہی گویا منتظر تھے۔ اس زمانے میں مولانا "بازیدی فرقہ" پر تحقیق کر رہے تھے، بیٹھتے ہی اس موضوع پر گفتگو اور مسائل کا آغاز کر دیا۔ جیبی صاحب مخاطب تھے، مولانا کے سوال اور جیبی صاحب کے جواب۔ غرض دو ڈھائی گھنٹے تک دنیا و ما فیہا سے بے خبر، یورپ کے لئے فراہمیٔ اسباب سے بے پروا، سفر کی تیاری اور ضروری کاغذات وغیرہ کی درستی سے بے نیاز —— نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ "بازیدیوں" کے متعلق تحقیق و تفتیش فرماتے رہے۔

میں سوچتا رہا کہ یہ کیا آدمی ہے، یورپ جا رہا ہے نہ ڈالروں کی فکر نہ پاؤنڈوں کی لگن، نہ داماد سے پوچھتے ہیں کہ کیا لائیں، نہ صاحبزادی سے فرمائشات کی فہرست لکھواتے ہیں نہ اس پوچھ گچھ میں ہیں کہ لندن سے کون سی چیز لائی جائے جو یہاں بیچ کر کرایہ مع نفع نکال لیں۔ رفریجیٹر کونسا بہتر ہوتا ہے، ٹیپ ریکارڈ کس میک کا لایا جائے، موٹر کونسی موزون رہے گی۔ نہ کسٹم والوں کی ٹوہ نہ یہ تفتیش کہ واپسی

کے وقت ایسا بندوبست ہو کہ بغیر سامان کھلوائے گھر پہنچ جائیں۔

ہم دونوں جب چلے تو سوچتے ہوئے چلے اور یہی باتیں کرتے ہوئے گھر تک آئے۔ سبحان اللہ! علی عشق اور اس عشق کے عالم کا کیا عالم تھا۔

مولانا کالج سے سبکدوش ہوئے تو انسائیکلوپیڈیا کے اردو ترجمہ کی نگرانی میں مشغول ہوگئے لیکن اسی طرح جیسا کہ ان کے مزاج کی افتاد تھی — دن اور رات صبح اور شام ایک کر دیا۔

سردیوں میں ان کا چھوٹا سا چھتری نما خیمہ باہر کتب خانے کے لان میں لگا رہتا اور گرمیاں اندر کمرے میں بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ مولانا کا یہ چھتری نما خیمہ کتب خانے کے صحن کا ایک نمایاں کردار بن چکا تھا۔ چھوٹی کرسی اور سامنے مختصر سی میز، اس پاس اس دن کام آنے والی کتابوں کے ڈھیر اور ساتھ ہی فائلوں میں ترجمہ شدہ مقالوں کے انبار۔

میں اس خیمہ میں کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے ہر بار اس لئے بار مل جاتا کہ کراچی سے چل کر آیا ہوا ہوتا تھا۔ ورنہ کام کے وقت مولانا سے ملاقات ہونا نا ممکن بات تھی۔ ملاقات برائے ملاقات کو مولانا گناہ بلکہ قومی بد اخلاقی سمجھتے تھے۔

طریقہ کار یہاں بھی ان کا وہی مخصوص تھا۔ مضمون سامنے رکھتے ایک ایک لفظ کو خود دیکھتے ایک ایک سند ایک ایک نام اور ایک ایک سن و سال کی جب تک خود تحقیق اور تصدیق نہ کر لیتے، مضمون

چھپنے کے لئے نہیں بھجواتے۔ تصحیح اور مطابقت کے سلسلے میں ان کو ہمیشہ تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑتی تھی۔ اکثر مترجم حضرات علمی ترجمے کے عادی نہیں تھے اور نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ جغرافیائی نام کا تعین اور سنہ و سال کی درستی کیا اہمیت رکھتی ہے۔ عبارت اور جملوں تک کی صحت مولانا کو خود کرنا پڑتی تھی۔

میں نے بارہا اخباروں میں پڑھا کہ ارباب دانش گاہ شاکی ہیں کہ کام تیزی سے نہیں ہو رہا، کراسے لیے اور صبر آزما وقفوں کے بعد چھپتے ہیں لیکن انھیں یہ اندازہ شاید نہیں تھا کہ ترجمے کے بعد سے لے کر پریس میں بھجواتے تک، ایک ایک مقالہ کو کن کن منزلوں اور مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے اور مولانا کو اس سلسلے میں کتنے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں۔

آخری دور میں مولانا کی صحت درست نہیں رہی تھی، دل بڑھ چکا تھا جگر کا فعل صحیح نہیں تھا دور ہی سے محسوس کیا جا سکتا تھا کہ مولانا بیمار ہیں۔ ان کو خود بھی اس کا احساس تھا لیکن جیتے جی خیمہ کی بیٹھک اور کام میں ناغہ کبھی انھوں نے گوارا نہیں کیا۔ ہر روز آتے ہر چیز پر خود نگاہ کرتے اور وقت ختم ہو جانے سے پہلے تو کیا کچھ دیر ہی سے گھر لوٹنا نصیب ہوتا تھا۔

جسم پر سفید شلوار میل خور رنگ کی شروانی اور کھڑی دیوار کی سرخ ترکی ٹوپی۔ موٹر سے اترتے لکڑی کا سہارا لیے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے خیمے میں داخل ہوتے۔ اندر پہنچ کر جب ایک دفعہ

بیٹھ گئے اور قلم ہاتھ میں لیا' تو پھر کہاں کی بیماری اور کہاں کی صحت، نہ کمزوری پاس بھٹکتی اور نہ ضعف کا احساس باقی رہتا، دیتا و ما فیہا سے بے نیاز لفظوں اور عبارتوں میں گم ہو کے رہ جاتے تھے ___ کتنے لیل و نہار اور کتنے مہ و سال مولانا نے اس طرح گذار دیئے۔

یہ اتوار تھا اور سال ۱۹۷۳ء کے مہینہ مارچ کی دسویں تاریخ۔ دوست نے پوچھا: کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا: مولانا کے پاس! چلئے گا؟ دوسرے دوست نے دخل دیا: کہاں جائیں گے بھائی صاحب! یہ لوگ تو بیٹھ کر کریں گے قبروں کی باتیں مُردوں کی داستانیں اور پھٹی پرانی کتابوں کے قصے کہے، آپ بیٹھ جائیے گپ شپ کرتے ہیں، اتوار ہے چھٹی کا دن ہے آج!

میرے دونوں دوست عرف عام میں پڑھے لکھے تھے، ایک پی' ایچ، ڈی تھا اور دوسرا ڈبل گریجویٹ۔ لندن میں غالباً دونوں تربیت پا چکے تھے۔

سردی ختم ہو چکی تھی، بہار کا موسم تھا، لارنس گارڈن کے پھول بہت کچھ کھل چکے تھے اور کچھ کھلنے باقی تھے۔ اس صبح کی خنکی ابھی دم توڑ رہی تھی کہ میں ۲۴ میسن روڈ پہنچا۔ مولانا برآمدے میں ایک کھڑی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں طرف چند کرسیوں اور ایک آدھ ٹیبل پر کتابیں ایک دوسرے پر الٹی رکھی

تھیں ۔ بروکلمان ، انسائیکلو پیڈیا، سارٹن ، قاموس الاعلام اور کشف الظنون ، اپنی ضخامت کی وجہ سے بہت نمایاں تھے ۔ کئی ایک مسودے بھی سامنے رکھے تھے ایک مسودے پر گردن جھکائے مولانا بڑے انہماک کے ساتھ کتر بیونت میں مشغول تھے — مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ بھی ایک اتوار ہے اور ایک یہ بھی چھٹی کا دن ہے ۔

مجھے دیکھ کر مسکرا دیئے ۔ خوشدلی اور خندہ روئی سے بڑے ہی تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ گلے لگایا ۔ ویسے تو مولانا ہمیشہ ہی لطف فرمایا کرتے تھے لیکن آج کا سلوک کچھ غیر معمولی سا سلوک تھا — خوشی سے میرا خون بڑھ گیا ذرہ جیسے آفتاب ہو گیا ۔

بیٹھتے ہی مجھ سے میرے عارضۂ قلب کی کیفیت پوچھنا شروع کی ، میں دیکھ رہا تھا کہ خود ان کی اپنی حالت دگرگوں اور مخدوش ہو چکی ہے ۔ چہرہ بالکل سفید ہو رہا ہے گال سوجے ہوئے آنکھوں کے حلقے سیاہ اور ان کی چمک ماند پڑ چکی ہے ۔ پاؤں پر اتنا ورم تھا کہ ایک ایک پاؤں من بھر کا معلوم ہو رہا تھا ۔ پنڈلیوں سے اوپر تک سوجن کے اثرات پہنچ چکے تھے ۔ میں نے حیرت سے کہا : مولانا یہ کیا ہے ؟ ہاں ہوں کہہ کر ٹالتے ہوئے پھر میری صحت کی پوچھ پاچھ اور حفظان صحت کی ہدایات شروع کر دیں ۔

میں نے موقع پاتے ہی پھر کہا کہ : مولانا اتوار کے دن بھی آپ آرام نہیں فرماتے ؟ کہا : بھائی ! اگر کام نہ کروں تو دن کیسے کٹے ؟ اور کام بھی تو بہت ہے ۔ لوگ لکھنا تو در کنار توجہ تک کرنا بھی تو

نہیں جانتے، ہر چیز مجھ ہی کو دیکھنا پڑتی ہے۔

صحت کے اس عالم میں فرض شناسی کا یہ عالم اور رنگ دیکھ کر میں دنگ تو رہ گیا لیکن ساتھ ہی ان کی حالت پر بہت رحم بھی آیا۔

تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے تک میں ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ بہت باتیں ہوئیں بلکہ یوں کہ اس دن واقعاً جی کھول کر باتیں کی گئیں۔

مولانا نے طاہر آشنا کے دیوان کی بات کی۔ پیرس سے فلم منگائی تھی لیکن کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے فوٹو اسٹاٹ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا: مجھے دیجیے مولانا! پرسوں جا رہا ہوں کراچی سے بنوا لاؤں گا۔ فرمایا: کل آفس پہنچ کر فلم بھیج دوں گا۔

محمد حسین آزاد مرحوم کے سلسلے میں مولانا نے بعض حیرت انگیز چیزیں بتائیں اور ان پر لکھا ہوا اپنا ایک تازہ مضمون بھی عنایت کیا۔ مفتی صدر الدین آزردہ پر انہی دنوں ایک مقالہ لکھا تھا وہ بھی اندر سے لا کر دیا۔ میری عادت ہے کہ ایسی چیزوں پر آٹو گراف لے لیتا ہوں، لیکن مولانا کی شخصیت کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ میں کہنے کی جرأت نہ کر سکا، اپنی اس کمزوری پر بعد میں کیا' بلکہ آج تک پچھتا رہا ہوں۔ اگر دستخط فرما دیتے تو غالباً یہ ان کے آخری دستخط ہوتے۔

میرے دونوں دوستوں کی گھبراہٹ بجا تھی۔ ہم نے دیمک چاٹی ہوئی اور پھٹی پرانی کئی ایک کتابوں کا ذکر کیا' بلکہ مولانا نے شکایت کی کہ ان کے کتب خانہ میں کئی ایک خطی نسخے دیمک چاٹ چکی ہے۔ اب

یاد نہیں رہا ایک دو نہایت ہی قیمتی کتابوں کا نام لیا جن کو دیمک لگ چکی تھی۔ اس طرح کی ایک کتاب کتاب خانے سے لینے بھی گئے لیکن اس وقت ملی نہیں۔ مولانا نے باتوں باتوں میں فرمایا کہ نظیری نیشاپوری کے علاوہ بھی ایک نظیری شاعر ہندوستان میں رہ چکا ہے جس کا دیوان — جس پر میر مومن استرآبادی کی مہر ہے — ان کے پاس موجود ہے۔ مولانا ایک دفعہ پھر کتاب خانے کی طرف اٹھ کے چلے، میں بہت شرمندہ ہو رہا تھا، ان کی حالت ایسی نہیں تھی کہ بار بار اٹھیں اور اندر جائیں۔ میں نے محسوس کیا کہ کرسی سے اٹھتے ہی ان کی سانس پھولنے لگتی ہے۔

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر نے کراچی میں مجھ سے کہا تھا کہ میں مولانا سے کتب خانے کے سلسلے معلوم کروں، اگر فروختگی کے لیے آمادہ ہوں تو قیمت طے کر لوں۔ مجھے براہ راست پوچھنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی پہلو سوچ ہی رہا تھا۔ جب دیمک اور کتابوں کے ضایع ہونے کا ذکر آیا تو میں نے دبے الفاظ اور کچھ بے خواہی کے انداز میں مسئلہ کو چھیڑا۔ فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی تو پانچ برس تک کام کرنے کا خیال ہے، کئی ایک کام ادھورے پڑے ہیں۔ بغیر کتابوں کے کس طرح گذارا ہو سکتا ہے؟

مولانا کا یہ پانچ سالہ منصوبہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ چہرہ کی طرف دیکھا، صحت کا جائزہ لیا، اور پاؤں کے ورم پہ نگاہ کی۔ اللہ اکبر! کس ارادے کس کردار اور کس عزم کا یہ انسان تھا۔

کسی کو کیا معلوم تھا کہ زندگی اور موت کے درمیان سالوں کا نہیں بلکہ اَب فقط دو دن کا وقفہ باقی رہ گیا ہے۔

آج ۱۴ مارچ تھی اور جمعرات کا دن۔ صبح گھر آئی تھی میں ابھی آفس میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ یہ مرحوم رازی کی آواز تھی۔ گھبرائی ہوئی اور بھرائی ہوئی۔ میں نے پوچھا: خیریت؟ کہا: مولانا کا انتقال ہوگیا کب؟ رات بارہ بجے!

انا للہ و انا الیہ راجعون

میں سُن ہو گیا۔ ابھی تین دن پیشتر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ٹیبل ڈائری میں ۱۰ تاریخ اتوار کا ورق ابھی تک کھلا رکھا تھا۔ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا پروگرام میرے جناتی خط میں اس پر درج تھا۔ میرے ذہن میں اس آخری ملاقات کے واقعات ایک ایک کرکے اُبھرنے لگے، باتیں جو ہوئی تھیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں اور بار بار ان کے دُہرائے ہوئے فقرے کانوں میں گونجنے لگے——— ابھی تو پانچ برس تک مجھے کام کرنا ہے؛ بہت سے کام ادھورے پڑے ہوئے ہیں! کتابوں کے بغیر کیسے گذارا ہوگا؟

اتوار کا دن خیریت سے گھر پر گذارا تھا پیر کو حسب معمول آفس گئے کام کیا اور گھر لوٹ آئے۔ منگل کو مولانا جب آفس پہنچے تو ہلکا سا بخار محسوس ہونے لگا واپس گھر آ گئے۔ رات کو طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوئی تو ہسپتال چلے گئے۔ بدھ کے پہلے دوپہر خیریت سے گذر

گئے ۔ دن جیسے ہی ڈھلا مزاجی کیفیت دگرگوں ہونے لگی ۔ شام کو سورج غروب ہوتے کے ساتھ مولانا کی نبضیں ڈوبنے لگیں اور نصف شب کو اُدھر ہسپتال کے گھنٹے نے بارہ بجا کر اس دن کی تاریخ کا ورق الٹا اور ادھر فرشتۂ اجل نے مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور کی زندگی کا صفحہ الٹ کے رکھ دیا۔

یہ ایک شخص کی زندگی کا ورق نہیں تھا جو الٹ گیا، یہ پوری قوم کی علمی آبرو کا ورق تھا جو آج کے دن اور آج کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الٹ دیا گیا تھا ۔ یہ خسارہ تھا ایک ایسا خسارہ جس کی اذیت عارضی نہیں بلکہ دائمی اذیت تھی، اور یہ اذیت ایک خاندان کے لیے نہیں ایک قبیلہ کے لیے نہیں ایک شہر کے لیے نہیں، بلکہ پورے ملک کے لیے تھی اور پوری ملت کے لیے تھی ۔

تو آگہی کہ مراد از غروب این خورشید
چہ گنج ہای سعادت، تربان جان آمد

کتب خانے کی پشت پہ ایک بڑا لان ہے، دنیائے علم کے اس زعیم کی نعش آخری سفر کے لیے وہیں تیار کر کے رکھی گئی تھی ۔ عزیز و اقارب کے ساتھ شہر کے معززین اور صاحب علم حضرات بھی موجود تھے ۔ جسٹس رحمان صاحب تھے، حمید احمد خان صاحب تھے، حامد علی خان صاحب اور مولانا صلاح الدین مرحوم تھے، ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب اور ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی تھے، شیخ محمد اکرام صاحب

اور سید محسن شاہ صاحب تھے ۔ یونیورسٹی کے کئی ایک اساتذہ بھی آئے ہوئے تھے ۔ جتنے بھی تھے سبھی سوگوار کھڑے تھے ۔ سبھی کے چہروں پر اداسی تھی ، اور سبھی پر ایک اوس پڑی ہوئی تھی ۔ سب کو اس زیاں کا احساس اور اس نقصان کا بخوبی اندازہ تھا ۔

آخری دیدار کے بعد چار بج کر پانچ منٹ پر کفن کی ڈوریاں باندھ دی گئیں ۔ ہم نے دیکھا کہ ایک مومن کا چہرہ تھا پر سکون اور مطمئن ــــ مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور بڑے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ دنیا سے جا رہے تھے ۔

بندہ ام پاک ردی را کہ درین دیر کہن
تا زید پاک زید، چون برود پاک رود

خاکی جسم کو پورے ساڑھے پانچ بجے خاک کے سپرد اور خالق کے حوالے چھوڑ کر عزیزوں اور عقیدت مندوں کا یہ مختصر سا گروہ لٹے ہوئے قافلے کی طرح ، اجڑے کے قبرستان سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر میں اپنے اپنے گھروں کی سمت منتشر ہو گیا ــــ مولانا کو ہم رخصت کر آئے تھے !

گیرم کہ شدی ز دیدہ، مستور
از سینۂ من کجا شوی دور

سید حسام الدین راشدی
جمشید روڈ کراچی

۳۰ جون ۱۹۶۷ء

دیباچہ

از

ڈاکٹر سیّد عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاھور

استاد بزرگ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور کے علمی کام کی مختصر سی روداد، میں نے ارمغان علمی میں لکھی تھی۔ میں نے اس مضمون میں یہ لکھا تھا کہ ڈاکٹر مولوی صاحب کے علمی مطالعہ کے کئی رخ تھے۔ عربی ادب و تاریخ کے علاوہ، انہیں ہندوستان کی علمی ادبی سرگرمیوں کو از سر نو سامنے لانے اور ان کی تاریخ مرتب کرنے کا خاص شوق تھا یہ اس وجہ سے کہ تذکرہ نگاروں نے ہندوستان کے علماء و مصنفین کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

ان کا ایک موضوع کتبہ شناسی اور ایک دوسرا موضوع خطاطی اور فنون ..می کی دریافت و معرفت بھی تھا۔ زیر نظر مجموعے میں وہ مقالے شائع ہو رہے ہیں جن کا تعلق کتبات، عمارات اور خط و خطاطان سے ہے

سب سے پہلے سام میرزا کے تذکرہ تحفہ سامی اور واقعات بابری کے اقتباسات ہیں جو ایران و ہرات کے معاصر شعرا اور دیگر اہل فن کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

واقعات بابری کے اقتباسات سے سلطان حسین بایقرا کے دور حکومت

اور ان کی ھنر پروری کا حال معلوم ھوتا ہے۔ بایقرا کا وزیر با تدبیر' میر علی شیر علم و فن کا مربی ھی نہ تھا خود بھی مصنف تھا - اس کی کتاب مجالس النفائس' اھل ادب و فن کا تذکرہ ہے جو شائع ھوچکا ہے![1]

اس موقع پر' یہ ذکر بے محل نہ ھوگا کہ بابر نے اپنی تزوک میں جس کے فارسی ترجمے کا نام واقعات بابری ہے' سلطان حسین بایقرا کے دور کی ادبی روایتوں کا ذکر کر کے' یہ ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ اکبری دور میں علوم و ادبیات کی ایک مخلوط روایت قائم ھوئی اس میں ایرانی اثرات سے خاصا پہلے ھرات اور خراسان کا علمی ادبی دبستان اثر انداز ھوا - اس لیے یہ کہنا درست نہ ھوگا کہ اکبری دور کی علمی لہر خالصتاً عراق و پارس یا کاشان کی مرھون منت ہے۔ درحقیقت اس دور میں صفوی عہد کے ایران کے مقابلے میں' خراسان و ھرات کے ادبی مرکز زیادہ پُر مایہ اور با ثروت تھے ۔ چنانچہ تحفہ سامی کے مندرجات سے یہ حقیقت روشن ھو جاتی ہے کہ صفوی دور شعر و ادب کی طرف قدرے حوصلہ شکنی کا رویہ رکھتا

---

[1] اس کتاب کا فارسی ترجمہ لطائف نامہ فخری میں نے ایڈیٹ کیا تھا جو مسلسل اورینٹل کالج میگزین میں شائع ھوتا رھا - میر علی شیر کی علمی قدر دانی پر بھی میں نے ایک مضمون لکھا تھا (اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۴۳ء) بعد میں آقای علی اصغر حکمت نے ایران سے لطائف نامہ شائع کیا۔

تھا۔ اس کے مقابلے میں ہرات میں فنون و ادبیات میں تازگی اور توانائی زیادہ ہے، اس کا اثر ہندوستان کی ادبی اور فنی تحریک پر پڑا۔ اور اس نے اسالیب فن کو نئی شکل دینے میں نمایاں حصہ لیا۔

واقعات بابری (خصوصاً اقتباسات محوّلہ بالا) کو پڑھ کر خود بابر کی ادب شناسی اور شستہ فنی ذوق کا پتہ چلتا ہے اگرچہ نسلاً بعد نسل تیموری خانوادے کی ادبی استعداد اور خوش ذوقی کے پیش نظر یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ البتہ حیرت اگر ہو سکتی ہے تو اس امر پر کہ بابر، اپنی تنقید کے لیے جو زبان استعمال کرتا ہے، وہ اجمال کے باوجود بڑی معنی خیز ہے —— اور یہ چیز محض خوش ذوقی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے نتیجہ خیز وسعت مطالعہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بابر ایک سپاہی تھا۔ گر اس زمانے کی تعلیم و تربیت کی برکت دیکھیے کہ وہی سپاہی زادہ جو بعد میں ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی بنا۔ شعر و سخن اور فنون ہنر کا اتنا اچھا ناقد اور شناسا ثابت ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آصفی کے بارے میں لکھتا ہے:

'شعر او از رنگ و معنی خالی نیست اگرچہ از عشق و حال بی بہرہ است' (مقالات ص ۹۰)

بنائی کے متعلق لکھا ہے:

'در غزل او رنگ و حال ہر دو ہست'

دیوان ترتیب دادہ است مثنویات ہم دارد، یک مثنوی دارد'

در باب میوها در بحر متقارب ' بی ماحصل ' چیزی است بیکاری کرده "

ان دونوں اقتباسات میں رنگ و معنی - رنگ و حال کے الفاظ آئے ہیں بظاہر یہ محض لفظ طرازی ہے مگر قدیم تنقیدی اصطلاحوں کی علمی موزوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نہایت "پر معنی" الفاظ ہیں۔ رنگ سے مراد کلام کے خارجی محاسن ہیں ' الفاظ کی صوتی خوبیاں، ترکیبوں کا حسن ' آہنگ کی شکلیں یہ سب رنگ میں شامل ہیں۔ اسی طرح معنی و حال سے مراد داخلی جذباتی اور فکری خوبیاں ہیں - غرض یہ کہ بابر کی خوش ذوقی اور اس کا تنقیدی شعور واقعات بابری میں کھل کر سامنے آتا ہے۔

میں نے بابر کا ذکر اس لیے قدرے تفصیل سے کیا ہے کہ اس سے ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کے نقطۂ نظر اور مقصد کا پتا چل سکے۔ انھوں نے تحفۂ سامی اور واقعات بابری کے یہ اقتباسات ' اس غرض سے پیش کیے ہیں کہ ان کی مدد سے ہرات و ایران کی علمی اور فنی سرگرمیوں اور روایتوں کا پتا چل سکے اور اس طرح اس دور کی علمی تاریخ کا یہ حصہ مکمل ہو جائے۔

اس مجموعے میں دوسرا اہم موضوع "خط و خطاطان" کا ہے ' مرحوم ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کو اس موضوع سے خاص دلچسپی تھی - چنانچہ انھوں نے اس خیال سے کہ اس کا متعلقہ مواد 'یک جا ہو جائے - کئی کتابوں کے متعلقہ حصوں کے انتخابات اورینٹل کالج میگزین میں شائع کر دیئے تھے (جو اب اس مجموعے میں آ گئے ہیں) چنانچہ رسالہ خط و سواد (تصنیف مجنون بن محمود رفیقی)، خلاصۃ التواریخ (تصنیف ؟)، تذکرہ محمد طاہر

نصر آبادی ، مرآۃ العالم (بختاور خان)، خلاصۃ المکاتیب (سجان رائے) مرآۃ الاصطلاح (آنند رام مخلص)، آداب المشق (بابا شاہ اصفہانی) اور خطاطان سندھ کے نمونہ ہائے خطاطی یک جا کر دیے ہیں اور خطاطی کے قدیم نمونوں کے عکس بھی شائع کیے ہیں۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے فنون خصوصاً فن خط کی مصطلحات بھی فہرست کی صورت میں جمع کر دی ہیں—— یہ اصطلاحات آج ہماری رہنمائی کے لیے بے حد مفید ہوں گی۔

تیسرا اہم موضوع سندھ کے بعض قدیم کتبات اور عمارات کا انکشاف ہے۔ ٹھٹھہ ، سہوان ، سکھر ، بھکر ، روہڑی وغیرہ کے خاص خاص آثار قدیمہ کا سراغ لگایا ہے۔ اور ان کی اشکال بھی دی ہیں۔ یہ مجموعہ استاد بزرگ کے خلف الرشید مسٹر احمد ربانی نے مرتب کیا ہے اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں انھوں نے بڑی محنت کی ہے جس سے ان کی محبت کا پتا چلتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے اہم اور مشکل کام محبت اور لگن کے بغیر نظہور میں نہیں آ سکتے۔

استاد بزرگ کے ان مقالات کی اشاعت ثانی بے حد ضروری تھی احمد ربّانی صاحب نے یہ خدمت انجام دے کر علم و ادب پر احسان کیا ہے ؛

۶ مارچ ۱۹۶۷ء سیّد عبداللہ

اقتباسات تحفۂ سامی

راجع بہ ہنروران

اصل مقصود کی طرف رجوع کرنے سے پہلے مؤلف تحفۂ سامی اور اس کی کتاب کا مختصر سا حال دیا جاتا ہے۔

تحفۂ سامی شاہ اسمٰعیل اول صفوی کے بیٹے سام میرزا کی تالیف ہے۔ شاہ موصوف نے ہرات کو ۹۳۸ھ میں ازبکوں کے محاصرہ سے مستخلص کر کے سام میرزا کو وہاں کا والی مقرر کیا اور چونکہ اس کی عمر اس وقت صرف ۱۵ سال کے قریب تھی، اس لیے درمش خان کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ ۹۶۹ھ میں سام میرزا نے اپنے بھائی شاہ طہماسپ اول کے خلاف بغاوت کی جس پر اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ جب شاہ اسمٰعیل ثانی ۹۸۴ھ میں تخت نشین ہوا تو سام میرزا کو ہلاک کر دیا گیا۔[1]

---

[1] انسائکلوپیڈیا آف اسلام (بذیل سام میرزا)

تحفۂ سامی ۹۵۷ھ میں تالیف ہوئی۔ کتاب میں چند جگہ مؤلف نے اس سن کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً صحیفۂ اول میں سلطان سلیمان خان بن سلطان سلیم خان کے حال میں لکھا ہے۔ "تا حال کہ سنہ سبع و خمسین و تسعمایہ است"۔ اسی طرح ہمایوں بادشاہ کے ترجمہ حال میں کہا ہے۔ "تا اکنون کہ سنہ سبع و خمسین و تسعمایہ است"۔

مؤلف نے اس تالیف کی غرض اپنے دیباچہ میں یوں بیان کی ہے کہ چونکہ صفوی دور کے شعرا کے حالات بہارستان، مجالس النفائس اور تذکرۃ الشعراء دولت شاہ میں نہیں ملتے۔ بسبب اس کے کہ یہ کتابیں اس دور سے پہلے تصنیف ہوئیں۔ اس لیے مؤلف نے شعرائے دور صفویہ کے حالات اور منتخب اشعار جمع کر کے اس کمی کو پورا کیا۔ اصل عبارت یہ ہے:

"بے سخن سخنوران این روزگار گوی لطافت بچوگان مسابقت از شعرای سلف ربوده اند و بصیقل نزاکت و رقت زنگ کدورت[1] از خاطر اہل ادراک زدوده اند۔ ہر یک در اقلیم سخنوری خسرو و سعدی و انوری و ہر یک در کشور دانائی پیشوای فردوسی و سنائی۔ اما چون در رسایلی کہ خصوصیات حالات و صادرات اقوال و مقالات این زمرۂ کثیر الصفات[2] مرقوم رقم بلاغت

[1] نسخۂ ب: از خاطر اہل کدورت راس نسخہ ب کا ذکر صلا پر آتا ہے۔
[2] ب: نیکو صفات

نسیم گشته چون بہارستان و مجالس النفائس و تذکرۃ الشعراء، ازین طبقه اثری نیست و ازین طایفه خبری نه چرا که این فـرقه جلیل القدر بعد از تدوین آنہا از بدو طاح آفتاب عالمتاب این دولت عظمی الی یومنا ہذا لوای فصاحت افراشته اند و دواوین بلاغت تدوین درمیان ہمگنان گذاشته، لاجرم چون ملاحظه نموده که بمرور ایّام و تمادی شہور و اعوام ذکر این نادره گویان از صفحۂ زمان ستردہ مّی گردد، مہما امکن تتبّع احوال و خلاصۂ اشعار ہر یک نموده بر صفحۂ تحریر نگاشت و این صحیفۂ گرامی که موسوم است به **تحفۂ سامی** مشتمل است بر تنبیه و ہفت صحیفه و ذیل (تحفۂ سامی ورق ۲ ب بعد)

تنبیه بہت مختصر ہے۔ اس میں مولّف نے دو باتیں بیان کی ہیں، اول تو اس امر کا عذر کیا ہے کہ کتاب میں احیاناً بعض "مخالفانِ دین و دولت" کا ذکر بھی آگیا ہے۔ عذر یہ ہے کہ اس

ل ب: طایفه ۲ ب: طبقه

۳ ب: چه این زمره

۴ ب: بدر

۵ در ب ندارد

۶ ب: بکردد

۷ آ: بتتبّع

۸ یعنی ازبکوں وغیرہم کا

سے غرض ایک تاریخی بات کا بیان کرنا ہے ، نہ ان مخالفوں سے اظہار محبت۔ "غرض از ایراد آں جماعت تاریخ است نہ شمول عطوفت و عنایت"

دوسری بات جو مؤلف نے بیان کی ہے ، یہ ہے کہ کتاب میں "صاحب قران مغفور" سے مراد "شاہ ماضی" یعنی شاہ اسمٰعیل اول (۹۰۷ تا ۹۳۰ھ) ہے اور "حضرت صاحب قران" سے مراد "شاہ عالم پناہ" یعنی "شاہ طہماسپ اول (۹۳۰ تا ۹۸۴ھ)" بادشاہ کی دعا پر تنبیہ ختم ہوتی ہے۔

سات صحیفے جن پر کتاب مشتمل ہے یہ ہیں:-

صحیفۂ اول۔ در ذکر شمۂ از احوال فرخندہ مآل حضرت صاحبقران و اولاد و احفاد و سلاطین معاصر ایشان۔

(نسخۂ اصل میں یہ بیان ورق ۵ و سے شروع ہوتا ہے)

صحیفۂ دوم۔ در ذکر سادات عظام و علماء افادت اعلام (ورق ۱۳ب) صفحۂ اول در ذکر سادات (ورق ۱۳ و) صفحہ دوم در ذکر علماء (ورق ۲۱و)

صحیفۂ سوم۔ در ذکر اسامی سامی حضرت واجب التعظیم کہ اگرچہ شاعر نبودہ اند۔ اما گاہی زبان بگفتن شعر می کشودہ اند (ورق ۳۳ب)

اس صحیفہ کا ایک ذیل بھی ہے جو اس مضمون میں درج ہوگا۔

صحیفۂ چہارم۔ در ذکر وزرای مکرم و سایر ارباب قلم (ورق ۴۸و)

صحیفۂ پنجم۔ در ذکر شاعرانی کہ تخلص مشہور اند و آں مشتمل است بر دو مطلع (ورق ۵۳و)، مطلع اول از صحیفۂ پنجم در ذکر کبرای شعراء و عظمای بلاغت انتما (۵۳ و) مطلع دوم۔ ان دو

نسخوں سے جو میرے سامنے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ اس مطلع کا آغاز کون سے ورق سے ہوتا ہے۔

صحیفۂ ششم۔ در ذکر طبقۂ ترکان و شعرای نامور مقرر ایشان (ورق ۱۰۳ ب)

صحیفۂ ہفتم۔ در ذکر سایر عوام و اختتام کلام (ورق ۱۱۲ ؟)، اس صحیفہ کے ذیل میں مصنف نے کچھ نمونہ اپنے کلام کا بھی دیا ہے۔

کتاب کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ مولف کی غرض تالیف کتاب سے یہ نہ تھی کہ بعض شعرا کے تراجم اور ان کا کلام دیا جائے لیکن صحیفۂ سوم کے ذیل میں خصوصاً اور کتاب کے دیگر ابواب میں عموماً شعر کے ذیل میں بعض ہنروروں کے تراجم بھی آگئے ہیں، اور چونکہ مولف ان کا معاصر ہے اس لیے جو تھوڑی بہت اطلاع ان کے حالات سے اس نے دی ہے وہ بہت غنیمت معلوم دیتی ہے۔ بنابریں ایک عرصہ سے راقم سطور کا ارادہ تھا کہ ان تراجم کو کتاب سے الگ کرکے شایع کیا جائے۔ مگر چونکہ دوسرا نسخہ موجود نہ تھا اس لیے تصحیح متن کی میسر نہ آسکتی تھی۔

حسن اتفاق سے گذشتہ پنجاب یونیورسٹی جوبلی کی تقریب پر ایک نمایش مخطوطات کی ترتیب دی گئی اور اس سلسلے میں پروفیسر آذر کے کتاب خانہ سے ایک اور نسخہ مختصر سامی کا آگیا۔ اور ان دو نسخوں کے مقابلہ سے اقتباسات ذیل کا شایع کرنا ممکن

ہوگیا۔ اب ان دو نسخوں کی کیفیت سنئے۔ ایک نسخہ جو میرے کتابخانہ کا ہے، ۱۱۹۶ھ میں کلکتہ میں نقل ہوا۔ کاتبوں نے آخر میں اپنا نام یوں درج کیا ہے:

"بخط بندہ نظام الدین احمد و برخوردار نورچشم احمد مکّی ولد
شیخ غلام حیدر مرحوم صورت اختتام یافت۔"

یہ نسخہ پرانا نہیں ہے، تاہم کسی مضبوط اصل پر مبنی ہے۔ تقطیع ۸ × ۵½ انچ۔ تعداد اوراق ۱۱۸ سطور ۱۵۔ اس مضمون کے حواشی میں اس نسخہ کی علامت (ا) ہے۔

دوسرا نسخہ جو مقابلہ کے لیے استعمال ہوا، پروفیسر آذر کے کتاب خانہ کا ہے۔ وہ ۹۹۶ھ میں نقل ہوا یعنی مولف کی وفات سے صرف بارہ برس بعد۔ اس کی عبارتوں میں فی الجملہ اختصار ہے اور بعض تراجم بھی اس میں موجود نہیں ہیں حواشی کا مواد اسی نسخہ پر مبنی ہے۔

تقطیع ۸ × ۴½ انچ (قریباً) اوراق ۱۳۲ سطور ۱۹۔ حواشی میں اس کی علامت (ب) ہے۔

اقتباسات درج کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی کے ربع آخر اور دسویں صدی کے نصف اوّل کے بعض بادشاہوں اور شاہزادوں کی ہنرپسندی کا تذکرہ کیا جائے اس لیے کہ جن ہنروروں کا ذکر تحفۂ سامی میں آیا ہے ان کا زمانہ یہی ہے اور اس دور کا ہنر زیادہ تر بادشاہوں اور ان کے امراء کی قدر دانی اور سرپرستی کا رہینِ منت ہے۔ سطور ذیل

ہیں اس موضوع پر صرف ایک سرسری نظر ڈالنا ہی ممکن ہوگا کیونکہ اس بحث کے استقصاء کا یہ محل نہیں ہے اور مقصود فقط یہ ہے کہ اجمالی طور پر ایران، ہندوستان اور ترکستان کے چند منتخب بادشاہوں اور شہزادوں کے مذاقِ ہنر کی طرف توجہ دلائی جائے، جن کا ذکر حبیب السیر، تحفۂ سامی، لطائف نامہ فخری اور عالم آرای عباسی وغیرہ ماخذوں میں موجود ہے۔

میر علی شیر نوائی کا مفصل تذکرہ اورینٹل کالج میگزین میں ڈاکٹر سید عبداللہ کے قلم سے درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ذی اقتدار امیروں کی خوش مذاقی کا اثر بھی ارتقائی ہنر پر نہایت گہرا پڑا مگر ان کا ذکر شامل کرنے سے بحث زیادہ طویل ہوجاتی اس لیے بالفعل صرف بادشاہوں اور شاہزادوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ہم آل تیمور کو لیتے ہیں جس کی ہنرپروری کا شہرہ چاردانگ عالم میں ہے۔

آل تیمور: آل تیمور میں سے سلطان ابوالغازی حسین اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ خراسان میں اس کی حکومت کا زمانہ ۸۷۵ سے ۹۱۲ تک ہے۔ اس کا دربار اہل ہنر کا مرجع تھا اور ہرات اس کا دارالسلطنت تھا۔

صاحب حبیب السیر (ج ۳ حصہ ۳ ص ۲۰۲) نے اس کی نسبت لکھا ہے:-

"در رعایت جانب سادات عظام و علماء اسلام و فضلاء روزگار و شعرای بلاغت شعار ہرگز تغافل و اہمال ننمودی و در انجاح ملتمسات

و وصول سیورغالات و انعامات این زمرۂ کریمہ ہموارہ احکام مطاعہ مبذول فرمودی، بہ بناء بقاع خیر از مساجد و مدارس و خوانق و اربطہ بغایت مایل و راغب بودی و قصبات معمورہ و مستغلات مرغوبہ از خالص اموال خویش خریدہ وقف نمودی، در تعمیر قصور دلکشا و عمارات فرح افزا بسیار سعی و اہتمام کردی در طرح باغ و بساتین و نضارت اشجار و ریاحین بنفس نفیس لوازم جد و اجتہاد بجای آوردی"

اسی طرح سام مرزا[1] کہتا ہے:

"سلطان حسین میرزا بادشاہ عدل گستر و شہریار رعیت پرور بودہ[2]. بہار ایام دولتش چون ایام بہار خورم و خوش و زمین بہ ہنگام سلطنتش مانند ہنگام خورمی[3] دور از غم و دلکش[4] و بی تکلف مدح گستری بدانچہ[5] او را موافق شدہ کم پادشاہی را میسر شدہ چون بسطت زمان سلطنت، و توفیق ساختن بقاع خیرات و رعایات علماء و طلبۂ علوم و اوراد و وظائف و اشاعت مبرات، چنانکہ دران ایام دوازدہ ہزار طالب علم در ہرات مؤظف بودہ اند. دیگر معموری بلاد و رفاہیت عباد و رعایت اہل ہنر و شعراء[6] ازین قیاس

---

[1] آ، ورق ۷، ب
[2] ب: بود
[3] اصل: خرمی، تصحیح از روی ب
[4] از روی ب در آ ندارد.
[5] ب: براینچہ
[6] ب: شعر

توان[1] کرد، در واقع* کسی را کہ مثل امیر علی شیر چاکری و مثل مولانا حاج مدح[2] گستری* باشد ہمانا کہ از مدحت ماوحان غنی و از صفت واصفان مستغنی است۔ و در فضل و شجاعت و فہم و سخاوت او ہیچ کس را اختلافی[3] نیست و در خوش طبعی و ہنر پروری احدی را خلافی[4] نہ۔"

سلطان حسین کے بیٹوں کی نسبت تحفۂ سامی اور لطائف نامۂ فخری کی عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

"بدیع[5] الزمان میرزا ولد نختین[6] سلطان مزبور است (و) بعلوّ ہمت و ہنرپروری در افواہ و السنہ مذکور (تحفہ ورق ۸ا)

"شاہ غریب میرزا او نیز از[8] جملۂ پسران* آن گیتی ستان است[7] در فنون فضایل و کمالات غریب و در صنوف آداب و خصایل ادیب، ہموارہ ہمت بلند بر کسب کمال می گماشت اما در

---

[1] ب: می توان کرد کہ اگر در واقع

[2] ب: ثناگوی

[3] ب: خلاقی

[4] ب: اختلاقی

[5] نیز رک بہ لطائف نامۂ فخری ص۳۱۲

[6] ب: نجیب

[7] نیز رک بہ لطائف نامہ ص ۲۱۳

[8] ب: ابناء

عنفوان شباب دست از شیخ و شباب باز داشتہ متوجہ شبستان عدم شد۔" (تحفہ ورق ۹ ب)

سلطان حسین کی اولاد میں سے فریدون حسین میرزا بھی تھا جس کی نسبت لطایف نامہ (ص ۲۱۲) میں ہے:

"اگرچہ ہمہ اولاد امجاد خاقان مغفور سلطان حسین میرزا اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ، بزیور کمال و فضل آراستہ و بحلیہ شعر و معما و سایر فضایل پیراستہ بودند، توان گفت کہ او بر ہمہ سبقت کردہ بود و بارباب فضل از ہمہ مایل تر بود۔"

اسی دودمان تیموری سے اس زمانہ میں بابر اور اس کے بعد ہمایوں ہندوستان میں تخت نشین ہوے۔ ان کا ذکر بھی یہیں کر دینا چاہیے۔ ان کی نسبت ان کا یہ معاصر (سام میرزا)، جو کچھ کہتا ہے بہت دلچسپ ہے، مثلاً ملاحظہ ہو عبارت ذیل (تحفہ ص ۱۰ بعد):۔

"بابر بادشاہ۔ صیت سخاوت و شجاعت او گوش اقاصی و ادانی رسیدہ خوان[1] احسان او بر روی روزگار کشیدہ بعیش دوام (و) مجالست خوبان[2] گل اندام اشتہار تمام داشت۔ در موسیقی و ادوار پیش رو اہل روزگار بود و در شعر خصوصاً ہمچو آفتاب مطلع اشعار (کذا)"

---

[1] ب: بستان

[2] ب: جوانان

فخری نے (لطایف نامہ ص ۳۰۹ پر) بابر بادشاہ کی نسبت لکھا ہے:۔
"باکثر فنون و فضایل و کمالات آراستہ بلکہ نادرۂ اہلِ زمان است خصوصاً در موسیقی کہ بی بدل واقع شدہ و شعر ترکی و فارسی را خوب ورزیدہ است۔"
تحفۂ سامی میں ہمایوں بادشاہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:۔
"ھمایون بادشاہ بن بابر بادشاہ[1] بادشاہی است کہ بکثرت حشم و ہنر پروری از اساطین سلاطین آفاق متفرد بود (د) بوفور سخاوت و فرط[2] معدلت و داد گستری از عظمای خواقین منفرد و در فن حکمت خصوصاً قسم ریاضی ثالث افلاطون و افلیتوس[3] (؟)، و در کثرتِ خیل و حشم ثانی[4] اثنین سکندر بن فیلقوس، و در نظم اشعار خسرو ارباب نظم و در حسن المقال سر دفتر اصحاب فہم و در دایرہ خطش خطی کامل و در توقیعات انشایش رسایل

ہمایون خطّ او توقیع خوبی راست طغرائی
کہ ننوشت است منشیِ قضا ہرگز مثال او

این مطلع زادۂ طبع الیشان[5] است منہ:

---

[1] در ب ندارد
[2] آ: قر، تصحیح از روی ب
[3] ب: اقلیدس
[4] ب: شریف او
[5] ب: مطلع

آن نہ سرو یست کہ در باغ قد افراختہ است
شمع سبزیست کہ پروانہ او فاختہ است"

یہی زمانہ سلطان یعقوب بن امیرحسن بیگ
ترا کمۂ آق قوینلو بن علی بن قرا عثمان (۸۸۳ تا ۸۹۶ھ) کا ہے جو طایفۂ آق قوینلو سے تھا۔ اس گھرانے میں سب سے پہلے حسن بیگ تخت نشین ہوا، پھر اس کا بیٹا سلطان خلیل، لیکن ۶ ماہ کے بعد سلطان خلیل کا چھوٹا بھائی یعقوب بیگ جو اس کی طرف سے دیار بکر کا حاکم تھا، آذربایجان میں جا کر باغی ہوگیا اور ۸۸۳ھ میں نواح خوی میں بھائی کو ہلاک کر کے سلطنت پر قابض ہوگیا اور اکثر بلاد ایران کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ جب صفویوں کا ظہور ہوا تو اس نے اُن کی مخالفت کی اور بالآخر ۸۹۶ھ میں ہلاک ہوا۔ اس کی نسبت سام مرزا نے (تحفہ ورق ۱۱ و ۱۲) لکھا ہے:

"در زمان او اختر شعرا از حضیض ہبوط باوج ثریا رسیدہ و شیوۂ شعر و شاعری چون ملت سامری درمیانہ بنی اسرائیل شیوع تمام یافت۔"

صفویہ۔ اب ہم صفویوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:
شاہ اسمٰعیل اوّل (۹۰۰ تا ۹۳۰ھ) کی شاعری کی نسبت سام میرزا کہتا ہے:

"باوجود این عظمت و اعتلا و اشتغال بامور دین و دنیا گاہی بنا بر تشحیذ خاطر دریا مقاطر متوجہ طبع آزمائی می گشتہ اند......"

شاہ طہماسپ اول (۹۳۰ تا ۹۸۴ھ) کے متعلق عالم آرای عباسی ص ۱۲۰

پر ہے:-

"حضرت شاہ جمجاہ جنت بارگاہ نقاش نادرہ کار و مصور نازک قلم سحرنگار بود...... آنحضرت شاگرد استاد سلطان محمد مصور مشہور بود طراحی و نزاکت قلم را بمرتبۂ کمال رسانیدہ بودند در آغاز جوانی ذوق و شغف بسیار باین کار داشتہ و استادان نادرہ کار این فن مثل استاد بہزاد و استاد سلطان محمد کہ درین فن شہریف طاق اند و در نزاکت قلم شہرۂ آفاق در کتابخانۂ معمورہ کار می کردند (و) آقا میرک نقاش اصفہانی کہ از اکابر سادات آنجا بود و درین فن منفرد انیس خاص و مونس بزم اختصاص داشت آنحضرت باین طبقہ الفت تمام داشتند ہرگاہ از مشاغل جہانداری و ترددات مملکت آرائی فراغی حاصل می شد بمشق نقاشی تربیت دماغ می کردند در اواخر از کثرت مشاغل فرصت آن کار نمی یافتند و استادانِ مذکور نیز صورت ہستی را از رنگ آمیزی حیات پرداختند آنحضرت کمتر متوجہ آن کار می شدند۔"

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ نے مولانا یوسف غلام خاصہ کو جو خط ثلث خوب لکھتا تھا اور شاہ موصوف کا تربیت یافتہ تھا کتاب دار مقرر کیا اور کتب سرکار خاصہ اس کی تحویل ہیں دیں۔ اس کے بعد میر زین العابدین کے حال میں کہا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ کا استاد تھا۔ اور نقاش خوب اور مجلس ساز و مصور بے قرینہ اور پاکیزہ کار چہرہ پرداز تھا۔

"شاگرد دانش کارخانۂ نقاشی دایر ساختہ کار می کردند اما خود ہمیشہ

جہت شاہزادگان و امرا و اعیان کار کردہ رعایت می یافت و انواع توجہ و مرحمت اکابر بر صحیفۂ حالش می تافت در زمان اسمٰعیل میرزا [بن طہماسپ اوّل] کہ ابداع کتاب خانہ مجدد نمود، مشار الیہ نیز از اصحاب کتاب خانہ گردید"

اس گھرانے کے متعدد شاہزادوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو علم و ہنر کی قدردانی میں ممتاز تھے۔ مثلاً بہرام میرزا بن شاہ اسمٰعیل (م۔ ۹۵۵ھ) جس کی نسبت سام میرزا یوں رقمطراز ہے:

بہرام میرزا۔ شاہزادۂ جوان بخت کثیر الافضال و کامگار خجستہ اطوار بی نظیر و بی مثال بود و اوقات فرخندہ[1] ساعات* بہ نیل آمال و امانی و خلاصۂ جہات خجستہ آتش بالتذاذ حظوظات نفسانی مصروف[2] بود و طبعی بغایت منصرف[3] و ذہنی بصفت حدت متصف داشت[4] و در خطّ خط خصوصاً در نستعلیق انگشت نما بودہ[5] و در معمورۂ طرّاحی و شعر و معانی بی قرینہ و ہمتا[6] بود ؎

ریاض خط تو ہم چون بہشت خرم و خوش
نبات شعر تو چون خیر خیرّات[7]* حسان؛

---

[1] ب: شریفش [2] آ: معروف
[3] ب: منصرف داشت [4] در ب ندارد
[5] ب: بود
[6] آ: ممتاز، تصحیح از روی ب
[7] ب: جر جزات، آ: خیر خیلات

احیاناً میل بفن موسیقی نموده و قانون استعداد را بچنگ گرفتی و نواحی عشاق بی نوا را در پردهٔ بزرگی شفقتی تحفۂ درق و را"
بہرام میرزا کا بیٹا ابراہیم میرزا (م - ۹۸۵ھ) بھی اپنے باپ کی طرح اوصاف مذکورہ سے متصف تھا۔ چنانچہ عالم آرای عباسی میں چند مقام پر اس کا ذکر اس سلسلے میں آیا ہے۔ مثلاً ص ۱۲۸ پر ہے کہ مولانا شیخ محمد سبزواری کہ خطاط اور مصوّر تھا "صورت فرنگی را در عجم او تقلید نمود و شایع ساخت اما کسی بهتر اندو گونه سازی و چهره پردازی نکرد در سبزوار ملازمت سلطان ابراہیم میرزا اختیار نموده در خدمت او بعراق آمد"۔ اسی طرح علی اصغر کاشی کی نسبت لکھا ہے:

"استاد بی قرینه و مصور پاکیزه ساخت در پرداخت و رنگ آمیزی منفرد و در کوه پردازی و درخت سازی از اقران در پیش بود او نیز در خدمت سلطان ابراہیم میرزا می بود"۔ بالآخر ص ۱۲۹ پر بذیل مولانا عبداللہ شیرازی لکھا ہے "او تیر مذہب خوب بود اما رتبۂ مولانا حسن نداشت....... در خدمت سلطان ابراہیم میرزا می بود در قرب و منزلت از دیگران در پیش و از اقران بیش بود بعد از واقعہ میرزا از جملۂ اصحاب کتاب خانہ اسمٰعیل میرزا گردید"۔

اب ہم اوزبکوں کے ذکر پر اس بیان کو ختم کر کے تحفۂ سامی کے اقتباسات درج کرتے ہیں:

شیبانیہ: اس دور میں شیبانیوں نے وسط ایشیا میں عروج پایا۔ اس خاندان کا بانی محمد شیبانی اوزبک چنگیز خان کی نسل میں سے

تھا۔ محمد شیبانی کا زمانہ حکومت ۹۰۷ سے ۹۱۶ھ تک تھا۔ سلطان حسین میرزا کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں نا اتفاقی اور بے دولتی نے زور کیا تو شیبانی نے خراسان پر حملہ کر کے میرزا کی اولاد سے ملک چھین لیا۔ آخر مرغاب کے کنارے اس کے اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے درمیان جنگ ہوئی اور وہ مارا گیا۔ بقول لین پول (محمڈن ڈائینیسٹیز ص ۲۷۰) دودمان چنگیزی کے عظیم الشان جنگ آزما بہادروں کا سلسلہ اسی محمد پر ختم ہوا۔ اس کی ہنروری اور ہنرپروری کا حال ملاحظہ ہو:

"باوجود ترکیت و جبلیت خود را در اکثر فنون و استعدادات مهندس دانسته در تصویر استاد بهزاد نقاش که تا مصور قدرت صورت انسانی را بر تختۂ هستی چهره کشائی نموده چون او مصور چابک[1] دست* نکشیده و در خطِ مولانا سلطان علی مشهدی که [کلک[2]] کرام الکاتبین مثل او خوشنویسی بر صفحہ وجود ننگاشته دخل بیجا[3] کرده صورت او را بقلم[4] اصلاح نمودی و خط این را بنوک قلم مو[5] رقم نسخ کشیدی و گفتی که چنین می باید کشید و چنین می باید نوشت۔ و در زمان خود حکم کرده بود که شعرا شاهنامه فردوسی را ترکی کنند"۔

[1] ب: چابکدستی [2] از روی ب
[3] ب: بجد
[4] آ: بقلم کلک
[5] ب: موروثی

صحیفۂ دوم

«در ذکرِ سادات عظام و علماء افادت اعلام»

صفحۂ اوّل۔ در ذکرِ سادات

۱۔ امیر صدرالدین محمّد

اسکوئیست[1] و اسکویہ[2] دہی است از نواحی تبریز و میر مذکور با سہ برادر کہ ذکر ایشان بعد ازان در سلک تحریر می آید، در خدمت حضرت صاحب قرانی ترقی کلی کردند چنانچہ در نو روز و عید کہ خلق[3] بپای بوس می آمدند شاہزادہا و امرای بزرگ و سایر سادات پای آن حضرت را بوسہ می دادند و [اخوان[4]] دست آنحضرت را بوسہ

---

[1] ب: اسکوبی
[2] ب: اسکویہ، نزہت القلوب ص ۹، ، اسکوۃ (نسخۂ حاشیہ: اسکویہ)
[3] ب: خلایق
[4] از روی ب

می کرد[1] [ند] اما چون روستائی کم تجربه بود[2] [ند] خاطر جمیع ارکان دولت و اعیان حضرت از خود آزرده ساختند بلکه آنحضرت را نیز از خود آزرده کردند و ایشان نیز تنگ آمدند و، حکم کردند که در اسکویه بوده باشند و دیگر باردوی معلا نیایند، گویند که این بیت در حق ایشان گفته [اند][3] ــ

روستائی اگر دلی بودی　　خرس در کوه بوعلی بودی

بهمه حال اندک مولوتی دارد خط نستعلیق و[4] نسخ* را طوری می نویسد و در[5] اعمال دیوان* زیاده او را میل[6] نمود* اما برادران دیگر بسخن او عمل نمی کردند این مطلع ازوست منه[7]

تا چو گل خندان ترا در روی هرخس دیده ام
غنچه وار از رشک آن بر خود بسی پیچیده ام

۲-امیر قمرالدین محمود

(۲۳ب) برادر میر مذکور است و او نیز اندک طالب[8] علمی داشت* و،

---

[1] آ: کرد، ب: کردند

[2] آ: بود　　[3] ب: بودند

[4] در ب ندارد　　[5] ب: درین اعمال

[6] ب: میلی بوده

[7] کذا در آ، ب: مطلع، در آ "منه" را جای بجای بطور علامت شعر وغیره می آرد نه بمعنی اصلی این لفظ،

[8] ب: مولوتی دارد

ازو حیثیتی کہ مشاہدہ شدہ باشد[1] اصول در رقص بود کہ باوجود گیسو ہا رقص[2] ازو بد نمی نمود[3]، این مطلع ازوست. منہ[4]

تیزی کہ ز شستِ تو مرا بر جگر آید
من منتظر استادہ کہ تیرِ دگر آید

۳- سیّد عبد الصمد (ورق ۲۴الف)

کاشی است عطائی تخلص می کند[5] و در نقاشی و تصویر و تذہیب استاد بود این مطلع ازوست. منہ[6]

خویش را در جستنت رسوای مردم می کنم
چون تو پیدا می شوی من خویش را گم می کنم

۴- سیّد ہبۃ اللہ (ورق ۲۴ب)

از کاشانست و تجارت مشغول [بودہ[7]] و در تیرگری و خوشنویسی مشہور[8] و معروف این مطلع ازوست. منہ

---

[1] درب ندارد

[2] ب در رقص

[3] ب: کرد

[4] کذا در آ، ب: مطلع در آ "منہ" را جای بجای بطور علامت شعر وغیرہ می آرد نہ بمعنی اصلی این لفظ

[5] از روی ب

[6] ب: معروفست

گر[1] جانم وداع[2] خانهٔ تن می کند امشب
کہ آہ آتشینم خانہ روشن می کند امشب

(ورق ۲۰ ب)

۵ - میر شکری

از سادات شیراز است و در صحافی و لاجورد شوئی وقوفی داشت و می گویند کہ در ساز نیز دستی دارد - این مطلع یادگار ایشان نوشتہ شدہ

ز عقل بیہدہ پیمای خود مقید دنیم
کجاست جذبۂ عشقی کہ وا رہاند ازنیم

(ورق ۲۸ و)

۶ - امیر ابراہیم قانونی

از اکثر فضایل بہرہ مند است و خط [نستعلیق] را خوب می نویسد و در نواخت[3] قانون روش خواجہ[4] عبداللہ پیش گرفتہ و نغماتش بغایت باآہنگ نیک[5] است و این رباعی ازوست[6]

---

[1] ب: دل و جانم
[2] از روی ب
[3] ب: نواختی
[4] غالباً مراد از خواجہ شہاب الدین عبداللہ بیانی (نمرہ ۱۱)
[5] ب: دسکین
[6] ب: رباعی

تا سل تو دل فروز خواهد بودن — کارم همه آه[1] و سوز خواهد بودن
گفتی که بخانهٔ تو آیم روزی — آن روز کدام روز خواهد بودن

۷- میر شیر لقی

مرد طالب علم و منقی است و در علم موسیقی وقوفی تمام دارد و این مطلع زادهٔ[2] طبع ایشان است[3] منه*

بسکه سیل غمت از دیده دمادم گذرد
روز هجر تو مرا چون شب ماتم گذرد

۸- آقا[4] میرک نقاش

از سادات اصفهان ست و در طراحی و تصویر بی نظیر زمان و حالیا در خدمت حضرت[5] صاحب قرانی بسر می برد* پیشوا و مقتدای این طایفه است[6] در جواب این[7] مطلع جامی[8]* که ع

---

[1] ب: درد
[2] ب: ازوست
[3] ب: مطلع
[4] ب: میر
[5] ب: صاحب قرآن، رک به ص۵
[6] ب: ازوست
[7] در ب ندارد
[8] ب: مولانا جامی که گفته

دو هفته شد که ندیدم مه دو هفتهٔ خود را
کجا روم که گویم غم نهفتهٔ خود را

این مطلع از دست من

بباغ رفتم و دیدم گل شگفتهٔ خود را
شنیدم از گل و بلبل غم نهفتهٔ خود را

من باینشان گفتم که غم نهفتهٔ خود را از گل و بلبل هر دو شنیدید یا از بلبل، جواب دادند که گل هنگام شگفتن صدائی می کند مراد آنست۔

۹- میر علی کاتب

اصل او از سادات هرات است در مشهد مقدسه رضویه نشو و نما یافته در خدمت مولانا سلطان علی مشق خط نستعلیق می کرد[۱] فی الواقع که بعد از[۲]* مولانای مذکور خط نستعلیق را کسی به ازو نوشت[۳] در شهور سنه ۹۳۵[۴] ه بواسطهٔ انقلاب خراسان بماوراءالنهر افتاد۔ می گویند که در آن[۵]* وقت در باصره اش ضعفی پیدا شده بدین واسطه خطش تنزل

---

[۱] ب: کرده [۲] ب: از گذشت

[۳] ب: نوشته

[۴] کذا در ب، اما در آ عدد ثانی غیر واضح است و ممکن است که ۲ یا ۳ یا ۴ باشد، ریو در فهرست مخطوطات فارسیه ص ۵۳۱ سنه ۹۲۵ ه نوشته است، از روی نسخهٔ تحفهٔ سامی که در موزهٔ برطانیه محفوظ است اما بظاهر آن صواب نیست۔

[۵] ب: درین

کرده، طبعش در نظم اشعار ملایمت تمام دارد، این معما باسم مهدی ازوست منه

خوش آنکه بعشق مبتلا گردیده   بیگانه ز خویش و آشنا گردیده
یکبارگی از قید خرد وا رسته   در میکده‌ها بی سر و پا گردیده

۱۰- امیر[1] صفی

ورق ۲۹

از سادات رفیع الدرجات نیشاپور است و در خوش طبعی و دقت ذهن بغایت مشهور[2]، و در[3] علم عروض ماہر* و خطوطش خصوصاً نستعلیق بسیار خوب[4] و در محاورات[5] و آداب صحبتش* بسی[6] مرغوب، این مطلع از ایشان[7]* است منه[8]

بردار نقاب از رخ و حیرانی من بین
بکشا گره از زلف و پریشانی من بین

---

[1] آ: امیر
[2] آ: مشهور است
[3] درب ندارد
[4] آ: خوب دارد
[5] آ: محاورات و آداب صحبت، تصحیح از روی ب
[6] آ: لبی، درب ندارد، تصحیح قیاسی است
[7] ب: اند
[8] ب: مطلع

صحیفهٔ ۲ صفحهٔ ۲

در ذکر علماء

۱۱۔ مولانا کمال الدین حسین

(ورق ۱۳ ب)

ولد رشید[1] حکیم مذکور [یعنی مولانا[2] رکن الدین مسعود] است، نعش نفیسش تریاقی[3] فاروق دارو خانه[4] و اذا[5] مرضت فهو یشفین و قدم شفا اثرش نجات بخش ما[6] هو شفاء و رحمة للمؤمنین در علم[7] طب ید بیضاء [داشت[8]] و در علم حکمت نفس مسیحا، و در اصناف فضایل

---

۱ در ب ندارد

۲ اصل مولانا رکن الدین از شیراز ست وی از عظماء و اطباء عصر خود و شاگرد مولانا شمس الدین علی طبیب بود، وی از شیراز متوجه کاشان شده، در آنجا توطن فرمود و در آخر ایام به طبابت صاحبقرانی (شاه اسمٰعیل اول) شرف امتیاز یافت و در شهور ۹۴۶ھ برد (منه)

۳ ب: تریاک

۴ (قرآن مجید ۲۶ : ۸۰) آ: فاذا که درست نیست)

۵ قرآن مجید ۱۷ : ۸۲ در آ و ب : وما که درست نیست)

۶ در ب ندارد

۷ از روی ب

و سایر اقسام علوم عَلَم تفوق می افراشت۔ خطش رقم نسخ بر تعلیق استادان می کشید و سلیقهٔ موزونش در بیت[1] الفضایل* زمانه فرید بود۔ در شهور سنه اثنتی[2] و خمسین و تسعمایه*[3] بسافت قوات (؟) مبتلای مرض شده* به مطلب[4] عدم خرامید۔ این [دو[5] مطلع] ازوست۔ منه[6]:

[غنچهٔ پُر از در و گوهر دهن می خوانمش
می فشانی از دهن گوهر سخن می خوانمش]

ـه

یاقوت آبدار لبت قوت جان دهد
لب تشنه را بچشمهٔ حیوان نشان دهد

---

[1] ب: بثت فضل
[2] ب: ۹۰۲
[3] ب: مریض شد
[4] ب: بمطلب عطب
[5] ب: مطح
[6] از روی ب

صحیفهٔ سوم

در ذکر اسامی حضرات واجب التعظیم که

اگرچه شاعر نبوده اند، اما گاهی زبان بگفتن شعر می کشوده اند

۱۲- خواجه شهاب الدین[1] عبدالله* بیانی مشهور بمروارید[2]

دُرّ صدف و ولد خلف خواجه محمد کرمانی است[1] و او را یکی از سلاطین تیموری[3] بضبط رسالت بر قطیف* و بحرین فرستاد. بعد از معاودت دُری شاهوار و مروارید دری، چند آبدار برسم تحفهٔ آن شهریار آورده بود[1]. بدان جهت مسمی بدین[4] لقب گردید[5]. اما وی[1]

---

[1] در ب ندارد

[2] آ: المشهور بمروارید' برای وی رک به بابرنامه (طبع بیل)، ورق ۱۷۵ و ۱۸۲ و، صاحب حبیب السیر (۲ : ۳ : ۲۳۲ و ۳۳۰) پدر شهاب الدین عبدالله را خواجه شمس الدین محمد مروارید می نویسد، پس نزد وی بظاهر حکایت درهای شاهوار متعلق بوده باشد به پدرش نه به بیانی.

[3] ب: بضبط یا رسالهٔ بقطیف

[4] ب: نزدان

[5] ب: بدان

[6] ب: کشته

از روی خلقت و استعداد و علو فطرت[1] و ارشاد گوهریست که غواص روزگار همچو وی کم بروی کار آورده بود[2]. بدان جهت لجه کمالاتش* مملو از دُرر غُرر فواید و تجر[3] اندیشۀ استقامت پیشه اش مشحون بزواهر جواهر نکات، و فوایدِ* انامُلش رقم نسخ بر رقاع دو[4]، توقیعاتِ استادان زرین قلم کشیده مصراع

به ثلث او ننویسد کسی مگر یاقوت

دو[5] مضراب مسرت[6] آیاتش، قوت[7] بخش روح و[8] روان و حرکات دست رطوبت افزایش در خواص زیاده از آبِ حیوان*. در عنفوان جوانی ملازمت[9] سلطان حسین میرزا نموده[10]، صدر صدارتش بعز وجود آن سرخیل ارباب[11] فضل زیب و[12] زینت گرفت*. و روز بروز

---

[1] ب: فطرۀ (که بظاهر تصحیف 'فطرت' است)
[2] ب: لجۀ کمالش
[3] در ب ندارد
[4] از روی ب
[5] از روی ب
[6] ب: لطافت
[7] ب: حیات
[8] در ب ندارد
[9] ب: بملازمت
[10] ب: رسیده
[11] ب: اهل
[12] ب: یافت

رشد[1] او در تزاید* بود، تا بمرتبهٔ امارت رسید، و در جرگهٔ امرای عظام درآمد[2]. بجای امیر علی شبیر مهرزد و تا آخر سلطنت آن پادشاه مذکور بامر مزبور قیام می نمود[3]. بعد از کنج انزوا گرفت و* بکتابت مصحف مجید موفق گردید[4]، تا آنکه حضرت صاحبقران[5] مغفور ملک خراسان را بعز حضور مشرف گردانیدند، او را از زاویهٔ خمول بیرون آورده[6]، رقم قبول بر ناصیهٔ احوالش کشیدند. و او بواسطهٔ غلبه مرض آبلهٔ فرنگ آهنگ گوشه گیری کرده، از شرف[7] ملازمت استعفا نموده و در آن ایام وقایع سلطنت آنحضرت را بنظم و نثر در[8] آورده، در سلک تحریر کشیده

نظم بدیع و نثرت ای نازنین شمایل
هرکو شنید گفتا لله در قایل

و باتمام تاریخ نثر توفیق یافته پیشتر* از اختتام تاریخ منظوم نظم حیاتش از سلسلهٔ بقا فرو گسیخت. وکان ذلك فی شهر[9] رجب المرجب سنة

---

[1] ب: در ترقی   [2] ب: آمده

[3] ب: بهمین امر قیام کرد بعد ازان انزوا اختیار کرده

[4] ب: گردیده

[5] یعنی شاه اسمٰعیل اول

[6] ب: آورده و

[7] در ب ندارد

[9] ب: رجب ۹۲۲ھ

اثنتی و عشرین از نتایج طبع[1] و قادش* دیوان قصاید و غزلیات و رباعیات موسوم بمونس الاجباب و تاریخ شاہی و منشآت درمیانہ فرق عباد مشہور است۔ و تاریخ منظوم دو، خسرو شیرین بواسطۂ عدم اتمام متداول نگشت این صد بیت از منظوماتِ ایشان ست [مؤلف نے دو صفحے منتخب اشعار کے دیئے ہیں جو حذف کئے گئے]

۱۳۔ خواجہ عبدالمؤمن

پسر خواجہ عبداللہ مروارید[2] ست۔ ذہن لطیفش غواص دُرر معانی و طبع مستقیمش صیرفی نقود سخندانی است۔ فقرات فصاحت آیاتش کہ[3] از قلم خجستہ رقم ناشی شد، سرخط فضلای بلاغت آئین است۔ در اکثر خطوط[4] بتخصیص ثلث و نسخ ثالث یاقوت و صیرفی و ناسخ استادان متقدمین و متاخرین است۔

ہر حرف دل کشی[5] کہ محقق شدہ بحسن — تعلیق کردہ بر صفحات مصورش
ہر حرف او ز گنج معانی ست گوھری — کو[6] صیرفی کہ فہم کند نرخ گوہرش

---

[1] ب: طبعش
[2] در ب ندارد
[3] ب: دریای
[4] آ: خطوطش، ب: مثل متن
[5] ب: دل کشش کہ مصور
[6] ب: جز

شمۀ اگر از فضایل او مبین گردد، کتابی شود مبیّن. من در خدمت ایشان درس خوانده ام و اندک سیاه و سفیدی که فرق می توانم کرد از برکت ایشان ست. در ہرات و شیراز با من بود. منصب صدارت مرجوع بدیشان شد.[1] بعد از آن مدتی در خدمت صاحبقرانی بسر برد.[1] آخر بواسطۀ بعضی امور متوجه ہند شد[1] و در شهور سنه ثمان و اربعین و تسعمایه در آنجا فوت شدند* و در وقت توجه این غزل گفته:[2]

بسکه گردون ہمچو خود[3] می خواست سرگردان مرا
عاقبت کرد از غمت سرگشتۀ دوران مرا
آنچنان گشتم ضعیف از محنت ہجران که نیست
دیگر از درد جدائی طاقت افغان مرا
مشکل شب ہای ہجران گر بماند این چنین
دولت وصل تو کی روزی شود آسان مرا
بسکه خونبار است چشمم بی تو خواہد شد خراب
شہر ہستی دمبدم از موج این طوفان مرا
ہمچو خود من بی سرو سامان نبودم پیش ازین
در سرکار[4]* تو آخر شد سرو سامان مرا

---

[1] در ب ندارد.
[2] ب: گفته بود: غزل
[3] ب: جان
[4] ب: سرکار

افشان بجنبۂ از مخترعات آنجناب است۔ این مطلع نیز[۱] زادۂ طبع اوست۔ منہ!

ہر کس چو من آشفتۂ آن زلفِ دو تا شُد
دیوانہ صفت بستۂ زنجیرِ بلا شُد

۱۴۔ ملک قاسم نقاش

ورق ۱۳۰ ب

شیرازی بود و می گفت از[۲] اولاد شاہ شجاع کرمانیم۔ و بغیر ازین عیبی نداشت۔ و[۳] مصور خوب بود و بہمہ قلم خط را خوب می نوشت۔ و در انشاپرداز طولی داشت* و در معما و عروض مہارتی بی انتہا* و قوت حافظۂ او بمرتبۂ بود کہ بیک خواندن سی بیت تا[۴] یاد می گرفت* اما بسیار بی طالع واقع شدہ* بود و ازین دولت حظی نیافت۔ و در جوانی در شہور ستہ سبع و اربعین و تسعمایہ از عالم رفت۔ این رباعی در[۵] شکایت روزگار* ازوست۔ منہ

روز[۶] عجب است و روزگار مشکل کز وہرصفا گشت بکلی زایل

---

۱ ب: ہم ازینانست
۲ در ب ندارد
۳ ب: تمام
۴ ب: حفظ می کرد
۵ ب: رباعی
۶ ب: روزی عجب

خالی ز غبار یکدگر یک ساعت　　چون شیشهٔ ساعت نتوان یافت دو دل

۱۵- مولانا[1] سلطان علی

(ورق ۳۰ ر)

در خط[2] نستعلیق مشهور [تر][3] از انست که او[4] را* احتیاج بنوشتن تعریف باشد. این مطلع از دست. منه[5]

گل در بهار ازان رخ گلگون نمونه ایست
چون اشک من که از[6] دل* پُر خون نمونه ایست

باوجودیکه سن او از شصت سال متجاوز بود، خط را خوب می نوشت. چنانچه[7] این دو بیت را در مثنوی از برای خود در رشتهٔ نظم کشیده بود. منه*

مرا عمر شصت و سه شد بیش و کم　　هنوزم جوان است مشکین قلم
توانم هنوز از خفی و جلی　　نوشتن که العبد سلطان علی

۱۶- حافظ علی

اصلش از غوریان[9] هرات است[8] او* بحدت ذهن و جودت طبع

---

[1] رک به لطایف نامه فخری ص ۱۴۰
[2] در ب ندارد　　[3] از روی ب
[4] ب: مطلع　　[5] ب: کزان
[6] چنانکه ازین بیت معلوم می شود بیت　　[8] در ب ندارد
[9] موضعی است یک منزل از هرات رک به کتاب افغانستان خلافت شرقیه از لیسترینج ص ۱۱۴

موصوف بود و اکثر خطوط را نیک می نوشت. در علم عروض و صنایع اشعار بسیار ماهر[1] است*. چنانچه قصیدهٔ مصنوعه[2] *خواجه سلمان را مکرر تتبع کرده[3] است*. این مطلع[4] یکی از آنها ست. منه

حریم حرمتِ کوی تو جنّت ابرار
شمیم نکهتِ موی[5] تو راحتِ احرار

۱۷. میرزا امیر کی کوز[6] (؟)

در خوش نویسی مسلّم روزگار و در انشاء سرآمد فضلای بلاغت شعار بوده[7]. پدرش بوزارت[8] شاهزاده[عه] بدیع الزمان میرزا اشتغال[9] می کرد* و خود بطالب[10] علمی و کسب علوم مساعی جمیله بظهور می آورد*. بعد ازان بسپاهی گری مشغول شده[11] در خدمت دورمش خان که لالهٔ من بود بسر می برد. و خان مذکور باو ظرافتها می کرده[12] و او ازین آزرده خاطر بود

---

۱ ب: دارد   ۲ ب: مصنوع
۳ ب: نموده   ۴ ب: مطلع
۵ ب: بوی   ۶ آ: کو ، ب: کور
۷ ب: بود   ۸ ب: وزیر
۹ ب: بود
۱۰ طالب علمی می کرد   ۱۱ ب: شدو
۱۲ ب: کرد
عه رک ب دیباچه این مقاله ص۸۰

و دران[1] ولا این دو بیت بطرز[2] بوستان حسب الحال خود انشا[3] فرمود منه[*]

یکی را برآری و خانی دهی   بصد عزتش کامرانی دهی
یکی را برآری[4] و نوکر کنی   بخاک بیاهش برابر کنی

آخر در شهور سنه اثنتی و ثلثین و تسعمایه[*] در هری در خانه خواجه حبیب الله بدست اتراک[5] شهید شد۔ این ابیات و دو رباعی از جمله اشعار اوست منه[6]

پیش واعظ منشین قصهٔ طوبیٰ مشنو
قد بر افراز که کوته شود این افسانه

منه[7]

مشکل حکایتی ست که گفتن نمی توان   وین[8] مشکل دگر که نهفتن نمی توان

منه[9]

ای خاطر مستمند ناشاد از تو   بر جان و دلم همیشه بیداد از تو
فریاد ز بیداد تو و داد از تو   فریاد از تو! هزار فریاد از تو

منه[10]

آمد بر من قاصد آن سرو سهی   آورد بهی تا نبود دست تهی

---

[1] ب: درین   [2] ب: بطرز   [3] ب: گفته بیت
[4] ب: بیاری   [5] ب: بیت   [6] در ب ندارد
[7] آ: این، ب مثل متن، اما تصحیح حاشیه: مشکل تر آنکه از تو الخ
[8] ب: رباعی

من هم رخ زرد خود بدو[1] مالیدم   یعنی ز مرض نهاده ام رو به بهی
روزی با میرزای مذکور بباغ مراد هرات بطریق[2] گشت* رفته (و)
در خانهٔ که مشهور به بیت العشرت است[3] منزل کرده بودیم، این
رباعی و مطلع را[4] بدیهه گفته بر دیوار خانه[3] بنوشت

منه[4]

دردا که گل امید از باغ مراد   هرگز بمراد دل غمگین نکشاد
افسوس ز هجر یار جانی افسوس   فریاد ز درد نامرادی فریاد

منه[5]

ای بی تو گردش فلک بی مدار حیف
باشد زمانه و تو بناشی هزار حیف

و گویا این مطلع را[6] حسب حال خود نوشت. مولانا شوقی[7] یزدی این
مطلع را تضمین کرده در پهلوی خط او بر دیوار خانهٔ مذکور نوشته ـــ

---

[1] ب: بدان
[2] ب: بگشت
[3] در ب ندارد
[4] ب را در
[5] در ب ندارد
[6] ب: از
[7] رک به نمره

ناگه ز گردش مملکت خون برنجتیند
ای بی تو گردش فلک بی مدار حیف
بودی و در زمانه نظیری نداشتی
باشد زمانه و تو نباشی هزار حیف

۱۸- مولانا شمس[1] الدین* محمد کاشی (ورق ۱۷ ب)

جوانی ست بانواع هنر آراسته و از اکثر استعدادات بتخصیص خطوط و علم قافیه و معما صاحب وقوفست ـ تخلصش نوابیست در محلی[2] که* متوجه هند بود این قطعه را[3] گفته

منه*

سوی هندوستان روم کانجا کار اهل هنر نکو رفته
که[4] سخا و کرم ز اهل زمان بزمین سیه فرو رفته

۱۹- مولانا احمد (ورق ۱۸)

پسر [مولانا[5]] سلطان محمد استرآبادی ست ـ جوانی بود در کمال فهم و استعداد (و) خطوط را نیک می نوشت و بقدر طالب علمی

---

[1] ب : خواجه تاج الدین ، اما غالباً صواب آنست که در متن است ـ و کاتب ب "خواجه تاج الدین" را سهواً از ترجمه سابق مکرر نوشته است [2] ب : وقتی که [3] ب : درسلک نظم کشیده
[4] ب : کز
[5] از روی ب

کرده تخلصش مشربی بود در عنفوان جوانی وفات یافت این مطلع ازوست[1]. منه*

بردم اختلاط گرم دارد آفتاب من
ندارد رحم[2]* بر سوز دل و چشم پر آب من

و این[3] بیت نیز ازوست منه

مرا آمد نصیب از عشق خوبان داغ نومیدی
نصیب کس مبادا یارب[4] این داغی* که من دارم

۲۰. خلیفه[4] میرک

پسر خلیفه محمد حیات است* و در جهات صنایع حربیه[5] صاحب اختراعات، از جمله در شعربافی در زیر فلک نیلوفری[6] نظیر ندارد و دوتا[7] نقش پرداز فلک اطلس[6]* و استاد کارخانه سپهر معصفری تار و پود لیل و نهار در کارگاه روزگار در کشیده مثل اوئی ندیده، طبعش در [شعر[8]] هم

---

[1] ب: وبیت ازوست، مطلع

[2] در ب ندارد

[3] ب: این چنین دردی

[4] خلیفه او بهم پسر خلیفه محمد حیا بیت

[5] ب: جزیه

[6] ب: اطلس

[7] ب: نیلوفری دوتا

[8] از روی ب

خوب است این مطلع ازوست منه[1]

بلبل بچمن نالد و من بر سر کویش
او عاشق گل گشته و من عاشق رویش

۲۱- خواجه شهاب الدین عبدالله

همدمی تخلص می کند از مشهد امام رضا علیه[2] الصلوٰة و السلام*
است اما اکثر اوقات در آستانه حضرت[3] امیر المومنین علی علیه[4] السلام
می گذرانیده* و مرد خوش فهم و خوش نویس و در علم سیاق خوب،
این مطلع ازوست منه[4]

از لبش خنده[5] نگر فتنهٔ عالم با اوست
وز قدش جلوه ببین روح مجسم با اوست

۲۲- مولانا فضلی

مولدش قزوین است و از ملا زادهای آنجاست خطش خوب و
حسن اختلاطش مرغوب، این مطلع درین[6] روزگار یادگار ایشانست. منه*
دل در برم طپید نگر یار می رسد   یا نامهٔ ز جانب دلدار می رسد

---

۱ ب: مطلع   ۲ در ب ندارد
۳ ب: بن ابی طالب کرم الله وجهه می گذراند
۴ ب: مطلع
۵ آ: فتنه نگر خنده ب مثل متن   ۶ ب: ازوست

ذیل صحیفهٔ سوم

درذکرارباب استعداد

که پیرایهٔ خود را بزیور شعر آراسته اند و از غایت صفای خاطر شعر را علاوهٔ آن فضایل ساخته ورق ۴۵

۲۳- مولانا شاه محمود

اصلش از نیشاپور است و در خط نستعلیق قطعات سحر آیاتش سواد بخش دیدهٔ حور، اگرچه درین فن شاگرد مولانا عبدی است امّا ازو در خوش نویسی بیش[1] است و باوجود چندین هنر[2] بسی* فقیر و درویش است. این غزل ازوست منه[3]

چشم از ناز دمی باز نکردی هرگز | نظری سوی من از ناز نکردی هرگز
سنگ بیداد زدی بر سر اغیار و مرا | بچنین لطف سرافراز نکردی هرگز
چون کنم با تو عیان راز دل خویش چو تو | بخودم همدم و همراز نکردی هرگز
چون برم ره من دلتنگ بسر دهنت | لب چو با من بسخن باز نکردی هرگز

---

[1] ب: درپیش

[2] اصل: مرلتی تصحیح از روی ب

[3] ب: غزل

تا شد از خیل سگانِ سرِ کویت مخلص
یک رهش سوی خود آواره نکردی هرگز

۴۴۲- مولانا عبدی

خال مولانا شاه محمود مذکور است و در خط شاگرد مولانا سلطان علی مشهدی است[1] باوجود کبرسن خط را خوب می نوشت و با[2] آنکه ع

سفید شد چو درخت شگوفه دار سرش*

نهال آرزوی سرو[3] قامتان درچمن جان می کاشت* مدتها در خدمت صاحبقران[4] مشرف بود و درین دو سال بعالم جاودانی[5] شتافت* این مطلع و مقطع ازوست. منه[6]

ما را سریر سلطنت آن خاک در بس است
وز برق آه بر سر[7] ما تاج زر بس است
ای دل کشیده دار چو عبدی عنان صبر
کز مهر مهوشان هوس[8] این قدر بس است

---

[1] در ب ندارد [2] ب: باوجود پیری
[3] ب: سروقدان درچمن دل می کشت
[4] یعنی شاه طهماسب اول
[5] ب: باقی شتافته [6] در باب ندارد
[7] ب: من
[8] ب: هوسم

۲۵- مولانا انیسی

اصلش از ولایت خوارزم است[1] و در خدمت سلطان یعقوب می بود و او خط نستعلیق چنان می نوشت که مردم او را قرینهٔ مولانا سلطان علی مشهدی می دانند و[2] فی الواقع* که دران روش خط را[3] بسرحد سحر رسانیده، گاهی نظم ازو سر می زد و این مطلع مشهور[3] ازو ست - منه[3]

مژه مانع نشود اشک من محزون را
نتوان بست بخاشاک ره جیحون را

۲۶- عبدالکریم پادشاه

برادر مولانا انیسی است وجه تسمیه او[4] آنکه دماغش[5] پیدا کرده[6] بود* و خود را "پادشاه" نام کرده[6] و بمردم حکمهای غریب می کرد اما فقیر درکم آزار بود و نستعلیق روش برادر را خوب می نوشت و در آخر

---

[1] ب: بود
[2] ب: درواقع
[3] در ب ندارد
[4] ب: او را
[5] آ: داغ
[6] ب: کرد

قطعها می نوشت که "کتبه خدا" و گاهی نوشتی [کتبه[1]] رزّاقه[2] "دکذا،
و اسم منفرّی[3] او*"پادشاه" بود، باوجود این شعر نیز می گفت این
دو مطلع ازوست[4] منه

ترا در دیده جا کردم که از مردم نهان باشی
چه دانستم که آنجا هم میانِ مردمان باشی

منه[5]

نمی گوئی حکایت با من و آنگه که میگوئی
ز بسّ[5] حیرت ندانم با که میگوئی چه میگوئی

۲۷۔ حافظ باباجان

از تربت خراسان ست و خط نستعلیق را خوب[6] می نوشت و
نقّاری و زرفشانی در استخوان خوب می دانست و در سازها عود و شترغو[7]

---

[1] از روی ب

[2] آ : رزاقه ب : زرانه

[3] ب : متفرد خود که می نوشت کتبه

[4] در ب ندارد

[5] ب : ز حیرت می ندانم

[6] ب : بسیار خوب

[7] شترغو سازیست (رساله فضل الله خان، صاحب لغات نوائیہ می گوید: شیدرغو نوعیست از عود دیتی ساز معروف) که آن را شتو درغو و چتر عود نیز گویند

را خوب می نواخت کہ باعتقاد من ہیچ کس[1] به ازو نواخت و
خلیق و درویش نہاد است[2] و در عروض و معما طبعش خوب[3] این
مطلع ازوست منه[4]

بجان از ستمهای دوران رسیدم رسیدم بجان تا بجانان رسیدم

در شهور سنه اربع[5] و اربعین و تسعمایه* در تبریز فوت شد این مطلع
هم ازوست

منه[4]

در رخت آنها که حیران نیستند نقش دیوارند انسان نیستند

۲۸ مولانا مالک[6] دیلمی

(ورق ۱۴۹

اصلش از تبریز است و بعضی گفته اند از قزوین و اکثر خطوط
خصوصاً نستعلیق را خوب می نویسد و از موسیقی و شعر هم وقوف
تمام دارد و در معما بد نیست منه[7]

تا بکی یار رقیب از بهر آزارم شوی
کی بود کز بهر آزارش دمی یارم شوی

---

[1] ب: کسی [2] ب: بود
[3] آ: خوب بود (اما بود زیادت بعد است)
[4] در ب ندارد [5] ب: ۹۴۴ه
[6] آ: ملک، تصحیح از روی ب
[7] این مطلع ازوست

۲۹- مولانا ابراهیم

از استرآباد است و خطوط[۱] خصوصاً تعلیق* را خوب می نولیسد و بنا برین مدتی منشی سرکار رضویه علیه[۲] السلام* بود این مطلع ازدست منه[۳]

منم جا داده در صحرای دل مشکین غزالی را
بر آورده بخوناب جگر نازک نهالی را

۳۰- مولانا اسمعیل

پسر مولانا ابراهیم است خط نستعلیق بد نمی نوشت و در شعر تخلصش نجاتی است این مطلع[۴] ازدست منه

دو دمسازیم ما و نی بکنج درد و غم باهم
که می نالیم از درد جدائی دمبدم باهم

۳۱- مولانا حیدر[۵] خیابانی

از خیابان شهر تبریز است قرآن را حفظ کرده و قانون و شترنو[۶] را

---

۱ ب: خط نستعلیق
۲ ب: علی ساکنها التحیة
۳ در ب ندارد
۴ ب: مطلع
۵ ب: صدر
۶ ب: شترغو
* رک به نمر ۲۹۵

بد نمی نوازد این مطلع ازوست منه

دست عشق آمد ز کوی عقل بیرونم کشید
موکشان در دست غم پهلوی مجنونم کشید

۳۲- حافظ مجلسی

از شهر تبریز است و قرآن را حفظ دارد و قانون و شترقو[2] را بد نمی نوازد و در[3] خوش نویسی نیز دستی دارد* این مطلع[1] ازوست. منه

قدت نهال طوبی و طوبی روان خوشست
حسنت در آن خوبی و خوبی دران خوشست

۳۳- دوست محمد کوشوانی

کوشوان دیهی است درحوالی هرات[4] و مولانا جوان[5] [آد]می و خوش صحبت شوخ طبیعت[6] است* خط نستعلیق را خوب می نویسد و در شعر و عروض و معما مهارتی دارد و گاهی بامر صحافی[7]* نیز می پردازد

---

[1] ب: مطلع [2] ب: شترغو

[3] ب: خطش نیز بد نیست و سوای این بیت حیثیت می شمارد که دارم

[4] ب: هری

[5] از روی ب

[6] ب: طبعست

[7] ب: بصحافی

و تخلص او کاہی[1] است این اشعار[2] از وست منه[3]

تا چند بحیرت در و دیوار تو بینم
از خانه برون آی که دیدار تو بینم
بخرام که از هر طرفی سرو قدان را
حیران شدهٔ قامت و رفتار تو بینم

۳۴-مولانا زین العابدین

مشهور[4] به تکلتو خان* قصهٔ[5] بلاغت آثارش* زنگ زدای هر غصه و غم و حرکات دلپذیرش مزیل محنت و الم، اصلش از شیراز است در اوایل سفر بسیار کرده بود و اوقات بمعرکه گیری صرف می‌نمود و آخر بخدمت صاحب قران مغفور افتاد چندان رعایت یافت که هیچ کس ازین طایفه در هیچ[6] زمان مثل آن نیافته* و ظرایف و لطایف که میان او و صاحب قران مغفور واقع[7] شده* مشهور عالم

---

[1] ب : کافی
[2] ب: مطلع و بیت
[3] در ب ندارد — [4] در ب ندارد، "تکلتو چیزی ست که از نمد وغیره دوزند و زیر زین بگذارند تا آسیب به پشت اسب نرسد" (تتمه برهان قاطع)
[5] ب : قصیدهٔ بلیغش
[6] ب : زمانی مثل آن نیافته اند
[7] ب: گذشته

است چون ایراد آن موجب بی ادبی بود گستاخی نمود این مطلع از
است منه[1]

زهم بکشا لب و بنما بخوبان نکته دانی را
که نگشاید کسی چون تو معمای نهانی را

۳۵ـ مولانا کمال الدین قصه خوان

خود می گفت که از اولاد مولانا کمال غیاث فارسی ام اما او[1] را[*] تولد در اصفهان است[2] شیرین سخن و گرم گفتار بود مدت دوازده سال با من می بود[3] بعد ازان مدت هفت سال دیگر[*] در خدمت صاحبقرانی[4] بسر می برد و در اواخر[5] از مداومت افیون تفاوتی[6] فاحش در صورت و سیرت او پیدا شده[7] بود[*] کانه[8] مسخ[*] شده بود یا بمذهب تناسخ روح او را در قالب دیگر در آورده بودند تا در شهور سنه

---

[1] در ب ندارد
[2] ب: یافته ام
[3] ب: بعد ازین هشت سال
[4] مراد از شاه طهماسپ اول است کمامر
[5] ب: آخر
[6] ب: تفاوت
[7] ب: شد
[8] ب: ب کو باکه نسخ

اثنتی[1] وخمسین وتسعمایه* فوت شد و در اوایل گاهی کلام[2] نظمی ازو سرمی زد این چند بیت[3]* ازانجمله است منه[4]

ای خوش آن ساعت که در کوی تو منزل داشتم
صد مراد از دیدن روی تو حاصل داشتم
داشتم پنهان ز غفلت آتشی در دل چو شمع
بر زبان آوردم اینک آنچه[5] در دل داشتم

منه

صرف راه تو چه باشد[6] که به از جان باشد
جان همان به که نثار ره جانان باشد
گفتمش در غم عشق تو پریشانم گفت
هر که عاشق بود البته پریشان باشد

۳۶- مولانا[7] قطب الدین احمد*

برادر مولانا کمال[8] الدین حسین قصه خوان است و مصاحب حضرت

---

[1] ب: ۹۵۲
[2] در ب ندارد
[3] ب: مطلع
[4] ب: هرچه
[5] ب: سازم
[6] یعنی نمره ۳۵

صاحب[1] قران* این مطلع زادهٔ[2] طبع* اوست. منه[3]

دل فگار از غم دلدار خوشش است
سینهٔ ریش از ستم یار خوشش است

۳۷- مولانا دوست محمد[4]

از سازنده‌های مقرر[5] شهر هرات است بعضی[6] اوقات در گیلان بخدمت پادشاه* گیلان می بود بعدازان در خدمت حضرت صاحب قران بسر می[7] برده آخر بطرف هرات رفته* در[8] شهور سنه تسع و اربعین وتسعمایه در آنجا فوت شد. این رباعی ازوست منه[9]

تا چند ز تو به دلم آزار رسد — جور و ستم و طعنهٔ اغیار رسد
باری بهمین خوشم اگر از سر لطف — گاهی نظرت بر من بیمار رسد

۳۸- محب علی[10]

از هرات[11] است* نی را بسیار خوب می نوازد خط[12] نستعلیق را نیک

---

[1] ب: صاحب قرانیست تیز رک به حاشیه — [2] ب: از
[3] ب: مطلع — [4] ورب بجایش سهواً نوشته است: محب علی نایی
[5] ب: درگیلان چندگاه درخدمت والی — [6] ب: می برد آخر بهرات رفت
[7] ب: در ۹۴۹ و آنجا — [8] در ب ندارد
[9] درب سهواً نوشته است، استاد دوست محمد زنبورک بر ح ۱، [10] ب: هر بیت
[11] لوند است و مشرب خوب و ظریف دارد — عه رکت به ح ۵

می نوشت اما بسیار بی پردا و لوند[1] مشرب و ظریف است* و مدتی با من می بود بعد ازان بواسطهٔ بعضی مردم که مردمی در ایشان نیست حضرت صاحبقرانی او را بسید بیگ[2] که مشهور است و اسم* او سید منصور کماته است سپروند و حالیا با او می باشد و او با سید مذکور ظرافتها می کند، چنانچه سید مذکور در خیمه نشسته بود و شعر عربی می خواند[3] و ترجمه آن را می گفته ناگاه اشتر[4] ایشان که در بیرون بسته بود بادی جدا[5] کرده چنانچه[6] آوازه* باندرون خیمه رسیده، استاد مذکور[7] بسید بیگ گفته: خداوند اشتر شما نیز شعر می گوید، سید بیگ را بد آمده گفته اگر[8] دیگر مثل این سخنان می گوئی ترا ادب[9] می کنم* او در جواب گفته که شما[10] را می باید که مرا جایزهٔ شفقت فرمایند* که لطیفهٔ گفته ام سید بیک زمانی تأمل کرده بعد ازان تصدیق او نموده[11] و از روی خنده گفت[12] راست می گوئی، این مطلع[13] و بیت از دست منه[14]

---

[1] ب: لوند است و مشرب خوب و ظریف دارد [2] ب: بیک کماته که اسم، در ب کماتهٔ مشدد ۲ بهر دو جا
[3] ب: خوانده [4] ب: شتر
[5] ب: رها [6] ب: چنانکه آواز آن
[7] ب: محمدعلی مذکور [8] ب: که اگر
[9] ب: تربیت خواهم کرد [10] ب: مراجایزه شفقت فرمائید
[11] ب: کرده [12] ب: گفته
[13] در ب ندارد [14] ب: مطلع

نیست غیر از بلا سرایت عشق   ز اوّل عشق تا نهایتِ عشق
آه مجنونِ عشق پیشه کجاست   تا برم پیش او شکایتِ عشق

۳۹ - آشفتهٔ [قصه[1]] خوان

استرآبادیست در[2] قصه خوانی و شاعری سخنش خالی از اثری نبود* این مطلع ازوست مثله[2]

بدورِ ماه رخش تا خط بنفشه دمید
قدم ز رشک خطش چون قد بنفشه خمید

۴۰ - مولانا قاسم علی قصه خوان

از[3] مشهد است* بسیار خوش طبع بوده[4] و قصه را بحرارت و چاشنی می خواند این ازوست مثله[5]

چو توئی نبوده هرگز بوفا و مهربانی   تو هیچ کس نماند تو به هیچ کس نمانی

۴۱ - حافظ چرکین[6]

تبریزیست، نقشها[7] و صوتها* را طوری می بندد[8] و در هجو علما دارد

---

[1] از روی ب
[2] در ب ندارد
[3] ب: مشهدیست
[4] ب: بود
[5] ب: شعر
[6] ب: چیرکین
[7] ب: نقش و صورت
[8] آ: داند، تصحیح از روی ب

و از جمله برای مولانا[1] زینی* که بغایت سیاه و جسیم بوده علی بسته تاریخ وفات او بود[2] خرس سیاه پیدا کرده بود و وی* بسیار برش می خورد و باوجود آواز گرفته[3]* ماندگی همی کرد[4]* و اعتقاد تمام بشعر خود دارد و خاطر بجمیع قوی بزیب و زینت خود می گمارد و تخلصش فراقی[5] است ، این مطلع ازوست منه[6]

دمبدم می گردم از شوق لب لعل. تو مست
لعل جان بخش ترا کیفیت بسیار هست

۴۴ - خروش[7]

اصلش از مشهد مقدس است و در کاشان متولد شده از[8] طفولیت پیش من می بود و این مطلع[9] ازوست منه

بسوزم از غم شمع شب افروزی که من دارم
ندارد هیچ عاشق هم چنین[10] سوزی که من دارم

---

[1] آ: مولانا رسی ب : ملازینی

[2] در ب ندارد

[3] ب: گرفتنگی آواز [4] ب: می کند

[5] ب: فراقی [6] ب: مطلع

[7] ب. خروش؛ وی در ذیل ارباب استعداد مذکور است اما مولف واضح نکرده است که خصوصیتش چه بود [8] ب: درطفلی

[9] ب: مطلع [10] ب : این چنین

۳۴- مولانا مجنونِ چپ نویس

از خوش طبعان هرات است و در خط چپ بی بدل عالم بود و خط دیگر اختراع کرده بود[۱] که او را[*] توأمان نام نهاده و صورت[۲] خطی آن چنان[*] که در صورت بقلم می نوشت که این دو بیت درو خوانا بود منه[۳]

توأمان مخترع مجنون است[۵] | کز قلم چهره کشاییها کرد
تا[۶] شدم مخترع صورت کش | خطکم صورتی پیدا کرد

و رسالهٔ نظمی[۷] باسم من[*] در بحر لیلی و مجنون بسلک[۸] تحریر آورده بود[*] و در قواعد خطی و[۹] تعریف چگونگی قلم و سیاهی رنگ کردن[*] کاغذ و ما نیعلق بها جهت نسبت[*] این بیت در[۱۰] رنگ کاغذ ازان[*] بخاطر بود نوشته شد منه[۱۱]
ورق ۸ب

رنگی که صفای خط ازانست[۱۲]
از آب حنا و زعفران است

---

۱ ب : آبودند ب مثل تن
۲ ب : و آن را خط
۳ ب : صورتش اکه
۴ ب : بیت
۵ ب : شد. کز قلم چهره کشای می کرد
۶ ب : باشدم
۷ در ب ندارد
۸ ب : باسم من نوشته بود و در سلک تحریر در آورده
۹ ب : در رنگ
۱۰ ب : بیت
۱۱ ب اور

این مطلع هم ازوست منه[1]

بیوفا بودی نه اول من نرا نشناختم
حیف اوقاتی که در عشق تو ضایع ساختم

این مطلع قصیده هم بدو تعلق دارد منه[2]

فیروزهٔ سپهر در انگشترین تست
روی زمین تمام بزیر نگین تست

---

[1] ب: مطلع

[2] رک برای وی به بابرنامه (طبع گیب ترسٹ)، ورق ۱۷۹ ب بعد و لطایف نامه فخری ۱۰۱

صحیفهٔ پنجم

در ذکر شاعرانی که بتخلص مشهورند

مطلع اول

در ذکر کبرای شعراء و عظمای بلاغت انتما

مهم مولانا بنائی[۱]

مولدش هرات ست و چون پدرش معمار بود بنا بران این تخلص اختیار نموده[۲] و دانش چون در اصل قابل افتاده* در اوایل جوانی روی[۳] توجه بجانب کسب کمالات آورده در اکثر فنون گوی مسابقت از اقران ربود* و بنیان فضایلش [سمت[۴]] کانهم بنیان مرصوص پیدا کرده

---

۱ رک برای وی به بابر نامه (طبع گیب ترسٹ)، ورق ۱۷۹ ببعد و لطایف نامهٔ فخری ۱۰۱

۲ در ب ندارد

۳ ب: متوجه بکسب کمال شد در اکثر فنون سابق بر اقران شد

۴ از روی ب

نست

از امیر[1] غیاث الدین منصور منقول است که می گفته که ملا بنائی ملای شاعرا و شاعر ملایان است، در تصوف و خوشنویسی و خوش خوانی مشهور بود و در علم موسیقی و ادوار که از اقسام ریاضی ست رسایل دارد و ظرایف و لطایف طبعش بمرتبهٔ بود که نسبت بمیر علی شیر که علم[2] نزاکت می افراشت* و نزاکت مزاجش ازان مشهورتر است که احتیاج بتعریف داشته باشد سخنان می گفت، از جمله آنکه روزی بدکان پالان دوزی رفته گفت[3] که پالان میرعلی شیری خواهم و این سخنان[4] بامیر علی شیر رسانده‌اند[5]، با او سوی مزاج پیدا کرده چنانکه در وطن اصلی نتوانست ایستاد[6] رو بعراق کرده[7] در خدمت سلطان یعقوب اندک ترقی کرده[8] کتاب بهرام و بهروز را بنام پادشاه مذکور گفته[9]

چون یوسف بیک برادر سلطان یعقوب نیز مقارن آمدن[10] او وفات یافته درال باب گوید[11]. نظم

نه از یوسف نشان دیدم نه از یعقوب آثاری
عزیزان یوسف ار گم شد چه شد یعقوب را باری

و بعد از اندک زمان حب وطن او را بجانب هرات کشید دیگر باره

---

[1] ب: نیز مبرور (بجای امیر)　　[6] در ب ندارد
[2] آ: بود، ب: گفته　　[7] ب: سخن
[3] ب: دیده　　[8] ب: بودن
[4] ب: آورده　　[9] ب: کردد
[5] ب: گفت　　[10] ب: گفت بیت　　[11] ب: زمانی

امور ناملایم ازو در وجود آمد درین نوبت میر علی شیر بشیتر از[1] پیشتر* رنجیده کار بجائی[2] رسید که پروانهٔ قتلش[3] حاصل کرد، از جملهٔ [بواعث[4]] رنجش یکی[5] آنکه چون میر[6] بنا بر عدم توجه بجانب تاہل بعنینت[7] اشتهار یافته بود (و[8]) مولانا قصیدهٔ جهت او گفته حلهٔ چنانچه مطموع[8] او بود [بدو[9]] نرسید بناء علیه آن قصیده را بنام سلطان احمد میرزا قوم سلطان حسین میرزا کرده بدو گذرانیده این معنی مسموع میر شد[9] نسبت بملا در مقام کلفت شده، مولانا جهت تلافی این قطعه را نوشته بملازمتش فرستاد[10]. قطعه

دختزانی* که بکر[11] فکر منند ۔۔۔ هر یکی را بشوهری دادم
آنکه کابین نداد عنین بود ۔۔۔ زد[12] گرفتم* بدیگری دادم

لاجرم جلاء نموده بطرف[13] ماوراءالنهر* رفت و در خدمت سلطان علی میرزا ولد سلطان احمد میرزا پسر[14] سلطان ابوسعید که دران وقت والی ماوراء النهر بود راه ندیمی یافته درانجا قصیدهٔ مجمع الغرایب

---

۱ ب: زماتی
۲ ب: بجائی
۳ ب: بقتل او
۴ از روی ب
۵ در ب ندارد
۶ ب: میرزا
۷ ب: بعنت
۸ ب: مطبوع
۹ ب: شد
۱۰ ب: فرستاده
۱۱ آ: فکر بکر
۱۲ زد ستادم
۱۳ ب: بماوراء النهر
۱۴ ب: نیم شده پسر بجای پسر
* سنه ۹۰۳ - ۹۰۲ رک به لین پول ص ۲۶۸

که بزبان هرونیست[1] درسلک نظم کشیده* این دو بیت ازوست[2]* ؎
آنکه لازال نافذا این بود حکم عالی پادشاه زمان
خسرو ملک ماوراء النهر شاه سلطان علی بهادر خان

تا آنکه محمد خان شیبانی برآن ولایت دست یافت و مولانا بنائی در درگاه خان[3] منصب ملک الشعرائی یافته[4] همراه او متوجه[5] خراسان شد و امور نامرضیه ازو در هرات ظاهر شد از جمله آنکه مال شاعری بردم حواله کرد و بعد ازانکه صاحب[6] قران مغفور بر خان اوزبک استیلاء یافت او در قرشی ماوراء النهر می بود تا آنکه میر نجم ثانی که دستور[7] اعظم* صاحب قران مغفور بود بران ولایت دست یافته بقتل عام فرمان داد و بنای حیات مولانا بنائی را نیز دران واقعه بانهدام رسانیدند و کان ذالک فی شهور سنه ثمان[8] عشر و تسعمایه' از اشعار مولانا بنائی دیوان غزل مشهور است و غزلی چند[9] دیگر در تتبع خواجه حافظ تخلص[10] حالی* گفته و قصاید خوب دارد[11] ' این چند بیت ازوست[12] نظم

---

[1] هر بیت نظم کرد
[2] ب: ازانست
[3] ب: عالی
[4] ب: یافت
[5] در ب ازین موضع ده ورق بخط جدید است
[6] یعنی شاه اسمعیل اول
[7] و: از دستور اعاظم، تصحیح از روی ب
[8] و: دعشر (بجای عشرة) ب: عشرین (که غلط است)
[9] در ب ندارد
[10] ب: شیرازی
[11] ب: هم دارد
[12] ب: از جمله اشعار اوست مولانا بنائی

گلستانیست خورم دیده ام از عکس رخسارش
ز مژگان خارها بگرفته بر اطراف دیوارش

[س]

بسرمه آنکه سیه کرد چشم یار مرا   چو چشم یار سیه کرد روزگار مرا
کنم غوغا بهر بیگانه کاندر کوی او بینم   که تا آید برون بهر تماشا روی او بینم (ورق ۱)

منه[1]

نه از خون جگر مژگان من بر یکدگر بسته
که بی او مردم چشم بروی غیر در بسته

منه[1]

تعالی الله چه گلزاریست رخسار عرقناکش
که آب از چشمهٔ خورشید داده ایزد پاکش

[س] خواهم غبار گردم در کوی او در آیم
تا هر که بیند او را در چشم او در آیم

این رباعی نیز از جمله اشعار اوست رباعی

یوسف صفتان اهل پرهیز کجا   شیرین منشان شهوت انگیز کجا
یا بوالهوسان نسبت عشاق مکن   یعقوب کجا خسرو پرویز[2] کجا

این دو مطلع هم از اشعار اوست

در دل آرم هر زمان کان مه دلآرای منست
خاطری خوش می کنم او را چه پروای منست

---

[1] متفاوت است از ب

[2] آ: وپرویز، ب: مثل متن

ز بدخوئی چنان بیگانه شد آن بی‌وفا با من
که شد بیگانه با هر کس که گردید آشنا با من

۴۵ـ شوقی[1] یزدی

(ص۷۴۰)

[از[2] اولاد خواجه رشید است] مرد خوش صحبت و آدمی سیرتست خط نستعلیق را خوب می نویسد و در انشاء مهارت تمام دارد چنانچه بعضی اوقات منصب انشای من[3] تعلق بدو داشت و[4] (از؟)، اکثر کتابخانه که فقیر داشتم او باخبر بود و کتب متداوله را خوانده است و شاعر* پاکیزه‌گوست و[5] از اقسام شعر* بقصیده گوئی بیشتر مشغولی می کند[6] در جواب قصیده مولانا امیدی گفته است[7]

ای تو سلطان ملک زیبائی   ما گدا پیشها[8] تماشائی

قصیده[9]

ای رخت ماه اوج زیبائی   قامتت سرو باغ رعنائی
سرو و گل را اگر بود با تو   دعوی حسن و لاف زیبائی
سرو بر جا بماند[10] از خجلت   چون خرامان بباغ فرمائی

---

[1] در ب ترجمهٔ شوقی نیز بخط جدید است   [2] از روی ب
[3] در ب ندارد   [4] ب: شاعری
[5] در ب ندارد   [6] ب: دارد
[7] ب: فرد   [8] آ: پیشگان
[9] در آ بعد از حک و اصلاح افزوده است: گفته این چند بیت از آنهاست، ب مثل متن   [10] ب: نماند

گل ز شرم رخ تو آب شود[1]　　اگر از پرده روی بنمائی
ماه را با رخ تو نسبت نیست　　سرو را با قد تو مانائی
سرو آزاده ایست گوشه نشین
هرزه گردیست ماه هرجائی

دریں[2] *قصیده مطلع قصیدۂ مولانا ابهدی را تضمین کرده[3] و خوبست منه*

ای تو شاه سریر دلجوئی　　ای تو سلطان ملک زیبائی
روز میدان زخرگه لعلی　　چون گل از غنچۂ برون[4] آئی
عزم میدان کنی و چون خورشید　　عالم از روی خود بیارائی
زلف چوگان صفت بدوش نهی　　وز بنان گوی حسن بربائی
شاه خوبان عالمی و ترا
ما گدا پیشه[5] تماشائی

درجواب قصیده ردیف گل مولانا کاتبی قصیدۂ گفته که از زمین
باقی قصیده را معلوم می توان کرد منه[6]

شاخ گل را از تفاخر سر زگرودن بگذرد
تو گل من گر زند بر گوشۂ دستار گل

و این مطلع[7] نیز[8] ازوست منه[9]

ل در ب به تصحیح "شود" را "به شده" مبدل کرده　　۲ آ، داین
۳ ب: قصیده　　۴ آ: کردون، ب، مثل متن
۵ آ: پیشیکان، ب مثل متن　　۶ ب: کاسه
۷ ب: بیت　　۸ ب: هم　　۹ ب: مطلع

شب تا بروز گریۂ جانسوز می کنم
بی تو شبی بخون جگر روز می کنم

۴۶- گلشنی[1] کاشانی (ورق ۱ ه ب)

در اوایل بشنک فروشی اشتغال می نمود شوق سخن عنان او را گرفته بجانب غزالان مشکبوی عنبر موی کشید، باردوی همایون تردد داشت، مردی مصاحب و عاشق پیشه است عزم عتبات عالیات نمود و بشرف زیارت مشرف شد و ازانجا سفر کرده بشوستر افتاد ودرانجا جوانی دیده دل از دست داد و الحال آنجا بسر می برد، خط نستعلیق را بمزه می نویسد این مطلع و رباعی ازوست منه (ورق ۲ ه و)

بلبل بباغ گر سخنی زان دهن برد
از شرم غنچه سر بنه پیرهن برد

رباعی

ای شوخ بلا آفت جانی شدۂ　　از بهر من پیر جوانی شدۂ
میخواست دلم سرو روانی زین باغ　　تو خاستۂ، سرو روانی شدۂ

۴۷- مولانا فیضی

برادر حافظ بابا جان[2] بود و حافظ کلام الله، خط را خوب می نوشت

---

[1] ترجمه اش را در ب ندارد۔

[2] رک به ص ۱۰۱

و جوانی بغم بود و در شعر هم طبع خوب داشت این رباعی و مطلع ازوست۔ رباعی

از پیش من آن زہرہ جبین میگذرد آشوب دل و آفت دین میگذرد
عمرم ہمہ بگذشت ندیدم رویش افسوس ز عمری کہ چنین میگذرد

منہ

موئی شدہ ام بی خط مشکین رقم او
کو بخت کہ آیم بزبان قلم او

۴۸۔ ذہنی نقاش

(ورق ۸۲ ب)

از جملہ خوش طبعان و لوندان شہر یزد است و سر حلقۂ ارباب سوز و درد و ذہن صافی و سلیقۂ وافی داشت چنانچہ ازین مطلع معلوم می توان کرد[1] منہ[2]*

بعد از وفات ہر قلم استخوان ما سر لشنہ نامہ ایست ز دردِ نہان ما

۴۹۔ عبداللہ شہابی

(ورق ۸۳ و)

در اصل از ممالیک سادات سیفیۂ[3] قزوین است اما چون فطرتش بغایت قابل افتادہ ‹بود› باندک جد و جہدی در فنون فضایل مثل

---

[1] ب: م
[2] ب: می توان دانست' م'
[3] ب: سیفیہ

خط و انشاء و شعر و معما ترقّی[1] نموده در خوش طبعی مشهور و معروف است[2] و دفات مولانا در وبای عظیم بغداد در حلّه فی داسطهٔ شهر جمادی الاولی [سنهٔ] اثنتی و عشرین و تسعمایه*

این مطلع ازوست منه[3]

شراب عشق عجب شورشی بجان من آورد
که هر چه در دلِ من بود بر زبانِ من آورد

۵۰-قدیمی نقاش

(ورق ۹۸ ا) اصل او از گیلان است مصور خوبست و در شاعری خود را کمتر از دیگران نمی داند این [مطلع و بیت][4] ازوست

دیده ام روئی و عاشق شده جائی عجبی
رو نمودست مرا باز بلائی عجبی
چاره در عشق تو جان دادنم از درد و غمت[5]
طرفه دردیست الم را و دوائی عجبی

---

[1] ب: ترقی تمام
[2] ب: کشت
[3] ب: مطلع
[4] از روی ب
[5] آ: غمست، ب مثل متن

۵۱- عشقی تبریزی
(ورق ۸۶ الف)

معمّائی و کتابه نویس خوبست و گاهی شعری میگوید این مطلع ازوست. منه

چون بگذرد بخاک من زار دلبرم
گر سر نه خاک بر نکنم خاک بر سرم

۵۲- آیتی[1] اصفهانی
(ورق ۸۶ ب)

اوقات بمکتب داری می گذراند و خط نسخ و نستعلیق را خوب می نویسد این مطلع ازوست منه

میان ما و سگ یار فرق بسیار ست
چرا که ما سگ اوئیم و او سگ یار ست

۵۳- نباتی تبریزی
(ورق ۸۶ ب)

به نقاشی و لاجورد شوئی اوقات می گذراند، این مطلع ازوست منه

عکسِ رخسارہ آن پری رو تا در آب انداخته
از خجالت آب را در اضطراب انداخته

در مقطع این غزل تخلص نباتی بسیار شیرین واقع شده منه

از هوای آن لب شیرین نباتی روز و شب
چون مگس خود را درون شهدِ ناب انداخته

---

[1] تراجم عشقی تا شیخی کرمانی را در ب ندارد، و باقی تراجم این صحیفه را در ان نسخه در صحیفه هشتم آرد.

(ورق ۹۸ب)

۵۴- گلیمی گیلانی

همگی اوقات بترقی خط و انشا می گمارد و در بعضی اقسام حکمت وقوفی دارد این مطلع ازوست منه

خطش که گرد رخ همچو ماه تابان است
نوشته سورهٔ یوسف بخط ریحانست

۵۵- مولانا کشوری

از اردو باد قزوین است و خط نسخ و نستعلیق را طوری می نویسد و شعر بسیار گفته بهترین اشعارش این مطلع است منه

بنو بهار رخت آفتِ خزان مرساد! غبار غم بتو ای سرد نوجوان مرساد!

(ورق ۹۰)

۵۶- شیخی کرمانی

در نقاشی بی بدل بود و در ملائی مکمل، این مطلع ازوست منه

طره ات مار خفته را ماند چهره ماهِ دو هفته را ماند

(ورق ۹۲ا)

۵۷- مولانا[1] جان کاشی

[کاتب[2]] خوشنویس بود و خطی اختراع کرده است موسوم به شکسته بسته بدین کیفیت که در دو ورق کاغذ تنک که پاره ازین ورق[3]

---

[1] ب. ملاجان
[2] از روی ب
[3] در ب ندارد

سفید و پارهٔ ازان سیاهست چون بر بالای هم می نهند صورت خط ظاهر می شود و در شعر گفتن قدرت[1] عجبی داشت چنانکه در یک شب هزار بیت می گفت و در قافیه و عروض و معما رسایل دارد و اوقات بتعلیم اطفال می گذراند[2]، این مطلع ازوست منه[3]

ای از رخ تو سورهٔ یوسف حکایتی
نون والقلم ز ابرو و قدّت کنایتی

۵۸- گلشنی[4] کاشانی

(ورق ۹۱ ب)

خطوط را خوب می نویسد و بتعلیم اطفال مشغول است، این دو مطلع ازوست. منه

آنکه به گریهٔ من خندهٔ بسیار کند   گر بداند غم من گریه بدو[5] کار کند

منه

شمع سان یک شب اگر سر در سرای من کنی
گریهٔ بسیار چون شمع از برای من کنی

۵۹- مولانا[6] محمود[7] صبوری

(ورق ۹۲ الف)

در طهران بکتابت مشغول ست، این مطلع ازوست. منه

---

[1] ب: ذوقی و قدرت [2] ب: گذرانید [3] ب: مطلع
[4] ب: روایتی [5] ب: نعمتی، اما ترجمه نعمتی کاشانی را در آ چند سطور پیش ازین آورده است
[6] ب: بکرار [7] در ب ندارد

نیست اشک لاله گون کز چشم پُر خون می رود
از غمت خونِ جگر از دیده بیرون می رود

۶۰۔ وفائی تونی

(ورق ۶۳ ر)

طالب علم و ظریف[۱] و خوش صحبت و خوشنویس است این مطلع ازوست منه

نشسته طوطی خط بر لب لعل شکر بارش
به پیش آن دهان بود ولی یارای گفتارش

۶۱۔ نگاهی[۲]

(ورق ۵۵ و ۹۱)

مولدش هرات است و اوقات او بکتابت می گذرد[۳]* و هر روز چهار بار افیون می خورد، این مطلع ازوست منه

با بتان دل شرح درد بی نوائی میکند
بی نوائی از در دلها گدائی میکند

۶۲۔ مولانا غیبی[۴]

(ورق ۹۶ ب)

از جملهٔ کاتبانِ شیراز بود[۵] بسرعت کتابت او کم کسی کتابت

---

[۱] ب: وز
[۲] ب: ظریف خوش طبع است
[۳] ب: مطلع
[۴] ب: یاری
[۵] مولانا نگاهی بهروی ست کتابت می کند
[۶] غیبی، ب: مثل تمن
[۷] در ب ندارد
[۸] ب: در سرعت کتابت مثل او نبود

می کرد و گاهی بشعر میل می کرد* این مطلع ازوست منه[1]

بی روی دل فروزت عشاق را طرب نیست
با ما شبی بسر بر یک شب هزار شب نیست*

(ورق ۱۰۰ ا)
۶۳- رضائی گنگ

از عراق است، کاتب سریع الکتابت بود چنانچه روزی هزار بیت می نوشت و در شعر شناسی مسلم بود، بروم رفت و دیگری خبر[2] ازو نیامد* این مطلع ازوست منه[3]

جام بر کف چشم بر رخسار ساقی مانده ام
تا بغفلت نگذرد این عمر باقی مانده ام

(ورق ۱۰۳ ا)
۶۴- مولانا حسین

از ری است، خط نستعلیق[4] را بد نمی نویسد[5]، این مطلع ازوست منه[3]

کی نسبت قدّ تو بشمشاد توان کرد
صد سرو ببالای تو آزاد توان کرد

---

[1] ب: مطلع: مرا [در؟] دیده حون خندان [خون چندان؟] ازان بهادی، میگونست که هرچشمی مرا بر سر مثال کاسهٔ خوانست (خونست)، [2] ب: چیزی ازو نماند [3] در ب ندارد
[4] آ: تعلیق، ب مثل متن
[5] ب: نوشت

۶۵۔ مولانا نظام

(ورق ۱۰۳ و)

از جمله[1] حفاظ آستانه[2] امام زادهٔ عبد[3] العظیم است و[4] در کتابه نویسی دست[5] دارد این بیت ازوست مثله[6]

چگونه با دگران بنیمش که نپسندم
غبار غیر زغیرت بگرد دامانش

---

۱ درب ندارد
۲ ب: عبداللطیف
۳ درب ندارد
۴ ب: دستی داشت
۵ ب: م (علامت بیت)

صحیفهٔ ششم

در ذکر طبقهٔ ترکان و شعرای نامور مقرر ایشان

۶۶- میردوست طارمی

از جملهٔ خدام آستان عالی مقام ملایک[1] پاسبان* امام انام و مقتدای اهل اسلام علی بن موسی الرضا علیه السلام* من الملک العلام است، اصلش از امیرزادهای چغتاییست و خود نیز در پیش[2] بابر میرزا رتبهٔ عالی داشت. شبی حضرت امیرالمؤمنین علی علیه[3] السلام را* در خواب دیده[4] و آنحضرت او را به ترک دنیا که ترك الدنیا راس کل عبادة وحب الدنیا راس کل خطیئة و توجه بآستان عالی شأن امام ہمام اشارت فرموده[5] اند* بنا بران ترک امارت کرده و بدرگاه عالم پناه روی آورده[6] و مدت ده سال در آنجا بعبادت و طاعت اوقات صرف کرد و معاش از وجه کتابت گذرانیده از[7] ہیچ کس

---

[1] در ب ندارد
[2] ب: خدمت
[3] ب: کرم الله وجهه
[4] ب: دید
[5] ب: فرمودند
[6] ب: آوردند
[7] ب: از کس طمع

طلبی* و توقعی نکرده[۱] و بعد از ان باین[۲] رتبه سرفراز گشت* و حالا[۳] چند سال است که بدین خدمت مشغولست، خط را خوب می نویسد و در علم اعداد مهارت تمام دارد و در شعر و معما نیز[۴] طبعش خوب است، و باین همه درویشی و دردمندی بسیار خوش صحبت و شیرین سخن واقع شده[۵]*، این مطلع[۶] از وست منه

چاکهائی کز جدائی در گریبان منست
بر طرف راهیست کز جانان[۷] سوی جان منست

۶۷- میر شاه علی

از امیرزادهای چغتائی بود و جوان رشید و هنرمند[۸] و خط نسخ[۹] و نستعلیق را طوری[۱۰] می نوشت و در کمانداری* سرآمد زمانِ خود بود و من در کمانداری شاگرد ادیم و دیگر در معما و عروض و حدت ذهن از ترلیق زیاده بود و در سپاهی گری بی بدل[۹] و در شهور سنه[۱۱] ثمان و ثلثین و تسعمایه* فوت شد. قصیده در جواب مولانا امیدی[۹] گفته بود

---

۱ در ب ندارد
۲ ب: بان مرتبهٔ عالی سرافراز شده
۳ ب: حالیا
۴ ب: هم
۵ ب: است
۶ ب: مطلع
۷ ب: تا با جانان
۸ ب: است و
۹ در ب ندارد
۱۰ ب: خوب می نویسد و در تیراندازی
۱۱ ب: ۹۳۸ھ

مطلع[1] دو بیت از انجاست منه*

ای رخت بر سپهر زیبائی　　آفتابی بعالم آرائی
تو ببازار حسن یوسف مصر　　ما تهی کیسهای سودائی

۶۸- یوسف بیک توشمال[2]

(ورق ۱۰۹ا)

از اقوام ایوب اغلیست که[3] اصلش* از قبیلۀ چغتائی است، اول در خدمت حضرت[4] صاحبقران مغفور[5] در سلک پروانه‌چیان[6] می بود الحال منصب توشمالی[7] صاحب قرانی تعلق بدو دارد و اوقات بتقوی و طهارت می گذراند قوت مطالعۀ عجبی دارد و اکثر خطوط مثل کوفی و معقلی و خطائی و خط نصاری را می تواند خواند و باوجود اشتغال بخدمت یک لحظه بی کار نمی ماند و پیوسته کتابت کتب[8] فقهی و حدیث و تفسیر می کند و طبعش در شعر[9] ترکی و فارسی هم خوبست این مطلع ترکی که برای خلف نامی گفته نوشته شد منه[10]....

---

[1] ب: ازوست شعر
[2] آ: نوشمال، ب مثل متن توشمال صفرچی را گویند دستاق گاس،
[3] در ب ندارد　　[4] ب: م
[5] آ ب، چنان تصحیح قیاسی ست
[6] آ ب: نوشمالی
[7] آ ب اکتاب، تصحیح قیاسی است
[8] بیت ترکی را حذف کرده ام

۶۹. نگاهی

(ورق ۱۰۱ الف)

اصل از ترکان[1] چغتائی است جوان عاشق پیشه بود و[2] در
هنرمندی ید بیضا می نمود مثل خاتم بندی و نقاشی و در شعر هم
طبعش[3] ملایم است* این مطلع ازوست منه[4]

فلک روزی که از کوی تو ام آواره می سازد
فلاخن از مه نو سنگ از سیاره می سازد

۷۰. موسی بیگ

(ورق ۱۰۱ ب)

اگرچه اصلش[5] کرد* است اما در تبریز متولد شده، علم سیاق و حساب
خوب درزیده[6] بدین واسطه بشرف[7] التثای* آستانه متبرکه[8] منوره صفیه[9]
رضویه[10] حقت بالانوار القدسیه مشرف شده و در نوشتن خطوط و شعر
و انشا سبق از اقران و امثال برده، این مطلع ازوست منه

بدل تیری کزان ترک کمان ابرو کند منزل
نهالی گردد و تخم محبت باشدش حاصل

---

[1] در ب ندارد
[2] ب: مطلع
[3] ب: میداند
[4] آ: صفویه
[5] ب: اکفا
[6] ب: خوبست
[7] ب: اصل اواز کردی
[8] ب: مشرف

(ورق ۱۱۲ ل) صحیفهٔ هفتم

(ورق ۱۱۳ ا) در ذکر طرفه گویان مقبول الکلام و ابراد سایر عوام

۱۔ قفّالی قفل گر

از بزرگ زادهای زمان و نوادر دوران است در آن صنعت بمرتبهٔ ماهر بود که دوازده قفل از فولاد ساخته بود که[1] از درون پیوست پر بسته میکنند* (؟) و همه را کلید بود، و بعد از هفتاد سال بخاطر ایشان رسید که شاعر باید شد بنیاد شاعری کرد باوجود آنکه شعر او ناموزون است معنی هم ندارد، این مطلع زادهٔ طبع لطیف ایشانست منه

خوش گنبدیست گنبد نقاش دل — در صفاهان سر بچرخ و پا بگل

در جواب این مطلع خواجه حافظ

مزرع سبز فلک و داس مه نو
یادم از کشتهٔ خویش آمد و هنگام درو

استاد مذکور این مطلع فرموده اند منه

کره تند فلک دیدم و اندر تگ و دو
گفتمش تند مرو جوجو ! جوجو ! جوجو!

[1] کذا در آ؛ در ب نمره ۱۷ تا ۷۲ را ندارد

در محل خواندن مصرع ثانی بهر دو دست دامن خود را گرفته
می جنبانید بهچو کسی که بو باسپ گرفته نماید ؛

۲۷۔شاہ وردی

پسر پہلوان مولانا سلطان علی بیدار سبزواری ست اما اورا در
بیداری دستی نیست، خط نستعلیق را بد نمی نویسد این مطلع و بیت
ازوست منه

شام ہجران چند باشم بی گل رخسار او
ای خوش آن صبحی که بینم یک نظر دیدار او
می کشد دور از گل رویش بصد خواری مرا
گاه پند دوستان گہ طعنۂ اغیار او

۳۷۔استاد شاه قلی نقاش

از شہر قم ست در نقاشی و رتالی وقوف تمام دارد و در
شعر خود را بیگانۂ آفاق می داند و تخلص او الوانی است* این
مطلع ازوست منه

ماہی که او نظر بمن خسته داشت رفت
ما را بدست ظلم رقیبان گذاشت رفت

له در ب ندارد   ته ب : نوامیست
ته ب : مطلع

(ورق ۱۱۶ ا)

۷۴ - مقصود بنّا

پسر عبد السلام معمار است که معمار تبریز بود مردی آدمی و کاسب[1] است و کتابهٔ ایوانی که در سرکار حضرت[2] صاحب قرانی ساخته خود گفته مطلع آن اینست منه[3]

قصری که عکس شمسهٔ آن مهر انور است
از خاک بر گرفتهٔ دارای کشور است

در مقطع قصیده[4] لفظ مقصود طوری واقع شده منه[5]

مقصود رخ[6] نتافت ازین در بهیچ باب
معلوم شد که قبلهٔ مقصود این در است

(ورق ۱۱۶ ب)

۷۵ - خواجه خورد بیلدار

پهلوان زمان و استاد بیلداران[7] عراق و خراسان بود و در رقص باوجود ضخامت[8] جثه چنان صاحب اصول بود که ظرفا او را کوه[9] اصول می نامیدند و در کمانداری نیز استاد بود و در اکثر

---

[1] ب: کاتب
[2] یعنی شاه طهماسب کما مرّ
[3] درب ندارد
[4] ب: این قصیده
[5] ب: مقطع
[6] ب: رد
[7] ب: پهلوانان
[8] آ: زخامت
[9] ب: کمان

اوقات تلاوت قرآن می کرد و بطاعت مشغول[1] بود اما در آخر ازو چیزهای غریب نقل می کردند که ایراد آن لایق نیست در شهور سنه[2] ثلاث و خمسین و تسعمایه فوت شد و از زبان مردم[3] زمان هنوز خلاصی نیست* نوبتی در افلاس و مدح بیلداران عرضداشتی کرده بود بطریق نظم، این مطلع و بیت[4] از انجاست منه

بیلداران که در جهان فاشند
مفلسند و غریب و قلاشند
از سر غیرت و جگر[5] خواری*
سنگ خارا به بیل بخراشند

۷۶- استاد قاسم کمانگر

از هرات است و در کمانگری و چاقگری[6] (؟)، سرآمد کمانگران زمان، در حیّادی نیز دقوفی دارد، زهگیر را[7] خوب می تراشد. این مطلع خود را بر گوشه کمانهای خود می نویسد منه

آنکه اولاد علی را خادم است
خاک راهِ دردمندان قاسم است

---

[1] ب: مشهور
[2] ب: خلاص نمی شود
[3] در ب ندارد
[4] ب: مطلع
[5] ب: جگرداری
[6] ب: چاقگری
[7] در ب ندارد

۷۷- محمود زہگیر[ی][1]

او نیز از ہمان طایفہ است زہگیر و قنطر[2] ترانزو را خوب می سازد و آواز بہایم را تقلید می کند، بسیار بد و بی مزہ حسب حال خود (گفت[3]) این مطلع ازوست منہ[4]

گہی محمود زہگیرم گہی محمود قنطر ہم
گہی ابجم گہی اشتر[5] گہی گاوم گہی خر ہم

۷۸- دیوانہ نقاش

از شہر تبریز است گویند در مجلس سلطان یعقوب او را راہ ندیمی بود، این مطلع ازوست منہ[6]

غلط کردہ طلب کردیم جاہ و سربلندی را
دریغا ما ندانستیم قدر دردمندی را

---

[1] آ: ذہگیر، ب: زہگیری (زہگیر انگشتر مانندی باشد از شاخ و استخوان وغیرہ کہ در انگشت ابہام کنند۔ برہان)
[2] ب: قنطارو
[3] از روی ب
[4] ب: م
[5] آ: اشتر، ب: استر
[6] ب: مطلع

سُلطان حسین میرزا

کے

دربار میں علم و ہنر کی سرپرستی

ذیل کے دو اقتباسات واقعات بابری اور تاریخ رشیدی سے لئے گئے ہیں۔ بابر اور حیدر میرزا دونوں نے سلطان حسین میرزا کے زمانے پر روشنی ڈالی ہے۔ اور دکھایا ہے کہ ہرات ان دنوں میں کس طرح علم و ہنر کا مرکز بن گیا تھا۔ بابر کا بیان قدرے مجمل اور میرزا حیدر کا یک گونہ مفصل ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے واقعات بابری، تزک بابری[1] (ترکی) کا فارسی ترجمہ ہے۔ جو میرزا عبدالرحیم خانخانان (م۔ ۱۰۳۶ھ) نے اکبر کے حکم سے ۹۹۸ھ میں مکمل کیا۔ تزک میں ۸۹۹ سے ۹۳۶ھ تک کے واقعات درج ہوئے ہیں مگر مسلسل نہیں ہیں اور تین ٹکڑے بیچ بیچ میں سے غایب ہیں جس سے تزک چار حصوں میں

---

[1] دیکھو فہرست ریو ص ۲۴۴

منقسم ہو گئی ہے۔ دوسرے حصے میں ۹۱۰ سے ۱۴ ۹ھ تک کے واقعات ہیں۔ اسی حصّے میں بابر نے ۹۱۱ھ کے واقعات کی ذیل میں سلطان حسین میرزا اور اس کے دربار کے حالات دیئے ہیں۔ اور اسی سے اقتباس ذیل لیا گیا ہے۔

اگرچہ واقعات بابری کا متن بابر نامہ کے نام سے اور کے خطی نسخہ کی بنا پر میرزا محمد ملک الکتاب نے مبئی میں چھپوایا تھا۔ مگر وہ متن کچھ محرّف سا ہے اور کمی بیشی سے خالی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے زبان کی فصاحت کے خیال سے میرزا عبدالرحیم کے ترجمہ پر جو اصل ترکی سے مطابقت تامہ رکھتا ہے نظر ثانی کر کے بلا لحاظ متن ترکی اس میں تبدیلیاں کی ہیں۔ اقتباس ذیل واقعات بابری کے اس نفیس نسخہ پر مبنی ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور مصنف کی زندگی میں دہلی میں مکمل ہوا۔ اس کے صفحۂ اوّل پر ایک ایسا شخص[1] جو خانخانان کو "قبلہ گاہی" کہہ رہا ہے نہایت خوشخط حروف میں یوں رقم طراز ہے:-

اللہ اکبر

ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ

واقعاتِ بابری

---

[1] ممکن ہے یہ میرزا ایرج رشاہ نوازخان، یا اس کا بھائی میرزا داراب ہو۔ تذکرہ خوشنویساں صفحہ ۸۸ پر لکھا ہے کہ یہ دونوں بھائی نستعلیق و نسخ خوب لکھتے تھے۔

ترجمہ تاریخ واقعات عالی حضرت کیوان رفعت
علیین آشیانی که نواب افلاطون فرہجیت خان خانان مظلہ
عطارد فطنت قبلہ گاہی سپہ سالاری فارسی
کردہ در کمال عذوبت و بے تکلفی تاریخ
باین نفاست و راستی ظاہرا مرقوم نگشتہ باشد
صد حیف کہ تمام ایام دولت آن بادشاہ
غازی در نظر مترجم در نیامدہ تفحص و تجسّس
آن بسیار شدہ پیدا نشدہ ظاہرا در ایام
فترت گم شدہ باشد۔ تاریخ ماہ تیر الہی
سنہ[1] موافق غرہ جمادی الاول ۱۰۲۱ھ در حضرت
دہلی کاتب باتمام رسانید۔

اس نسخہ کے ورق ۲۶۰ ہیں۔ تقطیع ۱۰″ × ۵ ۳/۴″۔ محرر سطح کی تقطیع ۷ ۱/۵″ × ۳ ۱/۵″ سطور ۲۱۔ خط نستعلیق کہیں کہیں سرخی کے نشانات۔ کاغذ قدرے کرم خوردہ۔

اقتباس ذیل کا مقابلہ مطبوعہ نسخہ سے کیا گیا اور اختلاف متن حاشیہ میں دکھایا گیا ہے۔ توزک بابری (ترکی) بھی راقم حروف کے سامنے تھی اس کے ساتھ بھی مقابلہ کیا گیا۔ مسنر بیورج کے ترجمہ توزک سے بھی استفادہ کیا گیا۔ نسخۂ قلمی کی علامت حواشی میں ل ہے اور مطبوعہ ایڈیشن کی علامت

---

[1] یعنی جلوس جہانگیری کا ساتواں سال

م ہے۔

تاریخ رشیدی میرزا حیدر دوغلات کی تصنیف ہے جو اس نے ۹۵۳ھ میں بعہدِ ہمایوں ختم کی۔ کتاب اور مصنف کا مفصل حال فہرست ریو ص ۱۶۴ بعد پر دیکھنا چاہیے۔

تاریخ رشیدی کا وہ اقتباس جو درج ذیل ہے سلطان حسین میرزا اور اس کے دربار کے اہل علم و ہنر سے متعلق ہے۔ یہ اقتباس دو نسخوں پر مبنی ہے جو کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ ان کا حال درج ذیل ہے۔ پہلے نسخہ سے متن لیا گیا ہے اور دوسرے کو مقابلہ کے لئے استعمال کیا گیا۔ بعض عبارتوں کا مقابلہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے نسخوں سے بھی کیا گیا۔

۱۔ نسخہ اول جو ۱۰۴۲ھ میں پٹنہ میں عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ[1] کے لئے خواجہ محمد خاوند بن خواجہ خاوند محمود نقشبندی نے لکھا۔ خواجہ نے اپنا پورا نسب خاتمہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خواجہ علاء الدین عطار داماد حضرت شاہ نقشبند کی اولاد سے ہے[2]۔

---

[1] فیروز جنگ خواجہ عبید اللہ ناصرالدین احرار کی اولاد سے تھا۔ اس کا حال دیکھو مآثر الامرا ج ۲ صفحہ ۷۷۷ بعد پر۔ وہ شاہ جہان کے ۵ جلوس (۱۰۴۲ھ) میں صوبہ دار بہار مقرر ہوا تھا (مآثر ۷۸۴)۔

[2] کاتب نے اجرت بھی درج کی ہے اس ۹۱۰ صفحہ کی کتاب کی کتابت کے لئے ۷ روپیہ شاہجہانی ملے اور دو روپیہ کاغذ کی قیمت، محمد خاوند کے لئے دیکھو خزینۃ الاصفیا ص ۵۹۳

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

صفحات ۱۰۰ تقطیع ۸" × ۶" (تقریباً) سطور ۱۷۔ اس نسخہ کی علامت حواشی میں و ہے۔

۲۔ نسخہ دوم کے دفتر اول کے آخر میں تاریخ کتابت سلخ ذی حجہ ۹۵۲ھ دی ہے۔ آخری ورق موجود نہیں۔ صفحہ آخر پر جو عبارت درج ہے وہ بعد کے ورق کے موجود نہ ہونے سے ناقص ہوگئی ہے۔ وہ ناقص عبارت یہ ہے:

این نسخہ شریفہ موسوم بتاریخ رشیدی از تالیفات مغفرت نشانی مرزا حیدر گورگانی را حضور صفوت و ولایت ظہور ابو الفتح سلطان محمد شاہ مخاطب بشاہ خدا بندہ ثانی صفوی بخانان ...... فردوس منزل شاہ عالم ثانی گورگانی وعدہ فرمودہ بودند چون قاآن...... مکان بجنت خرامیدہ بودند مطالعہ ساطعہ لامعہ شاہنشاہ ظل اللہ عدالت و مروت نوآمان ....

شاہ عالم ثانی ۱۱۷۳ھ میں تخت نشین اور ۱۲۲۳ھ میں فوت ہوا۔ اوراق ۲۹۰ تقطیع ۸" × ۵½" سطح محرر ۷" × ۳¾" (تقریباً) سطور ۱۳۔ خط نستعلیق۔ اس نسخہ کی علامت حواشی میں ب ہے۔

(۳) تاریخ رشیدی کے دو نسخے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہیں۔ ایک کا نمبر ۲۹۷ ۵۹۰ ہے۔ دوسرے کا 61 و ۵۹۰ ۔ان کا مفصل حال تکملہ فہرست مرتبہ پروفیسر براؤن میں دیا ہے۔ کیمبرج کے قیام کے اثنا میں راقم سطور نے پہلے نسخے سے بعض عبارتیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳۔ خواجہ خاوند محمود وہی ہیں جن کو حضرت ایشاں کہتے ہیں۔ وہ لاہور میں مدفون ہیں۔

نيسابور على عشرين فرسخا منها مشتملة على عدة قرى نقل عنه في الروضة في
مواضع منها ان وقت المغرب موسع ونقل الرافعي ايضا عنه مواضع منها
اختيار وجوب الكفارة في نذر المعصية وكان له ولد فقيه محدث يقال له
ابو علي اسماعيل ويلقب بشيخ القضاة تولى القضاء والتدريس والخطابة
بماوراء النهر ثم عاد بعد غاب نحو ثلثين سنة الى بلده فمات بها

ابو محمد الحسين بن مسعود البغوي المعروف بابن الفراء وبالفراء
الملقب بمحيي السنة مصنف التهذيب الامام في التفسير والحديث والفقه تفقه
على القاضي حسين ومن تعليقته لخص التهذيب وكان دينا قانعا باليسير
اكل الخبز وحده فعذل في ذلك فصار يأكله بالزيت وكان لا يلقي الدرس
الا على طهارة قال ابن خلكان توفي بمروروذ في شوال سنة ست عشر
وخمسمائة ودفن عند شيخه قال والبغوي منسوب الى بغا بفتح الباء
وهي قرية بخراسان بين هراه ومرو وكان له اخ عالم يقال له ابو الحسن
تفقه على اخيه وتوفي بعده باثنتي عشرة سنة تم المهمات في فقه
الامام العالم الشافعي المطلبي رضي الله عنه
تصنيف الشيخ جمال الدين عبد الرحيم
الاسنوي رحمه الله
كتبه العبد
فضل الله المشتهر
بجمال الحسيني
عفا الله عنهما

نقل کیں اور یادداشتیں لیں۔ اور دوسرے کو مقابلہ کے لئے استعمال کیا۔ ان اقتباسوں کے مرتب کرنے کے وقت وہ عبارتیں بھی سامنے ہیں۔ پہلے نسخہ کی علامت حواشی میں کا اور دوسرے کی کب ہے۔

یہاں میر جمال الدین محدث کی تحریر کا عکس دیا جاتا ہے۔ یہ تحریر تاریخ بیہق کے اس نسخہ کے آخری اوراق میں درج ہے جو برٹش میوزیم میں ہے۔ دیکھو فہرست مخطوطات فارسیہ از ریو ص ۶۱۔ امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ الملقب بہ جمال الحسینی روضۃ الاحباب کے مصنف ہیں۔ دیکھو حبیب السیر ۳:۳:۳۴۸ اور ریو ص ۱۲۷ ÷

اقتباس از واقعاتِ بابری

[ورق ۱۰۸] زمان سلطان حسین میرزا عجب زمانی بود۔ از اہل فضل و مردم بی نظیر خراسان بہ تخصیص شہر ہری مملو بود ہرکس[1] را بہرکاری کہ مشغولی بود ہمت و غرض او آن بود کہ کار بکمال برساند۔

ازان جملہ یکی مولانا عبدالرحمٰن جامی بود کہ در علوم ظاہر و باطن در زمان خودش آن مقدار کسی نہ بود شعر خود معلوم ہست۔ جناب ملا ازآن عالی‌تر است کہ بہ تعریف احتیاج داشتہ باشد۔ غایتش در خاطر گذشت کہ درین اجزای محقر از جہت تیمن و تبرک نام ایشان مذکور و شمہ از صفات ایشان مسطور شد۔

دیگر شیخ الاسلام سیف الدین احمد بود از نسل ملا سعدالدین تفتازانی است۔ ازو این طرف در ممالک خراسان شیخ الاسلام شدہ آمدہ[2] اند* بسیار دانشمند کسی بود۔ علوم عربیہ و علوم نقلیہ را خوب می دانستہ۔ بسیار متقی و متدین کسی بود۔ اگرچہ شافعی بود ہمہ مذاہب را رعایت می کردہ، می گویند کہ بہفتاد[3] سال نزدیک بود و نماز

---

[1] درم د = نسخۂ مطبوعہ، ندارد

[2] آ (= اصل خطی) = آمدند

[3] م ؛ ہفتاد سال نزدیک بودہ کہ

جماعت ترک نہ کردہ بود۔ شاہ اسمعیل در گرفتن ہری آن را[1] شہید
کرد از نسل ایشان کسی نماند۔

دیگر ملا شیخ حسین بود۔ اگرچہ ظہور و ترقی ملا شیخ حسین در زمان
سلطان ابو سعید میرزا بودہ چون در زمان سلطان حسین ہم بودہ
ازانجہت مذکور شد۔ حکمیات و عقلیات و علم کلام را خوب
می دانستہ۔ در اندکی از الفاظ بسیار سخن یافتہ[2] در وقت[3] گفتگو
کردن اختراع او بود۔ در زمان سلطان ابو سعید مرزا بسیار مقرب
و صاحب اختیار بود در جمیع مہمات ممالک دخل او بودہ۔ ورق ۸۰ ب
احتساب را خود انداو بہتر کسی نہ کردہ۔ از ہمین جہت کہ
در زمان سلطان ابو سعید مرزا مقرب بودہ در زمان میرزا
سلطان حسین بابن چنین بی نظیر کسی را انتہا رسانیدند۔

دیگر ملا زادہ ملا عثمان بود از چرخ نام دہی بودہ آن[4] توبان
لوکر کہ از تومانات کابل است۔ چون در[5] زمان الغ بیگ میرزا
در سن چہاردہ سالگی درس می گفتہ ملای مادر زاد می گفتند اند۔
در وقتی کہ از سمرقند بمکہ رفت در وقت مراجعت بہری رسیدہ
بود در آن زمان برابر او دانشمند ہیچ کس نہ بود۔ می گویند
کہ بمرتبہ اجتہاد رسیدہ بود ولی اجتہاد نہ کردہ بود۔ اند منقول
است کہ می گفتہ کہ کسی چیزی را شنیدہ چہ طور فراموش

---

[1] م: او را از دست یکی از قزلباش (کہ ترکی اصل میں نہیں ہے) [2] در م ندارد
[3] آ: کہ از [4] در م ندارد [5] م: کسی

می کند، قوی حافظه داشته.

دیگر میر[۱] مرتاض بود. حکمیات و معقولات را خوب می دانسته. ازانجهت باین لقب ملقب شده که بسیار روزه می گرفته. بشطرنج شغف بسیاری داشت درین مرتبه که اگر [برا][۲] دو حریف بر میخوردند* بیکی شطرنج باخته دامن دیگری را گرفته می نشسته که مبادا برود.

دیگر ملا مسعود[۳] شروانی بود

دیگر ملا عبدالغفور لاری بود. هم مرید و هم شاگرد ملا عبدالرحمٰن [جامی][۷] بود. اکثر مصنفات ملا را در پیش ملا گذرانده بود. بر نفحات مثل شرح چیزی نوشته. در علوم ظاهری بسیار مستحضر بود. باوجود علوم ظاهری از علوم باطنی هم بهره مند بود. عجب بی تعین و بی تکلف کسی بود. هر کسی را که ملا می گفتند از[۴] جزو کشیدن پیش او عارش نه بود. در هر جای که[۵] درویشی* نشان می دادند تا رسیدن پیش او قراری نداشت. در وقت رفتن من بخراسان ملا عبدالغفور مریض بود در وقت طواف نمودن ملا[۶] بعیادت ملا عبدالغفور

---

۱ دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۲ء ص ۸ ۱۵

۲ آ: دو حریف وامی خوردند، تصحیح از روی تم

۳ دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۲ء ص ۵ ۱۵

۴ اس جملہ کا ترجمہ مسٹر بیورج نے غلط کیا ہے۔ جزو کشیدن بمعنی اکتساب علم ہے۔

۵ آ: درویشی کر ۶ تم: مزار همراه ملا بیعادت۔ ترکی عبارت کا مفہوم یہ ہے: "بعد از طواف نمودن مزار ملا بعیادت الخ" ملا سے مراد جامیؒ ہیں ۷ مسٹر بیورج نے حذف کر دیا ہے۔

رفته بودم. در مدرسهٔ ملا بود بعد از چند روز [ورق ۱۰۹] بهمان مرض نقل کرد.

دیگر میر جمال الدین محدث بود. در خراسان دانای علم حدیث مثل او نه بود خیلی معمّر است تا این تاریخ زنده بود.*

دیگر میر عطاء الله مشهدی بود. علوم عربیه را خوب می دانست. در قافیه یک رسالهٔ فارسی نوشته، طوری نوشته، عیبش اینست که بجهت امثله تمام ابیات خود آورده. دیگر آنکه پیش از هر بیتی لفظ "چنانچه درین بیت بنده "گفته" را لازم کرده. دیگر در علم صنائع شعر بدائع الصنائع نام رساله نوشته. خیلی خوب نوشته. طور رساله اینست* در مذهب انحراف داشته.

دیگر قاضی اختیار بود قضا را خوب کرد. در فقه رسالهٔ فارسی نوشته طور رساله اینست. دیگر بهر مضمون بجهت اقتباس آیات کلامی را جمع نموده. در وقت ملاقات نمودن به میرزایان در مرغاب قاضی و محمد میر یوسف* همراه آمده دیدند. از خط بابری سخن برآمد. مفردات را طلبیده نوشتم در همان مجلس مفردات را* خوانده و قواعد او را دانسته چیزها نوشت.*

ل مسز بیورج نے حذف کر دیا ہے ٢ تم: بود

٣ ترکی اصل کی رو سے اس کے بعد ہونا چاہیے: "در رسالهٔ قافیه بعض معارضان دخلهای موجه کرده اند" مگر یہ تو اور تم میں نہیں ہے ٤ ترکی اصل میں نہیں ہے ٥ تم: حیرانی ربظاہر تصحیف انحرافی) ٦ کذا در تو و ترکی تم: محمد یوسف ٧ در تم ندارد ٨ تو: نوشته جزها. تصحیح از روی تم و اصل ترکی.

دیگر محمد[1] میر یوسف* بود شاگرد شیخ الاسلام بود۔ آخر آن شیخ الاسلام بجای خود او را نصب کرد۔ در بعضی مجلس قاضی اختیار بلند تر می نشست و در بعضی مجلس این آخر آن بکار سپاهی گری و سرداری آنچنان مفتون و مشغوف بود که بغیر ازین دو کار نه از علم معلوم بود و نی از کلام فهم مفهوم۔ اگرچه از هر دو نصیب و بهره نداشت آخر از همین دغدغها مال و جان و خان و مان او برباد رفت[2]۔

از شعرا[3]

سرآمد* و سر دفتر این جمع هم ملا عبد الرحمن جامی بود[4]۔ دیگر شیخم سهیلی و حسن علی طفیلی جلایر بود که نامهای ایشان و صفات ایشان در جرگهٔ امرای سلطان حسین[5] و نزدیکیان او مذکور و مسطور شد۔

دیگر آصفی بود از جهت وزیر زادگی آصفی تخلص کرده۔ شعر او از رنگ و معنی خالی نیست اگرچه از عشق و حال بی بهره است۔ دعوی خودش این بوده که من هرگز هیچ غزل خود را در وادی

---

[1] کذا در آ، ترکی و تم: میر محمد یوسف
[2] اس کے بعد ترکی اصل میں ایک جملہ اس مضمون کا ہے: "شیعی بوده باشد"
[3] تم: سرآمد شعرا۔ اما متن مطابق ترکی است۔
[4] تم: و
[5] آ: امراو

جمع نمودن او نشده ام، غالباً تکلّف باشد. این غزلیات او را اینی[1] یا قراتیی* جمع کرده است. غیر از غزل نوع دیگر شعر کم گفته. وقتیکه بخراسان رفتم ملازمت کرده بود.

دیگر بنّائی هروی الاصل [است[2]] پدر او استا محمد سبز[3]* بنّا نام داشته ازین جهت این چنین تخلص کرده. در غزل او رنگ و حال هر دو هست. دیوان ترتیب داده است مثنویات هم دارد. یک مثنوی دارد. در باب میوها در بحر متقارب. بی ماحصل[4]* چیزلیست بیکاری[5] کرده. یک مثنوی مختصر دارد در بحر خفیف. یک مثنوی دیگر دارد کلان تر ازین آن هم در بحر خفیف. این مثنوی در اواخر تمام کرده بود. در اوایل از موسیقی بے خبر بوده ازین جهت علی شیر بیگ طعن می کرده. یک سال میرزا بمرو بجهت قیشلاق می رود علی شیر[6] بیگ هم می رود.* بنّائی در هری می ماند آن زمستان موسیقی مشق می کند تا تابستان آن چنان می شود که کارها می بندد. در تابستان وقت آمدن میرزا بهری صوت و نقش بسته می گذراند. علی شیر بیگ تعجب کرده تحسین کرده در موسیقی طور[7] کارها* بسته.

---

[1] آ: اینی یا قراتیی، تم: انیسی اسفرای. اصل ترکی میں بھی یا دبجای یا، لکھا ہے

[2] از روی تم و ترکی

[3] آ: سبزبنا، ترکی: سربنا، تم: بنا

[4] تم: ماحصل: ترکی: محصل

[5] تم: مکاری

[6] در تم ندارد

[7] آ: تورکارها، تم: طورها

ازانجمله یکی نقشی دارد به نُهْ رنگ موسوم. تمام شدن به نه رنگ ویلّائی[1]* در راست است. به علی شیر بیگ خیلی متعرض بوده ازین جهت خیلی جفاها کشید آخر نتوانست ایستاد. بعراق و آذربایجان پیش یعقوب بیگ بد بوده حریف مجلس شده بود. بعد از مردن یعقوب بیگ در آن ولایتها نتوانست قرار گرفت و بهری آمد ظرافت و تعرض بحال خود بود. ازانجمله یکی این است که یک روز در مجلس شطرنج علی شیر بیگ [پای[2] خود را دراز می کند بکون ملا بنائی میرسد علی شیر بیگ] بمطایبه می گوید که عجب بلائی است در هری اگر پای دراز می کنی بکون شاعر می رسد. بنائی می گوید اگر جمع می کنی هم بکون شاعر می رسد آخر (ورق ۱۱۰) از جهت ظرافتهای خود باز از هری عزیمت سمرقند کرد. علی شیر بیگ چیزهای بسیاری اختراع نموده بود و خوب چیزها اختراع کرده بود هر کس در هر کاری یک چیزی که اختراع می کرد از جهت رواج و رونق آن چیز علی شیری می گفته اند بعضی بظرافت بعلی شیر بیگ استاد می کرده اند چنانچه علی شیر بیگ در درد گوش خود رومالی بسته بوده آن طریق رومال بستن را ناز علی شیری نام مانند. بنائی از هری عزیمت سمرقند می کند در آن وقت بجهت خر خود به پالان دوز پالان غیر مکرری فرموده نام او را علی شیری می گوید پالان علی شیری

---

[1] درمٓ ندارد۔ اس تمام جملہ کا مفہوم اصطلاحات موسیقی کی وجہ سے واضح نہیں ہے۔

[2] از روی مٓ (مطابق ترکی)، در آ ندارد۔

[3] اصل ترکی کے اس نسخہ میں نہیں ہے۔ بظاہر کسی دوسرے نسخہ میں تھا۔

دیگر سیفی بخاری بود فی الجملہ ملّائی داشتہ مفصّل کتابہای خواندۂ خود را بمردم نمودہ ملّائی خود را اثبات می کردہ دیوان ترتیب دادہ بود یک دیوان دیگری ہم دارد کہ بجہت جمیع حرفہ[1] گران گفتہ۔ مثل را بسیار گفتہ[2] مثنوی ندارد چنانچہ قطعۂ او بر این معنی دانستہ

مثنوی گرچہ سنت شعر است — من غزل فرض عین میدانم
پنج بیتی کہ دلپذیر بود — بہتر از خمسین میدانم

یک عروض فارسی دارد۔ بسیار کم سخن است۔ بیک حساب پُرسخن است۔ کم سخن باین معنی کہ چیزہا دی، کار آمدنی را نہ نوشتہ۔ پُرسخن باین معنی کہ کلمات روشن و ظاہر را تا نقطہ و اعراب او را نوشتہ، شراب را بد می خوردہ و بد شراب بود۔ محکم[3] ضرب مشتی داشتہ۔*

دیگر عبد اللہ مثنوی گوی بود۔ از جام است خواہر زادہ ملّا می شود و تخلّص ہاتفی است۔ در مقابلہ خمسہ مثنوی ہا گفتہ۔ در مقابلۂ ہفت پیکر [[4] مثنوبی کہ گفتہ نامش ہفت منظر نہادہ و در مقابلہ سکندر نامہ] تیمور نامہ گفتہ ازین مثنوی ہای او لیلیٰ و مجنون مشہور است اگرچہ لطافت او در خور شہرت او نیست۔

دیگر میر حسین معمائی است غالباً معمارا مثل او ہیچ کس نگفتہ۔ اوقات او ہمیشہ بفکر معما مصروف می شدہ (ورق ۱۱۰ ب) عجب

---

[1] آ: حرفہ [2] تم: بستہ، ترکی اصل موید متن [3] تم: مشت را محکم می زدہ

[4] یہ عبارت آ اور تم میں نہیں ہے۔ ترکی اصل کے قیاس پر بڑھائی گئی۔ مسز بیورج نے اس کا ترجمہ غلط کیا ہے۔

فقیر و نامراد و بی بدل[١] کسی بوده.

دیگر ملا محمد[٢] بود از اشکمیش است - اشکمیش داخل بدخشان نیست عجب است که بدخشی] تخلص کرده شعر او در برابر شعر این شعراء که اسامی ایشان مذکور شده نبوده - در معما رسالهٔ نوشته. معمایش هم خیلی خوب نیست اما خوش صحبت کسی بود - در سمرقند مرا ملازمت کرده بود.

دیگر یوسف بدیعی بود - از ولایت فرغانه است - قصیده را بد نمی گفته

دیگر آهی بود غزل طوری[٣] می گفته - آخر آن پیش ابن[٤] حسین میرزا میرزا می بود - صاحب دیوان است

دیگر محمد صالح بود غزلهای او بی چاشنی نیست[٥] شعر ترکی هم می دارد و بد نگفته - آخر آن پیش شیبانی خان آمده بود فی الجمله رعایت کرده بود باسم شیبانی خان یک مثنوی ترکی نوشته بود. در وزن رمل مسدس مجنون که وزن سبحه باشد بسیار سست و فرود است - خوانده از شعر محمد صالح بی اعتقاد می شود.. یک

---

١ کذا در آ و تم مگر ترکی اصل میں "بے بدل" ہے

٢ یہ عبارت تم سے لکھی گئی. آ میں نہیں مگر تم میں دوسری مرتبہ اشکمیش نہیں لکھا گو ترکی میں ہے.

٣ آ : توری

٤ تم میں نہیں ہے، ترکی میں ہے.

٥ تم: ترکی کے زیادہ مطابق ہے. "یعنی غزلهای چاشنی دار دارد اگرچه همواری او در برابر چاشنی نیست".

بیت خوب او اینست ؎

یولدی تنبلغه[۱] [و]طن[۲] فرغانه
قیلدی فرغانه نی تنبل خانه

ولایت فرغانه را تنبل خانه هم گوید۔ در آن مثنوی این قدر بیست معلوم نیست که باشد، شریر و ظالم طبع و بیرحم کسی بود۔

دیگر سید حسین[۳] کلامی بود شعرهای این هم بد نیست۔ غزل گوی است غالباً دیوانی دارد[۴]۔

دیگر ہلالی است۔ درین تاریخ هم هست۔ غزلهایش هموار و رنگین و کم خدشه است۔ دیوان هم دارد یک مثنوی دارد در بحر خفیف بشاه و درویش موسوم* اگرچه بعضی ابیات او طوری واقع شده اما مضمون این مثنوی و استخوان بندی او بسیار کاواک و خراب است شعرای ما تقدم بجهت عشق و عاشقی مثنویاتی که گفته[۵] اند* عاشقی را برد و معشوقی را بزن نسبت کرده اند۔ ہلالی درویش را عاشق ساخته و بادشاه[۶] را معشوق، ابیاتی که در [ورق ۱۱۱] افعال و اقوال شاه گفته حاصل که شاه را جلبی[۷] و فاحشه کرده و بجهت

---

۱ مراد سلطان احمد تنبل سے ہے۔ ترجمہ یہ ہے: تنبل را فرغانه وطن شده است و وی فرغانه تنبل خانه کرده است

۲ ق: نه نی (غلط ہے)، ۳ م: شاه ۴ م: هم دارد

۵ م: بگفته‌ند ۶ ق: درو بادشاه، م مثل متن

۷ م: خیلی (بجای جلبی)

مصلحت مثنوی خود یک جوانی[1] را نگاه داشت باز شاه جوانی را* بسیار بی[2] صورت است که مثل فاحشها و جلبها[3] تعریف بکند. حافظه قوی داشته. ستی[4] و چهل* هزار بیت یاد داشته می گویند که اکثر ابیات خمستین را یاد داشته. در علم عروض و قافیه خیلی مستحضر[5] است.

دیگر اہلی است. سامی بوده شعرهای او بد نیست. دیوان هم دارد ؛

از خوش نویسان

اگرچه خیلی مردم بودند اما سرآمد همه در نسخ تعلیق سلطان علی مشهدی بوده. بجهت میرزا و علی شیربیگ کتابت بسیار کرده هر روزی سی بیت بجهت علی[6] شیربیگ* و بیست بیت بجهت میرزا[7] نوشته* ؛

---

[1] تم : جوانی بادشاه را اصل ترکی کا مطلب یہ ہے کہ : اپنی مثنوی کی مصلحت کے لیئے ایک نوجوان کا جبکہ وہ نوجوان بادشاہ بھی ہے ۔ اس نے نامناسب طریق پر ذکر کیا ہے اور جلبی اور فاحشہ عورتوں کی طرح اس کی تعریف کی ہے۔

[2] تم : بی ادبی کردہ

[3] تو : جلبا　تم : جلها

[4] تم : 'کہ'، گر متن ترکی کے مطابق ہے۔

[5] تم : مشتہر

[6] تم : میرزا

[7] تم : علی شیربیک می نوشت ۔

از مصوّران

بہزاد بود کار مصوّری را بسیار نازک می کرده اما چہرۂ آدم بی ریش را بد می کشاده غبغب او را بسیار کلان می کشیده - آدم ریش دار را خوب چہرہ کشائی می کردہ.

دیگر شاہ مظفر بود تصویر را بسیار نازک می کرد. عمر بسیار[ی] نیافت در محل ترقی از عالم رفت ؛

از اہل نغمہ

قانون را مقدار خواجہ عبداللہ مروارید کسی نواختہ چنانچہ مذکور شد.

دیگر قل محمد عودی بود. غجک[1] را خوب می نواخت در[2] غجک سہ تار* او بست از اہل نغمہ و اہل ساز ہیچ کس این مقدار بسیار و خوب پیشرو[3] تر بستہ* باشد.

دیگر شیخی نائی[4] است عود را و غجک را ہم خوب می نواختہ. از دوازدہ سیزدہ سالگی نی را خوب می نواختہ یک نوبت در

---

[1] dulcimer (ترجمہ مسز بیورج) [2] تم: غشیرک (ابر و ضح) یعنی guitar

[3] تم: غشیرک و سہ تار را

[4] تم: پیش از و زیادہ - ترکی میں اس کے بعد ایک جملہ اور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیشرووں کے سوا اور چیزوں میں وہ ایسا نہ تھا [5] تم: شیخم

صحبت بدیع الزمان میرزا یک کاری را خوب می برآرد- قل محمد از غجک آن کار را بر آورده نتوانست[۱] - گفت که* غجک ساز ناقصست- شیخی[۲] فی الحال غجک را از دست قل محمد گرفته آن کار را در[۳] غجک خوب و پاکیزه می نوازد از شیخی یک چیزی روایت[۴] کردند در نغمات آن چنان منحصر بوده که هر نغمه که می شنیده می گفته فلان پردهٔ فلان[۵] [فی]* باین آهنگ است اما کار بسیار نه بسته- یک دو نقشی ازو می گویند-

دیگر شاه قلی غجکی بود عراقی است بخراسان آمده و ساز مشق کرده ترقی کرد- خیلی نقش و سرود[۶] کارها بسته-

دیگر حسین عودی بود عود را بمزه می نواخت و چیزها بمزه می گفت- تارهای عود را یکه[۷] کرده او نواخته بود* عیبش این بود که بسیار بناز می نواخت- یک بار شیبانی خان ساز نواختن می فرماید- تکلف کرده بد می نوازد و هم ساز خود را نیاورده ساز کار تا آمدنی می آرد- شیبانی خان فهمیده می فرماید

---

۱ تم: نتوانست برآورد و عذر گفت که

۲ تم: شیخم نائی ۳ تم: از

۴ تم: برداود ۵ تم: نقل

۶ در تم ندارد، لفظ فی را از متن ترکی افزوده شد

۷ تم: عشره

که در همان صحبت گردنی[1] بسیارش* می زنند شیبانی غان در[2] عالم یک کار خوبی که دارد این است فی الواقع این چنین نازک مردکان را ازین بیشتر سزا می باید داد ؛

از مصنفان

غلام شادی است پسر شادی خواننده بود اگرچه سازی می نواخت اما در جرگه این سازها[3] که مذکور شدند نمی نواخت. صوت های خوب و نقش های مرغوب دارد - در آن زمان برابر او هیچ کس صوت و نقش بسیار نه بسته. آخر شیبانی خان، محمد امین خان قزان[4] خان فرستاد دیگر خبرش نیامد

دیگر میر عوو[5] بود این ساز نمی[6] نواخت مصنف بود[7] اگرچه کار کمی بسته اما آنچه دارد بمزه دارد.

بنائی هم مصنف بود نقشها و صوتهای خوب دارد ؛

---

[1] قم: گردن، جو قطعاً غلط ہے۔ گردنی سے کتے مراد ہیں جو گردن پر لگائے جائیں۔

[2] در قم ندارد

[3] قم: سازہا

[4] تو: قزاخان، قم: قزاخان، ترکی اصل: قزان خانی محمد امین خانی

[5] کذا در اصل ترکی، قم: عزیز

[6] قم: می

[7] فقط قم: ہم بود

ازمردم بی نظیر

یکی پہلوان محمد بوسعید* بود در کشتی گیری خود بر آمده بود شعر هم می گفتہ صورت و نقش هم می بستہ در چارگاه نقشی خوبی دارد خوش صحبت کسی بود کشتی گیری را باین قدرحیثیت جمع نمودن غرابتی دارد ؛

لہ غلط تم : محمدسعید

اقتباس از تاریخ رشیدی

اما میرزا سلطان حسین از بنایر میرزا جهان گیر ابن امیر تیمور است از وی[1] تا امیر تیمور از اجداد وی ہیچ کس را سلطنت میسر نشده است. اما این میرزا سلطان حسین بضرب شمشیر و قوت اجتهاد بعد از انواعِ شداید چندین ساله خراسان گرفت مدت چہل و ہشت سال باستقلال در تخت ہرات در چار حد خراسان بادشاہی کرد و در ترتیب صنوف طوایف عالم کوشیده باین جا که در ہر صنفی از اصناف عالم یک دو ماہر عالمگیری [پیدا[1] شد] که در اول و آخر مثل او نبوده ....

....

ومنہم[2] العلماء

اما علما که در زمان میرزا بوده اند بسیار اند شرح احوال تمامی ایشان درین مختصر نمی گنجد اما تیمنا اسامی[3] چند تذکیری می یابد. اعظم[4]

---

[1] از ردی ب

[2] : ومنہم العلما' ب ندارد — مولانا جامیؒ کا ذکر مصنف نے اس سے پہلے اولیا میں کیا ہے

[3] ب: معدودی [4] ا: اعظم و اعلم' ب مثل متن

ایشان شیخ الاسلام اند نبیرهٔ مولانا سعد الدین تفتازانی اند . مولانا سعد الدین در زمان میر تیمور بوده اند و استاد العلماء بوده اند بعد از ایشان بغیر[1] میر سید شریف جرجانی مثل[2] ایشان دیگر پیدا نشده میر سید شریف جوان بوده و تازه زور[4] و آخر[3] عمر مولانا سعد الدین در مجلس تیمور چند مرتبه مباحثات گذشته گاهی میر غالب آمده اند و ازین غیرت مولانا مریض شده اند خدمت میر سید شریف بعیادت رفته بودند گریه آمد و خود را بمیر سید شریف می مالیده تملق می کرده میر او را از پیش خود رانده اند مولانا سعد الدین بمیر گفته است که حدیث است که حب الصحابة من الایمان چرا او را می رانید میر گفته است که چرا معنی حدیث را باضافهٔ من نمی گیرید یعنی دوست داشتن گربه از ایمان[5] است . آنگه مولانا ازین جواب بغایت متغیر شده اند و موجب ازدیاد مرض شده است و بهمان مرض از عالم رفته اند . شیخ الاسلام از اوایل زمان میرزا سلطان حسین تا زمان استیلاء شاه اسماعیل بر شاهی بیگ خان شیخ الاسلام بود و در استیلاء وی شهادت یافت و این حکایت در محلش[6] خواهد بود و درین مدت چنان تقوی و طهارت و دیانت ورزید که هیچ کس انگشت

---

[1] ب : بغیر از
[2] آ : که مثل
[3] ب : اواخر
[4] در ب ندارد
[5] ب : ایمان آن کس
[6] ب : تحقیق ، آ : مجلس

اعتراض بر حرف شیخ نتوانست کہ[1] گذارد - اکثر علمای آن عصر شاگرد وی اند بلکہ بشاگردی وی افتخار دارند. فقیر از علماء استماع دارم کہ می فرمودند کہ شیخ را از غایت بزرگی و اشتغال آمد و شدِ طوایف و مهماتِ ایشان اکثر درس معین نمی بود اما دانشمندان کہ شاگرد شیخ الاسلام بودند مثل مولانا عصام الدین ابراهیم و میر محمد و محمد[2] یوسف و مولانا شمس الدین محمد بحرآبادی وغیرہم تا بیست و پنج دانشمند مشار الیہ عالم مطالعہا می کردند (و) تصنیفات می پرداختند و سخنان می آوردند و در مجلس شیخ مباحثات می رفت گاہ بودی کہ دانشمندان دو فرقہ می شدند و بعرض می رسانیدند اکثر چنان بود کہ شیخ الاسلام می فرمودند کہ ہیچ کدام از ینہا نیست شق ثالث بیان می کردند کہ ہمہ را جز قبول ہیچ چارہ نبود اگرچہ اہل بحث بودند و گاہ بودی کہ ہمہ یک امر مقرر می کردند شیخ شق ثانی بیان می فرمود کہ ہمہ از مقرریہا خود رجوع می کردند [بعد از بیرون آمدن علمای تعجب می کردند] کہ کس را درین جہات این ہمہ دانش اندوختن عجب است، بیست و چہار سال درس[3] ایشان این نوع بود کہ این دانشمندان ہرگز از شیخ مستغنی نتوانستند شد. و دران اوان کہ پدرم بخراسان رفت چند روزی کہ گذشت چنانکہ قاعدہ است کہ طفلان چہار سالہ و چہار ماہہ و چہار روزہ کہ میشوند

---

[1] در ب ندارد   [2] ب: میر (بجای محمد. دیکھو ص ۱)

[3] ب: سن

بمکتب می سپارند بنده را می خواست که بمکتب بسپارد اما برای تیمن[1] و تبرک اوّلاً پیش شیخ الاسلام بر دو التماس [تعلیم[2] کرده] شیخ رَبِّ یَسِّرْ نوشتند و از روی تملق و شفقت بروی زانوی خود گرفتند و تعلیمی در نهایت رفق[3] و مدارا کردند که امروز از ان تاریخ سی و هشت[4] سال است لقای مبارک شیخ و آن تعلیم و رفق ایشان کالنقش [فی] الحجر در خاطر منست امید می دارم که چه نوع که (کذا) برکات آن الی یومنا هذا رسیده است و بعد ازین نیز اول در دنیا و آخر در آخرت عاید گردد. انشاء الله العزیز.

دیگر میر مرتاض[5] است که دانشمند متبحر بوده و دیگر مولانا خواجه[6] اصفهانی که محدث و [استاد[7]] علماء است از عراق گریخته آمده بود سببش آن بود که شاه اسمٰعیل که ذکر او بر سبیل اجمال خواهد آمد سابقا نیز مجملے گذشته است چون اهل سنت و جماعت را آن ...[8] چه از سلاطین و امرا و چه از موالی علما و چه از دهاقین

---

[1] آ ب: تیمناً
[2] از روی ب
[3] آ: رقت، تصحیح از روی ب
[4] ب: شصت
[5] ب: مرتضی (که غلط است)
[6] ب: خواجه علی مولانا
[7] از روی ب
[8] حذف کرده شد

در رعایا هر کس [کہ][1] می یافت* می کشت خواجہ مولانا ازان قتل عام گریختہ بخراسان آمد و در آخر بماوراء النہر رفت و در ہمانجا رفت. و میر عبد القادر مشہدی و مولانا[2] مسعود شروانی و مولانا حامد شروانی و مولانا عصام الدین ابراہیم* و مولانا شمس[3] الدین محمد بحر آبادی و مولانا غیاث الدین بحر آبادی و مولانا حنفی و مولانا ابراہیم شروانی[4]* و مولانا شاہ سید عاشق [د]، مولانا احمد رومی و مولانا محمد گنجہ و مولانا احمد جندی و مولانا میر کلان[5] طبیب و مولانا حاجی تبر[یزی و مولانا معین تبریزی و مولانا][6] صدر الدین محمد قندھاری و جناب بندگی میر ابو البقا کہ امروز از وجود تشریف ایشان منور است تذکرۂ ایشان در اثنای واقعات ہندوستان خواہد آمد۔ چون ایشان در آن زمان در ہرات انگشت نما بودند پدرم بارہا ایشان را و پدر بزرگوار ایشان عبد الباسط را ملازمت می کرد۔

و **مولانا عبد الغفور لاری** کہ نام نامی ایشان در ضمن تذکرۂ مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی ذکر یافتہ است۔ مولانا[ی لاری] در غایت بی تکلفی و بی تعینی بودہ است ہرگز غبار رعونت دانشمندی در حواشی خاطر او نہ نشستہ است ہر کس از علما

---

[1] ب: کہ یافت [2] ب: و میر جمال الدین محدث و میر عطاء اللہ و میر ابراہیم و میر محمد و میر یوسف.
[3] آ: سروانی [4] ب: شیرازی
[5] ب: کلا [6] آ: تبر؛ ب: طیرزی و مولانا معین طرزی و مولانا

از اطراف عالم ربیدی برای رواج کار او ہرچند کہ شاگردی مولانا [را] لایق نبوی پیش او چند روزی جزو کشیدی و در ہنگا مہا و شہر و بازار پیادہ بغل و آستین پُر کتبؔ سیر فرمودی۔
علما در خراسان بسیار بودند تفصیل اسامی و احوال ایشان تطویل دارد و بسیار دیگر باشد کہ بندہ ایشان را نمی دانم تذکرہ علما را باین مقدار اقتصار دادہ شدؔ۔

و منھمؔ الشعراء

و از شعرا کہ دران زمان جنت نشان بودہ اند بزرگان ایشان در ذکر اولیا و علما مذکور شدہ اند مثل حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کہ ؔ [اگرؔ] احترازہ از اعتراض تکرار نمی بود [لایق آن بود] کہ چہ [زرع سر] دفتر اولیاء خراسان نام نامی
۳۳۹ فخر الانامی مولانا نور الدین [عبد الرحمٰن جامی است سر دفتر علما و شعرا نام فرخندہ فرجام مولانا جامی بودی ۔اما تحقیق آن ست کہ نام و تذکرہ ایشان مکرراً خوش آیند است ہرجا کہ اہل و فضل و کمال شمار دہند مرۃ بعد مرۃ اخریٰ بنام ایشان ابتدا و انتہا کنند۔ و مولانا عبد الغفور لاری درؔ شرح

ؔ آ: کتیب ' ب: کیفیت ؔ ب: نمط اقتصار کردہ شد
ؔ آ: نہم: در ب "و منھم" را ندارد ؔ در ب ندارد
ؔ از روی ب ؔ ساعد والاقصہ مجھ کو شرح نفحات میں تہیں ملا باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۰ پر)

نفحات نوشته است خدمت مولانا از اوایل تا اواخر بی تقید صورت مجاز[1] نمی بودند. همیشه زمزمهٔ عشق در ملک دل ایشان و بدبهٔ کوس سلطنت می زد. در اواخر ایام یکباری در خلوتی پیش ایشان در آمدم ایشان طهارت می کردند. ساعدهاء مبارک مبشم [منتشم؟] و پر نعل و داغ بود. دیدم که عجب ساعدهاء پاکیزه منوری که دیده مثل آن ندیده باشد[2] [بود[3]] مرا ازین ساعدهاء مولانا تعجب آمد. سر بالا کردند مرا دیدند فرمودند که مدتیست که ما عاشقی را [باین[4]] قرار داده ایم که در خاطر خود صورت مطبوعی خاطر خواه تخیل می کنیم و متوجه[5] و نگران* می باشیم. مدتی بود[6] که ما صورتی تخیل کرده عشق می ورزیدیم امروز حق سبحانه تعالیٰ دست های ما را[7] بصورت دستهای آن صورت متصوره مصوّر[8] ساخته بود بدست خود عاشقیها داشتیم در محل عجبی آمدید، چون نگاه کردم دستهای مولانا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶:- البتہ تکملہ لاری میں یہ عبارت ہے:

فرمودند که روزی در اثنا وضو ساختتی چون نوبت بدست شستن رسید دست خود را دست آنکه تعلق خاطر بدو بود یافتم چون این معنی مشهود گشت در خاطر گذشت که آنچه حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم فرموده اند که هذه ید الله و اشارت بدست مبارک خود کرده اند در مثل این حال بوده باشد۔

۱ ب: مجازی
۲ در ب ندارد
۳ از روی ب
۴ از روی ب و کا
۵ ب، کا: دیگران
۶ کا: مدتهای بود
۷ در کا ندارد
۸ اصل: ب: متصور، کا مثل متن

بحال خود اصلی معاودت کرده بود۔

اشعار خدمت [مولانا از ان] مشهور تر است که باستشهاد آوردن آن درین مختصر حا[جت باشد] اما یک غزلیست غیر مشهور که التزام کرده اند بیت اول آن فرد باشد که ہیچ حرفی به حرفی مرکب نگردد و بیت دوم دو حرف دو حرف مرکب گردد ہم چنین بیت سوم ہر کلمه سه سه حرف مرکب باشد و ہم چنین تا پنج التزام نموده اند و آن غزل اینست ؎

رُخ زرد دارم ز دوری آن در
زده درد و داغ درون دل آذر
چو تن کاست گوئی شب فرقت تو
مه تو که باشد بدین گونه لاغر
خطت خضر و جعد کجت مشک تبّت
تنت سیم و لعل لبت تُنگ شکرّ
بجنت نعیم شهید محبت
بهشت مخلّد نصیب محقّر
بلبها ملیحی بطلعت صبیحی
بگفتن فصیحی بگیسو معنبر

تتمۂ نفحات سیٔ[1] جزو باشد مولانا عبد الغفور آنجا عذر می گوید که

---

[1] ظاہر مراد تکملہ لاری سے ہے اس کتاب کے دو نسخے جو میں نے دیکھے ہیں ان کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ تیں مراد ہے نہ تیس۔ لاری نے دیباچہ تکملہ میں خوف تطویل کا عذر (باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

اگر از تطویل اندیشه نبودی نشر مناقب ایشان بسیار بود باین مقدار اقتصار یافت. چون مقصود ازین مختصر چیزی دیگر است اگر زیاده ازین شود مقصود محجوب گردد ٭

ذکر میر علی شیر

تخلص او نوائی ست. در شعر ترکی پیش از وی و بعد از وی هیچ کس مقدار وی [۱] بیش از وی نگفته است وی درین فن استاد است و اشعار ترکی وی در شهرت همان حکم دارد که در فارسی [شعر ملّا] امّا وی شعر فارسی نیز بسیار دارد و در فارسی فانی تخلص کرده و دیوان خواجه حافظ را جواب گفته. قصیدهٔ [۲] بحر الابرار را بعد از خواجه خسرو هیچ کس مقدار او نگفته است [۳] که مطلعش این ست که ؎

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸: نہیں کیا بلکہ کہا ہے کہ مولانا جامی کی تعریف "مناسب مرتبہ امثال ما فقیران نیست"

[۱] در ب ندارد

[۲] ازروی ب [۳] مراد مصنف کی یہ ہے کہ قصیدہ بحر الابرار امیر خسرو کا بہترین جواب امیر علی شیر نے دیا۔ امیر علی شیر کے قصیدہ کے لئے دیکھو تذکرۃ الشعراء دولت شاہ (طبع لیڈن)، ص ۴۹۷۔ بحر الابرار کے اور حوالے دیکھو اسی کتاب کے صفحہ ۶۱۳ پر ہے مگر ۵۱۳ کی بجائے ۵۰۲ پڑھو) قصیدہ بحر الابرار دیوان غرۃ الکمال میں موجود ہے اور اس کا مطلع یہ ہے ؎

کوس شہ خالی و بانگ و غلغلش درد سر است ٭ ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و بر است

[۴] کذا است این فقره در آ و کا و نیز در ب (اما بحذف لفظ بحر) است، نیز رک به ص ۱۵۰ س ۱۱

آتشین لعلی که تاج خسروان را زیور است
اخگری بهر خیال خام پختن در سر است

وقتی که حضرت مخدومی فخر الانامی نور الدین عبد الرحمٰن جامی از سفر حجاز بر گشته اند۔ میر علی شیر این رباعی را باستقبال ایشان فرستاده است۔ رباعی

انصاف بده ای فلک مینا فام
تا زین دو کدام خوبتر کرد خرام
خورشیدِ جهان تاب تو از جانب صبح
یا ماهِ جهان گردِ من از جانب شام

سه دیوان ترکی[1] دارد یکی فارسی۔ تذکرۃ الاولیا ترکی نوشته است۔ و خمسه را ترکی جواب کرده و غیر این نیز مصنفات بسیار دارد۔ بغیر یک دیوان دیگر همه ترکی است۔ اصل وی از بخشیان اویغور است۔ پدر او را کیچیکینه بخشی می گفته اند۔ مردی بود علی الرسم۔ میر علی شیر بمیرزا سلطان حسین در خوردی آشنائی داشته است چون میرزا بادشاه شد۔ بملازمت میرزا پیوست و مرزا او را رعایت بے حد کرده [و او] اهل فضل را، چنانکه این همه فضلا و بی نظیران که دران زمان در طوایف خلایق پیدا شد اکثر بسعی[2] [او] بوده است۔ در زمان امارت اهتمام نمود ملک و اسباب سامان کرد چنانکه

---

[1] آ : بترکی
[2] از روی ب

هر روزه حاصل املاک او بشرده هزار شاه رخی بود دیگر اسباب [امارت][1] خود را از خدم و حشم و ضرابخانه و اصطبل مع جمیع بیوتات بادشا[هانه] را میر علی[1] بابا که از سرآمدان[2] سپاهیان آن عصر بود بنواب میرزا سپرد و ترک سپاهی گری کرد و بمیرزا در اقطار اکابر و مصاحبان ملازمت[3] می کرد. بآنچه ممکن بود مهمات ارباب حاجات را در خانه می ساخت و تربیت اهل فضل می کرد این همه حاصل املاک خود را در خیرات برای آخرت صرف نمود بقاع و مساجد و عمارات بسیار کرد که این زمان نیز در خراسان بسیار باقی مانده است. غالباً کم کسی را آن مقدار عمارت کردن میسر شده باشد. هیچ کس از اهل فضل نیست که من وجهی مربّی او نباشد و او مردی بود در غایت ظرافت و اندام، همه کس را می خواست که همه در غایت ظرافت[4] باشند و این بر خلایق دشوار می آمد و ازین جهت رنجشها می شد و بمیر علی شیر غیر نازکی و زود رنجیدن عیب دیگر نمی یابند مع هذه الحق که مرد فاضل و دولت مند بود. تمام عمر گرامی را به تجرد و خیرات گذرانید.

بیت
حاصلِ دریا نه همین دُر بود
یک بتر از آدمی پُر بود

خاصه که او را بغیر یک عیب دیگر همه هنر بوده است ٭

---

[1] ب: پسر بابا علی، جمله مخدوش ہے [2] آ: سرآمدن آن
[3] آ: درملازمت [4] ب: ظرافت و اندام

امیر شیخ احمد

تخلص او سُہیلی است او نیز از امرای بزرگ سلطان حسین میرزا ست اشعار نیک دارد وخمسہ را جواب کردہ است ؛

ذکر حسین[1] علی جلایر

تخلص او طُفیلی است وی [نیز[2]] انسے نواب میرزا بود و مُتنها پروانچی بود در قصیدہ لا نظیر است [ثانی ؟] سلمان وظہیرست قصیدۂ دارد ردیف ’شکست‘ ہمانا کس آن| قصیدہ را مقدار[3] او نگفتہ است چند بیت ازان ثبت می یابد ص ۲۴۳

نخل قدت جلوہ کرد قدر[4] صنوبر شکست
لعل لبت خندہ زد قیمت گوہر شکست
پستۂ تو غنچہ را خون بدرون زد گرہ
غنچۂ تو پستہ را خندہ بلب در شکست
مردمک چشم او کند بنای خرد
فتنۂ یاجوج بین سد سکندر شکست

---

[1] کا رد اقتباس بابر نامہ ص ۱۴۳ و لطایف نامہ نسخہ خطی، : حسن، تزک بابری (ترکی)، میں ایک جگہ حسن لکھا ہے ایک جگہ حسین۔

[2] از روی ب [3] ب : تاجی

[4] رک ، ص ۱۵۵ س ۱۴

نوحۂ قمری چرا ست گر نہ زیاد قدت
صرصرِ آہم بباغ قامتِ عرعر شکست
جامع امن و امان شاہِ بدیع الزمان
آنکہ ببازوی عدل پشتِ ستمگر شکست
این قصیدہ را تمام باین رنگ گفتہ است ❊

[آصفی][1]

وزیر زادہ است اشعار خوب دارد - بیت
بر سر کوی رقیبانِ[2] ذکرِ آن مہ چون کنم
کافرستان ست آنجا اللہ اللہ چون کنم

[آہی][3]

اشعار وی در غایت سلاست و روانی است شعر او در طرز امیر شاہی داشتہ اند دیوانی دارد در غایت عذوبت و من اشعارہ[4]

---

[1] ق میں اس محل پر یہ نام درج نہیں بلکہ بیت کے بعد دیا ہے، بجای آہی اور وہ غلط ہے۔ در ب ندارد، کا مثل متن

[2] دیوان آصفی نسخہ خطی کلیہ پنجاب : این جا

[3] از روی کا۔

[4] اس کے بعد ق میں ہے : آہی رجو بے محل ہے، کا مثل متن، بیاض در ب

یار ثمن یار رقیبان دل آزار شده است
الله الله چه کسی با چه کسی یار شده است

نازم بچشم خود که جمال تو دیده است
افتم بپای خود که بکویت رسیده است

[ہلالی][3]

در فن شعر استاد است و اشعار خوب دارد شاه و گدا
از منظومات اوست و دیوان او مشهور است و ازان جمله
مطلع ثبت افتاد ؎

مه[4] زجور فلک دوتا شده است
یا زمه پارهٔ جدا شده است

بنّائی[5]

وی نیز مرد فاضل و شاعر کامل است میان او و میر
علی شیر [داثم] مناقضات می بود و ظرافتها که میان ایشان

---

[1] از روی کا [2] "و" میں 'ہلالی' سے مہ زجور فلک الخ سے پہلے
دیا ہے جو بے محل ہے، تصحیح از روی کا
[3] دیوان ہلالی طبع کانپور ۱۸۹۴ء ص ۲۲
[4] از روی کا بیاض در ب، در آ ندارد [5] از روی ب

گذشته است از جملهٔ آن که میر علی شیر دو مطلع که یکی از مولانا صاحب است از وی بالتماس خریده میر تمام ساخته است[1] ترکی

کوکراکیم دور صبح تینک — پیراہنی دین چاک راک
کیر بکیم شبنم تو گوتگان — سبزه دین نمناک راک

و مطلع دیگر از مولانا لطفی است که پیش از میر کس مقدار او نبوده تمام نکرده بوده است میر آن مطلع را خوش کرده آن را تمام ساخته بوده است و آن مطلع این ست.

با[1] شمشیر دین سایهٔ سروقد تک کم بولماسون (؟)
ذات پاکینک بولماسا عالم و آدم بولماسون

بنائی از جهت [آنکه[2]] بمیر علی شیر ظرافتها پُر گذرانا می کرده میر نیز در مقام ظرافت شده فرموده مولانا بنائی دیوانه شده است او را بدار الشفا برد (ه) بکف پای و نخود آب علاج کنید. ازین جهت گریخته بعراق رفته بود و آنجا از سلطان یعقوب تربیت ها یافته بعد از مدتی باز بهرات آمده بوده است میر علی شیر کس فرستاده طلب نموده در مقام لطف و آشنائی شده است و بانعام و اکرام تلقی نموده و عذر مافات گذشته کرده است و بنائی نیز عذرهاء ظرافتها خواسته بهم نیک

---

[1] یہ شعر اصل میں مسخ ہو گئے ہیں۔ تؔ اور بؔ کو ملا کر یہ صورت اس کی بنائی گئی ہے۔ گر تصحیح سے عاری ہے

[2] از روی ب

برآمده اند. در محل خوش پریبها میر پرسیده است که عراق را چون یافتید[۱]. بنّائی گفته است که یک چیز عراقیان را بسیار خوب یافتم که ایشان مطلقاً شعر ترکی نمی گویند. میر گفته تو
ص ۲۲۵ هنوز هوشیار نشدهٔ بگذار این[۲] تعرضات را. بیا از روی یاری و اتحاد و راستی را بگوی که در دیوان های ما کدام مطلع خوب است گفته است که این مطلع پسند مردم است. ترکی

کو کرایکیم دور صبح ینینک پیراهنی دین چاکر اک
کیر بکیم شبنم تو گونگلان سبزه دین نمناکراک

میر گفته عجب مرد متعرضی. این مطلع خود از مولانا صاحبی است که ما خریده ایم و تو قصداً از برای تعرض این میگوئی. بنّائی گفت روا باشد مرا چه حد اینست که تعرض توانم کرد. من نمی دانستم که مطلع از شما نیست. مطلع ها خوب بسیار دارید و این مطلع شما ازان بهتر است. ترکی

با سمیر دین سایه سروقدنک کم بولماسون

میر گفته این ازان بهتر و این مطلع از مولانای لطفی است تو هرگز تعرض را ترک نخواهی کرد. هر دو باز بسر آزار خود رفتند ٭

---

[۱] ب: یافته اند
[۲] آ: ازین
[۳] آ: قصیدهٔ ب: قصد

سیفی[۱] [بخاری]

بمثل گوئی مشہور است ۔ تتبع طوسی کردہ است اما از وی بہتر گفتہ است ۔ وی نیز مرد فاضل بود دیوان او درمیان مردم مشہور است از جملہ اشعار وی است ۔ **بیت**

اے ترا چون دل عشاق پریشان کاکل
قامتت فتنہ و سر فتنۂ دوران کاکل
ہمچو دودیست کہ بر گرد سر شمع بود
حلقہ حلقہ بسر آن مہ تابان کاکل

و برای جمیع اہل صناع ابیات گفتہ آن را بدایع[۲] نام کرد ازانجملہ است۔ **بیت**

چون عشق کلہ پز در گردن افتاد
والا خوش باش نان در روغن افتاد

بت[۳] پرداز گرم کو یکسان می سازد
ہیچ با حال من خستہ نمی پردازد

و شعرا کہ ازیشان دواوین ماندہ است کہ این زمان درمیان مردم مشہور است بسیار اند از جملہ آہی و نرگسی و ہجری[۴] و میر محمد صالح

۱؎ رک بہ لطایف نامہ ص ۹۸ ۲؎ ق: بدیع ، پ: بدایع

۳؎ ق: بیت دیکھو اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۴ء ص ۹۹

۴؎ کا: بجری ، پ مثل متن دیکھو لطایف نامہ فخری ص ۲۸ : محمد صالح بھی وہیں ص ۱۸۲ پر مذکور ہے۔

و شهیدی[۱] و شهودی و گلخنی و گلشنی و پیامی و خواجه ابو البرکه که فراقی تخلص می کند و جدر کلیچه وغیرهم؛

ومنهم المعمایون

این اکابر و افاضل که مسطور شد اکثر ایشان معمات خوب دارند اما آنچه بمعمائی لفظ مشهورند اگرچه ایشان را نیز فضایل دیگر هست اما این فضیلت ایشان بر همیشه ارجح بود.

میر حسین معمائی است که در فن معما بی همتا ست. رساله دارد در غایت اعجوبگی. و این معما ازان جمله است باسم سهراب[۲]

یافتم از ور می خانهٔ ترسا شرفی
حاصلا مدرسه اکنون طرفی ما طرفی

[و] **مولانا محمد بدخشی معمائی** و **مولانا کمال معمائی** و **مولانا شهاب معمائی** و رای این جماعت[۳] [جمع] کثیر اند که باین فن مشهورند و ذکر تمامی ایشان مقصود را محجوب می گرداند؛

ومنهم الکتّاب

خط نسخ تعلیق که در آن زمان رواج یافت هرگز[۴] نبوده و هرگز نشنیده. **میرعلی تبریزی**[۵] که مخترع این خط است در زمان

---

[۱] کا: مشهدی، ب: خورشیدی [۲] آ: نهم، درب ندارد [۳] ب: جاهلا
[۴] از روی ب [۵] آ: که هرگز، ب مثل متن [۶] آ: یزدی، کا: مثل متن

امیر تیمور بوده است شاگرد وی است ؛

مولانا جعفر

اگرچه او خطوط را همه نیک نوشته [بوده][1] و در همه خطوط استادِ فرق است۔ چنانکہ در ثلث و نسخ و رقاع و محقق و ریحان۔ مولانا عبد اللہ آشپز یزدی[2] شاگردی وی است و حافظ قوطہ[3] و مولانا محمود کاتب[4] سمرقندی وغیرہ شاگردان مولانا عبد اللہ اند۔ دیگر تمام نستاخان شاگردان این جماعت اند۔ و ہم چنین در تعلیق میر عبد الحی شاگرد مولانا جعفر است و اکثر اہل تعلیق شاگرد عبد الحی اند۔ اما در نسخ [تعلیق[5]] مولانا اظہر و مولانا] شیخ عبد اللہ خوارزمی و مولانا شیخ محمودی خفی نویس این ہمہ شاگردان وی اند۔ چہ نوع کہ مولانا جعفر از مخترع بہتر نوشتہ مولانا اظہر باز از وی خوبتر نوشتہ است۔ و مولانا جعفر کند و شکستہ نوشتہ است امّا[6] محکم و بملاحت اما مولانا اظہر

---

[1] از روی ب [2] آ: آشپز و یزدی ب: آش پز۔ کا: آش یزدی (اما ہروی۔ بجای یزدی در تذکرۂ خوش نویسان ص ۲۴)

[3] فقط ب: محمد، کا مثل متن [4] از روی ب و کا

[5] یہ عبارت حاشیہ آ میں بڑھائی گئی ہے مگر مسخ ہے۔ ب اور کا کی امداد سے تصحیح کی گئی۔ مگر ب میں ملاحت لکھا ہے۔ بجائے بملاحت اور آ میں بماحت اور کا میں با ملاحت۔ اسی طرح آ میں لطایف ہے بجائے لطافت کے ب مثل متن۔ ب میں ہمواری وارد ہے بجائے دست ناہمواری وارد۔

باوجود این لطافت که مذکور شد درست نوشته است . اما دست
نا هموارى دارد . و مولانا جعفر در زمانِ* میرزا شاه رخ بوده است
و از اہل کتاب خانه میرزا بایسنغر بوده که پسر میرزا شاه رخ و
پدر میرزا بابر قلندر است ؛

ذکر مولانا اظهر

اما مولانا اظهر ملازم میرزا سلطان ابو سعید گورگان بوده . مولانا اظهر
شاگردان دارد[۱] . مولانا سلطان علی مشهدی ، شیخ بایزید پورانی که از
بنایر شیخ پوران است و مولانا سلطان علی قاینی . و ہمان نسبت
که میان میر علی تبریزی و مولانای جعفر است و درمیان مولانا
اظهر و مولاناء جعفر بود بلکہ بہتر و بیشتر درمیان مولانا اظهر و
مولاناء سلطان علی مشهدی است ؛

[مولانا سلطان علی مشهدی]

در قطعه و کتابه در خفی و جلی بلکہ نسخ تعلیق یک قلم[۲] بوی
ص ۳۴۸ مسلّم است که ہیچ کس پیش از وی | و بعد از وی نزدیک
بوی نتوانست نوشت و در ہمه اوصاف و لطایف لا نظیر[۳]*
بود خاصه ملاحت و مزه که خط ملّا دارد ہیچ کس را دست

---

۱ آ : دارد ، ب : شل متن ۲ آ : کلمه
۳ آ : لاینظر ب : لانظیر

نداده - دی رساله در آداب خط نوشته است - در آنجا گفته است که در اوایل مشق در روضه مقدسه مشهد طوس[1] علیه التحیة و السلام می بودم در آن اثنا خوابی دیدم حضرت امام المتقین وصی رسول رب العالمین اسد الله الغالب علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه قلمی بدست داد از خواب بیدار شدم دیگر طریق خط بمن در افتاد. مولانا در اوایل حال که مشق می کرده از پیش خود خط را صورتی داده بوده است و[2] عوام فریب بوده است - اما کاتب پسند نبوده - مولانای جعفر خمسه ابتدا کرده ناتمام بوده است - میرزا سلطان ابو سعید فرموده که هیچ کس باشد آن را تواند تمام کرد - چون درمیان مردم مولانا سلطان علی شهرت کرده بوده است بعرض رسانیده اند - جوانی حالیا[3] شهرت دارد شاید که او تواند این امر خطیر را بسر آورد - مولانا سلطان علی (را) آورده اند و[4] کتابت[*] مولانا جعفر را نموده مولاناء فی الحال قبول کرده است و یک جزو کتابت کرده آورده - مولاناء اظهر در [ده[5]] خانه نشسته بوده است - اول پیش مولاناء اظهر برده است - مولانا اظهر بر آشفته است، که باین اسلوب تو خمسهٔ مولانا جعفر را تمام

---

[1] ب: طوسی
[2] ب: که (بجای و)
[3] ب: که حالیا جوانی
[4] آ: و مولا کتابت ب: و کتاب
[5] ازدوی ب

ص ۳۹۹ می سازی از درِ خانه [مولانا سلطان علی [مشہدیؒ را] بوثاق بردہ
است و کف پای ذوہ دو روز محبوس داشتہ بعد ازان از
حبس بر آوردہ است و گفتہ است کہ فرزند ! قابلیت بلند
داری اما خط تو خود روی است اسلوب نسخ تعلیق آن
نیست قطعۂ بملا دادہ است کہ باین اسلوب می باید نوشت.
ملا می گفتہ است کہ قطعہ را بردم و مشق کردم بعد از
مشق مرا معلوم شد کہ اسلوب نسخ تعلیق آن نوع بودہ
است و پیشتر ازان بر بی اسلوبی خط خود واقف نبودم و
[بر] پختگی و صافی و محکمی غرہ بودہ ام و خطِ بی اسلوب
را خود خط نمی توان گفت و امروز آن مقدار آثار از ملا
باقی ماندہ است کہ عقل از قبول آن ورین است کہ انتزاع
نماید چہ اکثر در بلاد عالم کم کس از اہل قلم باشد کہ از قطعہ
و کتابہ ملا چیزی نداشتہ باشد و در کتاب خانۂ پادشاہان عالم
[اگرچہ] دو سہ کتاب بخط ملا نباشد آن کتابخانہ را محسوب
نمی دارند۔ این امر از عجایبات امور است ؛

[شاگردان مولانا سلطان علی مشہدی]

اما ملا شاگرد بسیار دارند ازانجملہ مولانا علاء الدین است

لہ از روی ب ۔ ٹ از ب افادہ است
تہ آ : کی ، تصحیح قیاسی ہے ۔ ٹہ قیاساً بڑھایا گیا۔

ہیچ کس مقدار ملّا علاء الدین بملّا شبیه نوشته است خاصه در کتابت - دیگر سلطان محمد خندان است - وی نیز در غایت ملاحت نوشته است - دیگر مولانا محمد ابریشمی است - بغایت پخته نوشته است - اما شکسته تر می نویسد - دیگر مولانا زین الدین محمود وی داماد ملّا[1]ست | و شاگرد - کتابه را بسیار خوب کرده. ص ۳۵۰
گرد[2] و[3] نیز بزه می نویسد - دیگر سلطان محمد نور است - اگرچه قلم تیز می دارد اما کاواک[4] می نویسد - دیگر قلندر کاتب است - ملّا را نظر بدو تمام بوده چه هرکس که باشد آن وضع او را دوست دارد - او را هرگز منزل معینی نبوده - صاحب کرته و کفش نشد - تمام عمر را به تجرید و تفرید گذرانیده در غایت صلاح و پاکیزگی - خط او زبون تر ازین جماعت مذکوره است ٭

[شاگردان این جماعت]

و جمعی دیگرند که شاگردانِ این جماعت اند - مولانا قاسم علی شاگرد مولانا محمد ابریشمی است - قلم او کند است - اما در غایت مزه و لطافت و استحکام خط وی ہیچ یک ازین مردم نمی ماند - از اکثر ابنای جنس خود بهتر می نویسد

---

[1] ق: ملای است [2] در ب ندارد، ق: کرد و

[3] اس کا لکھا ہوا نسخہ سبحۃ الابرار کا بانکی پور میں موجود ہے دیکھو فہرست بانکی پور ج ۲ ص ۲۴

[4] ب: کواک تر

این کمینه شاگرد وی[1] است و شرح آن خواهد آمد.
دیگر قاسم شادی شاه وی شاگرد سلطان محمد خندان است بملاحت می نویسد
دیگر مولانا میر علی[2] است شاگرد زین الدین محمود است بغایت صاف و محکم می نویسد. خفی او به از جلی اوست و کتابه او بهتر از قطعه او. جلی را بی تناسب و بی مزه می نویسد و در خفی و جلی او ملاحت نیست. امّا بقوت [دست[3]] او معلوم نیست که کسی گذشته باشد.
این جماعت که مسطور شد جماعتی اند که پیش از ایشان و بعد از ایشان[3] [مثل ایشان] پیدا نشده است؛

ومنهم المصوّرون[4]

شاه مظفر

پسر استاد منصور است در زمان سلطان ابو سعید است

---

[1] ق: شاگردی

[2] اس کی لکھی ہوئی یوسف زلیخا بانکی پور میں ہے۔ دیکھو فہرست بانکی پور ج ۲ ص ۷۹

[3] از روی ب

[4] مصوّروں اور مذہبوں کے حصہ کے انگریزی ترجمہ کے لئے دیکھو Bulletin of The School of Oriental Studies Vol: V 1928-30 P 671

از وی بهتری[1] نبوده است. وی درین فن استاد است قلم نازک باریک دارد که بغیر شاه مظفر دیگر قلم هیچ کس آن نازکی[2] نیست. اما چیزی خشک تر است. گرفت و گیر ها را بغایت محکم ساخته. اما شاه مظفر بمراتب کثیره از وی گذرانیده است قلمی دارد در غایت نازکی[3] و صافی* و ملاحت و پختگی که چشم بیننده خیره ماند و در بیست و چهار سالگی وفات کرد در مدت عمر[4] هفت* هشت مجلس تمام کرد و قلم بیاهی او در بعضی مردم یافت می شود. استادانِ این صناعت آن را بغایت عزیز می دارند*

بهزاد[5]

وی[6] مصور استادی ست اگر مقدار شاه مظفر نازک دست نیست اما قلم این از وی محکم تر است. طرح و استخوان بندی آن از وی بهتر است. در قدیم الایام در سلسله خواقین بلاکویی[7] که پادشاهان عراق اند خواجه عبدالحی بوده است. اعتقاد [اهل] این صناعت آنست که وی ولی بوده در آخر توبه کرده بوده

---

[1] آ و ب: بهترین، کا: بهتر

[2] کا: باریکی، ب مثل متن

[3] ا. باریکی، ب مثل متن

[4] ب: ماه، کا مثل متن

[5] آ: بهرداد

[6] کا: در مصوری استادست

[7] از روی کا، ب: اهل، بجای اهل این،

است و هر جا که از کار های خود می یافته است می شسته و می سوخته است ازان جهت کار های وی بغایت کم یاب است در صفای قلم و تازگی و محکمی یک در همه اوصاف تصویر مثل وی پیدا نشده است بعد از خواجه عبد الحی دیگر این شاه مظفر و بهزاد است و بعد از ایشان الی یومنا هذا مثل ایشان | دیگری پیدا نشد هر دو تربیت یافته میر علی شیر اند ؛ ص ۲۵۳

قاسم علی چهره گشای

وی[۱] شاگرد بهزاد است - کار های وی قریب با بهزاد است و در همان[۲] اسلوب ، کسی که ممارست[۳] بسیار کرده باشد می دریابد که کار های قاسم علی درشت[۴] تر است [نسبت[۵] بکارهای بهزاد و اصل طرح وی بی اندام تر است]

مقصود[۶]

دویم قاسم علی است رو ، شاگرد بهزاد، قلم او [هیچ] کمی از

---

۱ آ: است، ب و کا مثل متن ۲ آ: قاسم علی وی (بجای وی)

۳ آ: همه ب: بیان، کا مثل متن ۴ کا: ممتازست، ب: ممارست

۵ ب: کا: درست ۶ از روی کا و ب هم دارد ، اما یا اندام بجای بی اندام

۷ آ: قاسم علی، تصحیح از روی کا ۸ از روی ب و کا

قلم قاسم علی ندارد. اما اصل طرح وی و پرداخت وی نسبت بقاسم علی خام است[1]

[مولانا[2] میرک نقاش]

وی از عجائبات روزگار است، استاد بهزاد است. اصل طرح وی پخته تر از بهزاد است اگرچه پرداخت وی مقدار بهزاد نیست اما تمام کار های وی در سفر و حضر از پیش مرزا و در خانه در هوای بیرون ساخته است هرگز مقید بحجره و کاغذ لیق نبوده این بسی عجب، مع هٰذا[3] الاشکال انواع ندرمندیها می کرد که مطلقا منفی تصویر و نقاشی است ازین جهت گرفتن تا[4] تو حماق داری* (؟) اکثر زورمندی ها را ورزش میکرده بآن شهرت داشته است. جمع ساختن تصویر باین امور بسیار غریب است.

دیگر استاد بابا حاجی است. در تصویر قلم پخته دارد اما اصل طرح وی بی اندام است در تمامی خراسان در[طراحی] نقش و زغال گرفتن بی همتا ست و می گویند در مجلس برای تعصب

---

[1] بیاض در آ، از روی آ نوشته شد، ب: مولانا برکه ماش

[2] ب: هذا

[3] ب: با تو حماق داری، کا: تا تو حماق داری و

[4] از روی ب

پنجاه نیم[1] دور کشیده که پرکار مانند[2] تخلف نکرده و هیچ کدام از یکدیگر سیر موی خرد و کلان نبود.

استاد شیخ احمد برادر بابا حاجی و مولانا جنید و استاد حسام الدین غذاره[4] گر و مولانا ولی این جمله استادان ماهر اند و بر یکدیگر چندان رجحان ندارند.

ملا یوسف

شاگرد بهزاد است بغایت تیز دست. آنچه این استادان یک ماه می کنند وی در ده روز می کند اما لطف قلم وی مقدار این استادان نیست تذهیب او بهتر از تصویر ویست.

مولانا درویش محمد

که استاد فقیر است شاگرد شاه مظفر است، در باریکی قلم مثل ندارد بلکه از شاه مظفر نیز گذرانیده. اما چندان اندام و پختگی و ملاحت ندارد. گرفت و گیرها بسیار خام می سازد. وی صورت سواری ساخته است شیری را بر سر نیزه برداشته است مجموع آن در ته یک برنج می ماند.

---

[1] ب کا: ونیم (بجای نیم)
[2] کا: خط
[3] کا: مانند
[4] تو: عذاره، غَدّاره پیکان پهن بزرگ شکاری را گویند (برهان)

نقاش بسیار است اما آنچه استادند و سرآمد این جماعت اند که ذکر رفت ؞

ومنهم المذهّبون

باریؔ[1] در تذهیب استاد است، از تذهیب وی تحریر وی بهتر و شاگرد ملا ولی است از وی گذرانیده[2]، و مولانای محمود تذهیب از یاری بهتر کرده است و بغایت[3] نازک[4] کرده است دیباچه بهای مرزا سلطان حسین تیّار کرده است و ناتمام مانده در انجا بهفت سال کرده است چنان باریک ساخته است که در مفاصل بند رومی که شاید مقدار نیم نخود ا بوده باشد ص ۲ م ۳۵
در انجا یک پاهه[5] زرد[6] زر ساخته دکه[7]، پنجاه برگ اسلیمی شمرده شده است باشد[8] که همه را گذارده دست آن کرده[9].

در آن زمان مذهّبان بسیار بودند اما استاد این دو کس اند که ذکر یافته ؞

---

[1] آ: نهم

[2] ب میں یہاں باری بعد میں یاری، گا: روبیٹین، یاری: بیز رکّ به لطائف نامه ص ۲۰۰ که ترجمه یاری را مفصل تر آورده است

[3] آ: وی، تصحیح از روی گا روبیٹین، [4] ب: نازکی

[5] در ب یارد [6] ب: بنیاد [7] آ: یکماه زرد، گا: یک یک ماه زرد [8] از روی گا

[9] آ: باشد که همه را گذارده و نشست ثان کرده گا: که همه را گذارده دشت بآن کرده، ب: مثل متن

[10] آ: نقابت، تصحیح از روی ب و گا.

ومنہم المغنّیون

حافظ بصیر است باتفاق مثل وی پیش از وی نبوده است چنان استماع افتاده است که در فصل بهاری در باغچہ شعر می خوانده بطور مثل بلبل و فاختہ و صعوه بر گرد او جمع شده اند و در سر کتف او نشستہ ؛

حافظ حسن علی

شاگرد وی است آواز زیری داشت در غایت لطافت پُر ترکیب و پُر تحریر می خواند ؛

خواجہ عبد اللہ مروارید

اگرچہ از روی مولویت در سلک تذکرۂ موالی مذکور می شد و در شعر در جنب بنّائی و اہلی و در تعلیق سر دفتر میرحی و ملا درویش و در نسخ تعلیق بعد از سلطان محمد نور وی را می بایست نوشت دران فنون بی بدل بود اما در قانون عدیل ندارد ۔ گرفت اختراع وییست قانون در قدیم سازی نبوده است که باوجود ساز ہای دیگر طبع را بوی میل شود زیرا کہ سازی است در غایت خشکی امّا وی ماچنان ساختہ است کہ باوجودِ قانون خواجہ عبد اللہ ساز دیگر را طبیعت رغبت نمی نماید ۔ چون وی درین فن استاد است و از جملہ

فضیلت وی این راجح است فلاجرم سردفتر این طایفه شده است.

استاد سید احمد غجکی و مطهر عودی ماهران اند اما استاد قل محمد هر دو را از هر دو گذرانیده است و پیش رو[1] ها عربی نظیر دارد ؛

استاد حیدر شاه بلبانی[2] (؟)

وی نیز در فن خود استاذ است، آن نوع که پیش از وی مثل وی نبوده است ؛

استاد شیخی نائی

است که جمیع سازها را از جمیع استادان بهتر[3] نواخته است. چون نی فن وی است بآن مشهور شده است. و هم چنین اهل فضل و صُنّاع و محترفه والا[4] نظران و بی عدیلان[5] بوده اند که شرح تمامی ایشان تعبیر ظاهر دارد تمامی اهل فضل و هنر که در خراسان بودند همه تربیت و بسعی میر علی شیر بوده است ؛

---

[1] ب : محمد کامثل نمی　[2] آ : پیش رویها

[3] ب : بلیانی

[4] آ : شر، تصحیح از روی ب و کا

[5] ب : لانظیران و لا عدیلان

خط و خطّاطان

ذیل میں چند اہم اقتباسات مع تکملہ خط اور خطاطوں کے متعلق درج کئے جاتے ہیں:۔

اقتباس از رسالہ خط و سواد

مصنفہ مجنون بن محمود الرفیقی

ذیل کا مختصر سا اقتباس رسالہ خط و سواد سے لیا گیا ہے،[1] جو دسویں صدی ہجری میں (۹۰۹ھ کے بعد) مرتب ہوا۔

اس رسالہ کے باب دویم میں مصنف نے استادان و مخترعان خطوط کا حال لکھا ہے جو اپنی قدامت کی وجہ سے بہت دلچسپ ہے، مصنف نے اس میں اپنا نام "مجنون بن محمود الرفیقی" لکھا ہے اور اپنی نسبت یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے:

چون کاتب[2] مکتوب حقیقی (؟)، مجنون بن محمود الرفیقی..... ابدا[3] بمقتضی الولد الحرّ یقلد باباءه. الغرّ* از اوان[4] طفولیت تا زمان

---

[1] دیکھو ص حاشیہ
[2] فقط در نسخہ موزۂ برطانیہ (= آ) دارد
[3] در آ "نقید" و "المعز" نوشتہ است بجای "یقلد" و "الغرّ" تصحیح قیاسی است، در نسخۂ کہ من دارم (= ب) بجای عبارت تمن فقط" اصلح اللہ شانہ" نوشتہ است نیز رک بہ ص ۱۲ س ۹۔
[4] آ: از اول نہ، تصحیح از روی ب

کمولیت در تحصیل علم [ورق ۲۰] خط و تکمیل اعداد شتافت[1] [سیاقت؟]
و سعادت خدمت استادان ماهر و خطاطان نادر دریافت از هر
خرمنی خوشهٔ و از هر انجمنی توشهٔ بر می داشت امّا چون از نقصان
قابلیت دران صنعت لطیف و ازان علم شریف مقصودش حاصل
نگشت و ازان ممرّ دزی نگشود [؟][2] و در پناه ر؟، اختراع مزید
خطوط ابداع نمود که ازان جمله است توامان قد اخترعته اختراعا
خطا غریباً مرکبا من المعکوس و غیر المعکوس مشکلا بشکل الانسان وغیره
و سمّیتُه بالتوامان تقسمه [فقسمته؟] صورتین بمشابهتین المتقابلتین
[متشابهتین متقابلتین] (کذا ممسوخا) برین صورت. بیت

توامان مخترع مجنونست
کز قلم چهره کشائیها کرد

و قبل ازین در قواعد[3] خطوط نسخه رسم الخط نظم کرده بود و
ما یحتاج آن را بنوعی که از استادان شنیده بنظم آورده اگرچه
میل طبع موزون بنظم بیشتر است [امّا[4] مبتدی را یافتن سخن نثر
از نظم پیشتر] بنا برآن در نثر نیز بهمان طریق ورقی چند ساخته شد

---

[1] پ: سیاقت رد در حاشیه متنش و روانگی نوشته.
[2] آنچه محدود است بقلابین از آ افتاده است، از روی پ نوشته شد اما عبارت متن خصوصاً جملات عربیه خیلی اضطراب دارد.
[3] "رسم خط" نام تاریخی رساله رسم الخط است که ازان ۹۰۹ھ حاصل می شود مجنون می گوید
چو از رسم خطش تاریخ دادم ۹۰۹ — ازانش نام رسم الخط نهادم

و سطری چند در قواعد نسخ و تعلیق کرہیچ یکی از استادان پیرامن آن نگشتہ اند پرداختہ آمد تا طالبان صورت خطی را حلی باشد[1] و چون مبتدیان را از سواد آن خلش ہم خط و ہم سواد حاصل بود نام این نسخ خط و سواد مناسب نمود۔

اس عبارت کو "اقتباسات تحفہ سامی" (اسی کتاب کے صفحہ سے ملا کر دیکھیے[2] تو معلوم ہوتا ہے کہ "تحفہ سامی"[3] کا "مولانا

---

[1] ب : او را صورت خطی حاصل باشد۔

[2] ب : از سواد الخلش ہم خط سواد و ہم سواد خط حاصل شود نام این نسخہ سوالخط مناسب نمود۔

[3] "تحفہ سامی" ۹۵۷ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس سے پہلے میر علی شیر نے ۸۹۶ھ میں مجالس النفائس لکھی اور مجنون کا ترجمہ احوال اس میں دیا۔ اس ترکی متن کا فارسی ترجمہ فخری نے یوں کیا ہے :۔
"از مشہد است و طبعش در غایت شوخیست، و چپ نویس و خوشخط مثل او کم بودہ بلکہ نبودہ، دانش نیز مقبول افتادہ، این مطلع از وست :

بوخط میردم و زار زار می گریم ۔ بدین بہانہ ز ہجران یار میگریم (لطائف نامہ ص۱۳۶)

میر علی کاتب کا ترجمہ مجالس النفائس میں اگر ہے تو نمایاں صورت میں درج نہیں ہوا۔ لطائف نامہ ص۶۱ پر جہاں مولانا شیر علی لکھا وہاں میرے قلمی نسخہ میں مولانا میر علی ہے مگر مجالس النفائس کے دو نسخے جو میرے پاس ہیں دونوں میں مولانا شیر علی ہے، انہی ترکی نسخوں میں مجلس سوم کے آخر میں مولانا ذاتی (دیکھو لطائف ص ۱۵۲) کے بعد دو ترجمے اور ہیں۔ ایک میر علی کا اور ایک پہلوان کاتب کا۔ اس میر علی کی نسبت فقط یہ لکھا ہے کہ وہ مولانا جامی کے مدرسہ میں تھا اور ان کے ملازم کی سی حیثیت رکھتا تھا پھر یہ مطلع اس کا دیا ہے:

مرا بی سرو قدش باشد اے دل ۔ بجان ہر لحظہ تیر ہجر حاصل

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

مجنون چپ نویس، یہی شخص ہے، تحفہ سامی میں ہے کہ

مولانا مجنون چپ نویس از خوش طبعان ہرات است و در خط چپ بی بدل عالم بود و خط دیگر اختراع کردہ بود کہ او را توامان نام نہادہ ...... منہ

توامان مخترع مجنون است الخ

اس کے بعد سام میرزا نے لکھا ہے کہ "رسالۂ نظمی باسم من در بحر لیلی و مجنون بسلک تحریر آوردہ بود و در قواعد خطی و تعریف چگونگی قلم و سیاہی و رنگ کردن کاغذ و ما یتعلق بہا"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶: یہ بھی غالباً کوئی اور میر علی ہے۔ بہرحال چونکہ میر علی کاتب ۹۵۰ھ کے قریب فوت ہوتا ہے اور مجالس النفائس اس کے مرنے سے تقریباً ۵۰ سال پہلے کی تصنیف ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ میر علی کو اس وقت کوئی نمایاں اور قابل ذکر حیثیت حاصل نہ ہو۔ ہاں تاریخ رشیدی (تصنیف ۹۵۳ھ) میں میر علی کا مجمل سا ذکر آیا ہے (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۶۵) اس میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ زین الدین محمود کا شاگرد ہے۔ بہت صاف اور محکم لکھتا ہے۔ خفی، جلی سے بہتر لکھتا ہے اور کتابہ قطعہ سے بہتر۔ جلی بے تناسب و بے مزہ لکھتا ہے۔ تحریر اس کی ملیح نہیں مگر قوت میں بے مثل ہے۔ اس میں اس کی شاعری اور تخلص کا کوئی ذکر نہیں۔

خلاصۃ التواریخ (۹) جو ۹۵۰ھ کے بعد کی تصنیف ہے اور اس سے ایک اقتباس آگے آتا ہے اس رائے کے برعکس اس کے جلی اور اوسط کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ مگر ناخن قبہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی

پھر اس رسالہ میں سے یہ شعر دیا ہے ؎

رنگی کہ صفای خط ازانست
از آب حنا و زعفران است

اس کے بعد ذیل کے دو مطلع دیئے ہیں:

مطلع غزل ؎

(۱) بے وفا بودی ز اوّل من ترا نشناختم
حیف اوقاتی کہ در عشق تو ضایع ساختم

مطلع قصیدہ ؎

(۲) فیروزۂ سپہر در انگشترین تست
روی زمین تمام بزیر نگین تست

یہ یاد رہنا چاہیے کہ سام میرزا نے مجنون کا ذکر ذیل صحیفۂ سوم میں کیا ہے۔ جس میں سادات کا ذکر نہیں ہے۔ سادات کا ذکر اس نے صحیفۂ دوم کے صفحۂ اول میں کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ مجنون بن محمود رفیقی سید نہ تھا۔ چونکہ یہی مصنّف سادات کی ذیل میں (صحیفہ دوم میں) میر علی کاتب کا ترجمہ الگ دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ میر علی کاتب سیّد تھا اور وہ مجنون بن محمود رفیقی کے سوا اور کوئی شخص ہے۔ میر علی کے ترجمہ کا متن یہ ہے:

اصلؔ آو از سادات ہرات است در مشہد رضویہ نشو و نما

لہ اقتباسات تحفہ سامی اسی کتاب کے مقالہ اول میں دیکھئے۔

یافتہ در خدمت مولانا سلطان علی مشق خط نستعلیق می کرد ۔ فی الواقع کہ بعد از مولانای مذکور خط نستعلیق را کسی بہ ازو نوشت در شہور سن ۹۳۵ھ بواسطہ انقلاب خراسان بماوراء النہر افتاد می گویند کہ دران وقت در باصرہ آنش ضعفی بہیدا شدہ بدین واسطہ خللش تنزل کردہ. طبعش در نظم اشعار ملایمت تمام دارد

اس کے بعد اس کا معما باسم مہدی دیا ہے یعنی ؎

خوش آنکہ بعشق مبتلا گردیدہ
بیگانہ ز خویش و آشنا گردیدہ

اس سے کچھ شک باقی نہیں رہتا کہ مجنون بن محمود رفیقی اور شخص ہے اور میر علی کاتب اور۔ مگر مولانا غلام محمد صاحب "تذکرۂ خوش نویسان" (متوفی در حدود ۱۲۳۹ھ) نے یہ مانتے ہوئے کہ میر علی سادات ہرات سے ہے اسی کو مجنون بن محمود رفیقی بنا دیا ہے۔ اور ان دو اشخاص کے تراجم کو مخلوط کر دیا ہے۔ جس سے ایک گونہ اشتباہ ریو کو بھی پیدا ہوا۔ گو ریو (فہرست مخطوطات فارسیہ ص۵۳۱) نے بھی اپنے قارئین کو اسی امر کی طرف متوجہ کیا کہ حبیب السیر (تالیف ۹۳۰ھ) میں ان دو آدمیوں کے تراجم علیحدہ علیحدہ منعقد کئے گئے ہیں۔ حبیب السیر میں ان تراجم کی صورت یہ ہے:

مولانا مجنون ولد مولانا کمال الدین محمود رفیقی است کہ بحسن خط و لطف طبع اتصاف داشت و مولانا مجنون بغایت

درویش وش و فانی مشربست و اشعارش سلیس و ہموارہ اتفاق می افتد۔ اس کے بعد دو مطلع دیئے ہیں جو تحفہ سامی سے ہم نے ص ، پر نقل کر دیئے ہیں، حبیب السیر ۳ : ۳ : ۲۵۰ :
میرعلی بسیادت مشہور است و در خط نستعلیق سرآمد خوشنویسان نزدیک و دور طبعش بنظم اشعار ملایمت تمام دارد و احیاناً ابیات و معمیات بر صحیفۂ روزگار می نگارد ۔ اس کے بعد مہدی والا معما دیا ہے جس کا ذکر ص ۱۳۹ میں آ چکا ہے ۔ اور جو مجالس النفائس میں مولانا محمود کے نام سے درج ہے۔ دیکھو لطایف نامہ ص ۲۴۴؛
و این مطلع و رباعی کہ منبی است از صنعت اظہار المضمر و مبنی است بر مدح مربی اہل فضل و ہنر نتیجہ طبع اوست کہ مطلع ـــ

دلا بگو غم و درد دم اگر بیابی راہ
بہ پیش آصف علی گہر حبیب اللہ

صفت این مطلع آنست کہ سر ہر حرف را از حروفی کہ در مطلع مندرجست چون در ضمیر نگاہ دارند و باصطلاحی کہ متعارف ست عمل نمودہ بمصراعی کہ در آخر نوشتہ شد رجوع کنند بوضوح بپیوندد کہ حرف مضمر کدام است

رباعی

ای ذات توفیض بخش با اہل طلب — وز حسن تو گردیدہ فزون ذوق و طرب
تو معدن ملک جوی و دیدہ نہند — صاحب جاہان بیابت از عین ادب

ع شرف ملک و صاحب سعدی (حبیب السیر ۳: ۴: ۱۱۸ء)

غرض صاحب حبیب السیر کے بیانات بھی ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتے ہیں جس پر سام میرزا نے ہمیں پہنچایا تھا۔ یعنی یہ کہ مجنون بن محمود رفیقی، میرعلی کاتب سے علیحدہ شخص ہے۔

مجالس المومنین (تصنیف ۱۰۱۰ھ) طبع تہران ۱۲۹۹ھ ص ۴۵۰ پر ملا میرعلی کا حال دیا ہے۔ اس میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس کا تخلص مجنون تھا یا یہ کہ وہ مجنون رفیقی ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

ملا میرعلی مشہدی نزد ملا زین الدین محمود کاتب و ملا سلطان علی مشق می کرد و چون خط او بکمال رسید با مولانا سلطان علی در مقام دعوی شد و اہل عصر جانب مولانا گرفتند و آخر او سہ قطعہ از ملا سلطان علی گرفتہ تقلید فرمود و با قطعہای مولانا پیش آورد مولانا متحیر شد کہ آیا خط او کدام است و بعد از تامل بسیار خط میرعلی را برداشت۔

اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ملا میرعلی اور اور فضلای ہرات کو عبید خان اوزبک پکڑ کر بخارا لے گیا اور آخر عمر تک وہ وہیں رہا۔ اور گو خان اور اس کی اولاد نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ مگر وہ فطری طور پر غریب الوطنی کی شکایت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ بھی اس باب میں اس نے کہا قطعہ

عمری از مشق دو تا بود و قدم ہمچون چنگ الخ

[یہ قطعہ اقتباس مرآۃ العالم میں دیکھو] از جملہ شاگردان او میر سید احمدی (کذا) و خواجہ محمود سیاوشانیست و خواجہ محمود از عنفوان جوانی و سادہ روئی در خدمت ملا میرعلی بود وقتی ملا ازو رنجیدہ این قطعہ را گفت **قطعہ**

خواجہ محمود اگرچہ یک چندی الخ

[دیکھو اقتباس خلاصۃ التواریخ ص متعلقہ]

قبر ملا در فتح آباد بخارا در جوار مزار شیخ سیف الدین باخرزی کہ او را شیخ العالم گویند واقع است و ملا را فرزندان ہستند کہ درانجا نشو و نما یافتہ و آخر بہند افتادند و ہمگی عقیدۂ فاسدۂ اہل بخارا دارند فاعتبروا یا اولی الابصار

اس ساری عبارت میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس کو مجنون بن محمود رفیقی ثابت کرتی ہو۔ البتہ قطعۂ اول کے آخر میں یہ شعر ہے:

لہ مگر عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ پر اس کو میر سید احمد مشہدی لکھا ہے۔

لہ یعنی محمود شہابی یا محمود بن اسحاق سیاوشانی ۔ دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۴ء ص ۱۲۶ و عالم آرای ص ۱۲۴

لہ غالباً انہی میں سے ایک محمد باقر ہے جس کو آئین اکبری میں عہد اکبری کے مشہور خطاطوں میں شمار کیا گیا ہے (دیکھو بلاخمن ص ۱۰۳) اور ایک میرزا باقی ۔ دیکھو مآثر رحیمی (۳ : ۱۶۸۱) و فہرست بانکی پور ج ۳ نمبر ۹۳۔ یہ بھی شک پڑتا ہے کہ باقر اور باقی ایک ہی ہوں۔

زین بلا بر سرم از بہر خط آمد امروز
کز خطم سلسلۂ پای من مجنون شد

عجب نہیں کہ اسی شعر سے بعض لوگوں کو خیال ہوا ہو کہ میر علی کا تخلص مجنون تھا یعنی وہ مجنون بن محمود رفیقی کا بیٹا تھا۔

تحفۂ سامی اور حبیب السیر کی صریح شہادت کے ہوتے ہوئے اس کو محمود کا بیٹا سمجھنا ممکن نہیں بخلاف اس کے یہ ممکن ہے کہ مجنون کا لفظ صرف استعارةً اس شعر میں استعمال ہوا ہے اور غایة یہ کہ میر علی کا تخلص بھی مجنون بن محمود رفیقی کی طرح مجنون تھا۔ گر اس کے ثبوت کے لئے اور ماخذ سے بھی اس کی تائید ہونی چاہیئے جو بالفعل موجود نہیں۔

صاحب عالم آرای عباسی (تصنیف ۱۰۳۸ھ) نے ص ۱۲۵ پر میر صدر الدین محمد کے ترجمہ میں میر علی کا استطرا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "او اعتقاد بخط مولانا سلطان علی بیشتر از مولانا میر علی داشت و تتبع او بیشتر از دیگران کردہ بود دریں مقام در بابِ حسن خط این دو نادرۂ زمان شرحی بنظر رسیدہ بود ثبت افتاد۔ گویند کہ میر علی دریں فن ترقی عظیم کردہ بلند آوازہ گردید۔ بارہا مولانا سلطان علی دعوی کرد و ارباب تمیز جانب مولانا سلطان علی می گرفتند [اس کے بعد وہی قصہ دیا ہے۔ جو ہم نے مجالس المؤمنین کے حوالہ سے اوپر[1] نقل کیا ہے] ان سطور میں اسکندر منشی

[1] حاشیہ صفحہ ۱۶۲ پر دیکھیں۔

نے بھی کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے میر علی اور مجنون رفیقی کا ایک ہونا ثابت ہو۔

صاحب مرآۃ العالم (تصنیف ۱۰۷۸ھ) نے میر علی کا جو حال دیا ہے وہ آگے آتا ہے۔ اس میں بھی کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جو مندرجہ بالا نتیجہ سے تناقض رکھتی ہو بجز اس قطعہ کے جس کے آخر میں لفظ 'مجنون' آتا ہے اور جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ بجز صاحبِ تذکرۂ خوشنویسان کے اور کسی نے میر علی کاتب ہروی کو مجنون بن محمود رفیقی قرار نہیں دیا اور سام میرزا اور صاحب حبیب السیر جو ان دونوں کے ساتھ معاصر ہیں۔ صراحتہً ان کو دو شخص قرار دے رہے ہیں۔ اس بحث کے بعد ہم مجنون کے کچھ مزید حالات

حاشیہ صفحہ ۱۶۳: دیکھو ص ۹، تذکرۂ خوشنویسان ص ۴۴ س ۵ پر مصنف نے جس میر علی ہروی کا ذکر کیا ہے۔ وہ بظاہر میر علی کاتب ہروی ہی ہے۔ اس کا علٰحدہ ذکر مصنّف نے اس لیے کیا کہ وہ مجنون اور میر علی کاتب کو ایک قرار دے رہا ہے۔ غرض یہ دو آدمی ہیں تین نہیں ہیں۔

حاشیہ صفحہ ۱۶۴: لے یہاں تک لکھ چکنے کے بعد وہ سطور نظر پڑیں جو ہمارے فاضل دوست مولوی محفوظ الحق نے مسلم ریویو ج ۲ نمبر ۲ ص ۶ پر ملا میر علی کے متعلق لکھی ہیں۔ ان کے بعض نتائج سے ہم کو اتفاق نہیں مگر اکثر باتیں انہوں نے خوب لکھی ہیں اور ان کی تلاش قابل داد ہے۔

درج کرتے ہیں۔

ہم نے اوپر مجنون کے رسالہ "خط و سواد" سے وہ عبارت نقل کی ہے۔ جس میں وہ اپنے منظوم رسالہ "رسم الخط" کا ذکر کرتا ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں اس نے کہا ہے کہ اس میں چار سو سے زیادہ اشعار ہیں جو اس نے قریباً ایک مہینے میں نظم کئے۔ رسالہ کے ابتدا میں وہ ہم کو بتاتا ہے کہ اس نے کتابت کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ اس کے اپنے الفاظ برٹش میوزیم کے نسخہ سے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ "سبب نظم کتاب و باعث ترتیب این الواب" کے عنوان کی ذیل میں وہ لکھتا ہے:

بخط و شعر میلم بیشتر بود	که این فضلم ز میراثِ پدر بود
ہو الواثق معبود الحقیقی	که نامی شد بمحمود الرفیقی
گہی چون صیرفی[1] درخورده دانی	گہی چون عارفی[2] در نکته دانی
سه کس را حق بود بر آدمی زاد	یکی پیر و دوم آب سوم استاد
مرا ز اول درین دیرینه مکتب	ہم استاداست ہم پیراست، ہم اب
زعلم خط بسی تعلیم چوں گنج	بخاطر بود ز استاد گہر سنج
گہر پردازد دُر ہای معانی	بحسن خط شده یاقوت ثانی
بلنبخ اہل خط ہنگام تحریر	قلمدانش چو قندیلِ[3] پُر تیر

[1] دیکھو فہرست ریو ص۵۳۱ [2] خواجہ عبداللہ صیرفی کاتب مشہور و شاعر
[3] دیکھ یہ لطایف نامہ ص ۱۴ [4] قندیل تیر جیزی میان تہی کہ تیرہا دران نگاه دارند (بہار عجم)

چو از بہر کتابت خامہ سر کرد　　　خط یاقوت را زیر و زبر کرد
ز لفظش[1] نکتہا بس می شنیدم　　　چو خود را قابل حفظش ندیدم
ز بیم آنکہ این عقد جواہر　　　بریزد ناگہم از دُرج خاطر
بنظم این جواہر عقد بستم　　　بر نمش یتمت خود جزم کردم......
چو از رسم خطیش تاریخ دادم　　　ازانش نام رسم الخط نہادم
چو مضراب قلم را باز کردم　　　بگونا گون نواہا ساز کردم
بچنگم کاغذ از مسطر کشیدہ　　　چو قانون آہ رو، افغان بر کشیدہ
چو[2] آن ساز و نوا از وی شنیدم　　　برسم تحفہ پیش شہ کشیدم
تمامش ساختم بر نام شاہی　　　کہ قدرش راست گردوں پایہ گاہی......
قضا روزی کہ ایجاد قلم کرد　　　بنامش نامۂ شاہی رقم کرد
بصورت لالۂ باغی الٰہی　　　بسیرت گوہر دریای شاہی
ز مہر مرحمت تابان و انور　　　سپہر سلطنت سلطان مظفر
برای نسخ شاہان کاتب غیب　　　نوشتش چون خط بی نقطۂ عیب......
نہال تازہ از باغ جوانی　　　گلی از گلبن چنگیز خانی
ز بستانِ کرم آزادہ سروی　　　ز گلزار ارم رعنا تذروی
ز شاہی بر سر اخوان مظفر　　　ز مجموع آمدہ چون تاج بر سر......
گل بستان دولت را گلابی　　　سپہر سلطنت را آفتابی......

---

[1] اصل: نقطش

[2] ممکن ہے کہ مجنون نے رسالہ ۹۰۹ھ میں مرتب کر لیا ہو پھر ۹۱۱ھ کے بعد یہ شعر اس میں بڑھا کر اس کو مظفر کے نام پر معنون کیا ہو۔

چو عاجز گشتم از مدح و ثنایش سخن را ختم کردم بر دعایش
خداوندا بذات بی مثالت بحق و حرمت[1] جاه و جلالت
که دارش بر فراز تخت شاہی
که گیرد از سفیدی تا سیاہی

یہ مظفر جس کے نام پر مجنون نے رسالہ رسم الخط کو تمام کیا ابو المنصور مظفر حسین میرزا کورگان بن ابی الغازی سلطان حسین میرزا ہے جو باپ کے مرنے کے بعد اواخر ذی حجہ ۹۱۱ ھ میں اپنے بڑے بھائی سلطان بدیع الزمان کی مشارکت سے ہرات میں تخت نشین ہوا اور ۹۱۳ھ میں فوت ہوا(حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵۱ و ۳۵۶)

راقم حروف کے پاس ایک مختصر سا منثور رسالہ[2] ناز و نیاز ہے۔ جس کا مصنف "مجنون رفیقی" ہے۔ یعنی یہی مجنون بن محمود رفیقی۔ اس رسالہ کے دیباچہ میں مصنف کہتا ہے:

پوشیدہ نماند کہ سوزش و شورش عشق را مرتبۂ بسیار است و بہترین مراتب آنست کہ عاشق بمعشوق رقعۂ نیاز نویسد و

---

[1] اصل : حرمت

[2] ریو نے تذکرہ خوش نویساں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ رسالہ شاہزادہ سلطان مظفر کے لئے نظم ہُوا مگر اس شاہزادے کی تعیین نہ صاحب تذکرہ نے کی ہے نہ ریو نے نیز دیکھو حاشیہ ۲ ص ۱۴۸

[3] اوراق ۱۴ تقطیع ½۷ × ۵ قریباً سطور ۱۵۔ یہ رسالہ ۱۰ باب اور خاتمہ میں منقسم ہے۔

معشوق عاشق نواز بعاشق نامهٔ فرستد بنا بران مکتوب چند انشاء کرده شد از زبان معشوق و عاشق که عاشقان را بکار آید و معشوقان را فرحت افزاید ...... چون مشتمل بر ناز معشوق و نیاز عاشق بود نامش **ناز و نیاز** نهادن لائق نمود امید آنست و مقصود چنان که در عین عنایت شهریار زمان و کامگار دوران نور حدیقهٔ شهریاری نُور حدقهٔ جهانداری [کہ] بلبل زبان در قفس دہان بتعریف جمالش بدین نغمه می سراید و قمری جان بر شاخسار[1] بیان بدین ترانہ ترنم می نماید ؎

گلِ بستان دولت را گلابی سپہر سلطنت را آفتابی
بہارِ تازہ از باغ جوانی گلی از گلبن چنگیز خانی

المظفر من عند اللہ المنان ابو المنصور سلطان[2] حسین کورگان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ مقبول و مطبوع نماید۔

غرض یہ کہ رسالہ **رسم الخط** اور **ناز و نیاز** دونوں مجنون رفیقی نے سلطان حسین میرزا کے بیٹے مظفر کے نام پر مرتب کئے۔ فخری مترجم مجالس النفائس ترکی نے اپنی کتاب تحفۃ الحبیب میں دو غزلیں مجنون رفیقی کی دی ہیں چونکہ یہ کتاب بہت کمیاب ہے۔ اس لئے ہم ان غزلوں کو یہاں درج کرتے ہیں۔ پہلی غزل کا مطلع مجالس النفائس میں بھی دیا ہے اور

---

[1] ان اشعار کے لئے دیکھو ص ۱۴۶۔

[2] در تذکرہ خوشنویسان ص ۸، قاتش محمد حسین مظفر بادشاہ است و بر ص ۵۲ "شاہزادہ سلطان مظفر"

اس ساری غزل کو صاحب بوستان خیال نے بھی نقل کیا ہے۔

غزل اول

مولانا مجنون رفیقی گوید

بوعظ میروم و زار زار می گریم
بدین بہانہ ز ہجران یار می گریم
برای آنکہ نداند کسی کہ از غم اوست
فغان کنان بسر ہر مزار می گریم
بود کہ خلق نداننند گریہای مرا
نہان ہمیشہ بشب ہای تار می گریم
غم غریبی خود را بہانہ می سازم
بدین بہانہ دمی آشکار می گریم
چو رعد می کنم افغان چو برق می سوزم
بآہ و نالہ چو ابر بہار می گریم
ز دست خلق چو مجنون ہمی روم از شہر
بدست و دامن ہر کوہسار می گریم

فخری نے اس کے بعد مولانا جلالی رفیقی کی غزل اسی زمین میں درج کی ہے اور کتاب میں دو تین غزلیں اس کی اور

لہ بوستان خیال : تہ بیند
ٹہ بوستان خیال : ازان
تہ از روی بوستان خیال

بھی دی ہیں۔ بظاہر یہ جلالی مجنون کا بھائی تھا۔
مجنون کی دوسری غزل یہ ہے:

مولانا مجنون رفیقی گوید

ہر کجا قصۂ آن ابروی پُر خم گذرد
جای آنست کہ ذکرِ من نو کم گذرد
تیرت از سینہ گذر کرد وسنان تیز کنی
ہرچہ کردی بگذشت آنچہ کنی ہم گذرد
اگر از ہم گذری نیست رقیبان ترا
صبر دارم کہ ہمہ از ہم گذرد
میرم از غم کہ گردید رخِ خوب ترا
ہر کہ از کوی تو با خاطرِ خرم گذرد
جانبِ اہل وفا میگذرد یار بسی
سوی مجنون ستم دیدہ ولی کم گذرد

اب ہم رسالہ خط و سواد کے باب دوم کا متن درج ذیل کرتے ہیں اور اس لمبی تمہید کے لئے قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہیں۔

چند باتیں اس مصنف کے متعلق حل طلب تھیں اور ان کا طے کرنا ضروری تھا۔

متن ذیل برٹش میوزیم کے اس نسخہ پر مبنی ہے جس کا نمبر Add 26139 ہے۔ اور جس کا حال فہرست ریو ص ۵۲۱ پر موجود ہے۔ مقابلہ کے لیے میرا ذاتی نسخہ استعمال ہیں

ہے جس پر تاریخ کتابت درج نہیں۔

صفحاتِ آیندہ کے حواشی میں '۲۹' سے مراد ہے محکمہ آثار قدیمہ کی یادداشت نمبر ۲۹ مرتبہ خان صاحب مولوی ظفرحسن صاحب مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۶ء۔

رسالہ خط و سواد

باب دویم در ذکر استادان و مخترعان و مرتبۂ ایشان

بدانکہ قدوۃ الاستاذین ابن مقلہ علیہ الرحمۃ و الرضوان مخترع شش قلم است چنانچہ مذکور شد و زبدۃ الکاتبین ابن بوّاب علیہ الرحمۃ و الغفران شاگرد وِیست۔ و قبلۃ الکتاب خواجہ جمال الدین **یاقوت** علیہ الرحمۃ شاگرد ابن بوّاب ست اما پر از ہر دو نوشت و اصول ابن مقلہ را نمود و صاف تر ازو نوشت۔

نقل است کہ قلم ابن مقلہ و ابن بوّاب ہر دو جزم[1] بودہ

---

[1] ب: جرم و در بین السطور منبش 'بےنوک' نوشتہ است اما جزم ضد محرف است چنانکہ درین بیت

مجنون سہ : جزم دنی محرف باشدش قط ولی خیر الامور افتاد اوسط

درسالہ نیم الخط ورق ۶، نیز رک بہ لین د ۸ N ہ LA ، بذیل جزم

اما خواجه یاقوت شاه[1] مردان کرم الله وجهه را* در خواب دید که فرمودند قلم را محرّف کن[2] و محرف* قط بزن چون[3] چنان کرد خط او صاف تر شد. و خط او[4] (که) بر خط ابن مقله ترجیح می نهند نه از جهت اصول است بلکه از حیثیت صفات* [صفاء] است وگرنه در اصول هر دو برابر اند. و خواجه ارغون رضوان الله علیه شاگرد خواجه یاقوت است گاهی[5] چنان* تقلید او کرده که مردم فرق نکردند[6] و خواجه[7] عبدالله* صیرفی طیب[8] الله مرقده صاف تر از خواجه یاقوت نوشت اما در اصول با او[9]* نرسید اما مولانا (و) استاذنا[10] (و) مخدومنا المسمی بعبد الله الهروی المشتهر[11] بطبّاخ* طاب الله ثراه و[12] جعل الجنة مثواه* اصول خواجه یاقوت را[13] با صفای خط خواجه عبد الله صیرفی جمع کرده نسخ ایشان را بسیاری از استادان بر نسخ خواجه یاقوت* ترجیح کرده اند. اما خط تعلیق را خواجه[14] تاج السلمانی علیه

---

۱ آ: شاه مردان را کرم... را - ب: شاه ولایت را ۲ در ب ندارد

۳ ب: یا یدان ۴ ب: اوراکه....کنند.... از جهت صافی

۵ ب: آنچنان ۶ ب: نکرده اند

۷ ب: وچون ۸ ب: عبیدالله ۹ ب: اصل

۱۰ کلمهٔ استاذنا را از روی ادب گفته است نه از روی حقیقت ازان روی که طباخ زیاده از صد سال پیش این مصنف فوت شده بود رک به ص ۲۵ ۱۱ ب: المشهور بالاشهر

۱۲ در ب ندارد ع رک به تاریخ گزیده ص ۳۳۸ بذیل واقعات ۷۸۸ه و ذکر آل مظفر

الحیۃ اختراع نموده و ہیچ مخترعی خط مخترع خود را به ازو نوشته.

و مولانا عبدالحی نوّر مرقده روشی دیگر نوشت و تا اکنون به ازو[1] پیدا نه شده.

و خواجه میر علی تبریزی انار الله برهانه خط نسخ و[1] تعلیق را اختراع نموده.

و مولانا جعفر قدس سره به ازو نوشت. لیکن[2] مولانا اظهر رضی الله عنه در برابر مولانا جعفر حکم مولانا عبد الله صیرفی دارد نسبت بخواجه* یاقوت[3] [یعنی] اگرچه صاف تر از مولانا جعفر [۲۴ و] نوشته اما در اصول به[4] او* نرسیده.

اما حضرت مخدومنا و استاذنا المشتهر بسلطان علی المشهدی[5] سلمه الله و ابقاه و منّ الله علینا* بشرف بقائه و[6]* بقاء شرفه الی یوم [الدین] در برابر[7] ایشان حکم مولانا عبد الله طباخ[8] دارد نسبت بخواجه* یاقوت و خواجه عبد الله صیرفی یعنی ہم اصول مولانا جعفر را نموده و ہم صافی خواجه عبد الله صیرفی را.

---

[1] ب: از روی دیگری [2] در ب ندارد

[3] ب: اما..... اظهر رحمة الله علیه در برابر مولانا اظهر..... نسبت خواجه در آورده بجای دارد

[4] از روی ب

[5] ب: مشهدی علیه الرحمة [6] از روی ب

[7] ب: بر

[8] آ: طباخ داده الخ ب: نیز دارد و بخواجه

اقتباس از خلاصۃ التواریخ

آغاز و انجام خط اصل

پروفیسر شیرانی کے کتاب خانہ میں تاریخ عمومی پر ایک فارسی کتاب ہے۔ جو شروع اور آخر سے ناقص ہے۔ ورق داغ سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کے سات ورق موجود نہیں ہیں۔ آخری ورق کا عدد ۱۰۳ ہے۔ تقطیع ۹½ × ۷¼ سطور ۱۷۔ خط نستعلیق۔ کتاب پر مصنّف کا نام اب موجود نہیں ہے۔ مگر شیرانی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے علم کتاب کی پشت پر خلاصۃ التواریخ نام لکھا تھا۔ مجھ کو اس نام کی صرف ایک کتاب معلوم ہے جو سجان رائے کی تصنیف ہے۔ مگر یہ کتاب اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہے۔ فارس برٹش میوزیم اکسفورڈ کیمبرج ایشیاٹک سوسائٹی بنگال وغیرہا کو دیکھا گیا۔ مگر اس کتاب کی تعیین نہیں ہو سکی۔

مصنّف نے بادشاہان آلِ عباس میں سے راضی باللہ کا حال لکھتے ہوے ابن مقلہ کا ذکر کیا ہے اور وہاں پوری فصل آغاز و انجام خط اصل کے عنوان سے دی ہے۔

اس فصل میں قاسم شاہ دلشاد کے متعلق یہ عبارت آئی ہے۔
"قاسم شاہ دلشاد نیز یکی از خوش نویسان عصر است
دتا سن خمسین و تسعمایہ در حیوۃ بودہ ...... و شاگرد
نیک او محمد حسین باخرزیست کہ بزعم بندہ او بہتر از قاسم شاہ
دل شاد نوشتہ ...... شعر او نہایت خوبست وشطرنج
غایبانہ و حاضرانہ کسی بہتر ازو نباخت و کینہ بحد متش رسیدہ
بود الخ

بظاہر مصنف کی وفات دسویں صدی کے نصف آخر میں یا
گیارھویں صدی کے ابتدا میں واقع ہوئی ہوگی۔
اب پہلے اس کتاب کے مضامین کی مفصل فہرست دی
جاتی ہے کہ وہ کسی اور صاحب کو شاید کتاب کی تعیین میں
مدد دے سکے۔ اس کے بعد "آغاز و انجام خط" کی فصل کا متن
درج کیا جاتا ہے۔

فہرست مضامین خلاصۃ التواریخ[1]

[مقدمہ اوّل]

[فصل اوّل]

[ورق]
[ورق ۲۰ ب] فصل دوم۔ ذکر کیانیان [ورق ۳۳ ب] فصل سوم ساسانیان
[۴۴ ب] مقدمہ دویم در ذکر جمعی کہ بعد از ظہور اسلام در

ایران و توران متکفل حکم و فرمان بوده اند و جمعی شرف اسلام در یافته اند و بعضی دیگر بی نصیب و محروم مانده و آن بر چهار قسم است.

قسم اوّل

در ذکر احوال حضرت رسالت پناه صلے اللہ علیہ وسلم و، چهار یار کبار رضی اللہ تعالی عنہ و باقی ائمه معصومین و بعضی از انبیاء مرسل و باقی سلاطین ساسانی و این قسم منحصر بر دو مقاله و یک داستان [است]

مقدمه اوّل در ذکر احوال خلاصۂ دنی، آدم سید ابرار و چهار یار کبار و اولاد و اصحاب اطهار

[۵۰ ؤ] مجمل احوال بعضی از پیغمبران مرسل و غیر مرسل

[۱۱ ؤ] داستان تتمه احوال بعضی از ساسانیان که بعد از ظهور اسلام و بعد از تولد رسول الثقلین......

[۴، ۴]

[قسم دوم]

احوال بنی امیه و بنی عباس و جمعی که در ایام ایشان حکومت کرده اند و کیفیت گرفته (کذا) منحصر بسه مقاله

[۴، ب] مقاله اول در ذکر بنی امیه و تسلط و تغلب آن طایفه

[۸۱ ا] مقالہ دویم در کیفیت احوال بنی عباس و تسلط آن طایفہ
[۹۲ ب] آغاز و انجام خط
[۱۰۱ ب] مقالہ سوم ذکر احوال سلاطین کہ معاصر بنی امیہ
و بنی عباس بودہ اند .... یازدہ طایفہ اند۔
طایفۂ اوّل ۔ طاہریان [۱۰۲ ا] طایفۂ دوم صفّاریان
[۱۰۶ ب] طایفۂ سیوم سامانیان [۱۰۸ ا] طایفۂ چہارم غزنویان
[۱۱۴ ب] طایفۂ پنجم غوریان [۱۱۶ ا] طایفۂ ششم در ذکر آل بویہ.
[۱۲۰ ا] طایفۂ ہفتم سلجوقیان [۱۳۷ ا] طایفۂ ہشتم خوارزم شاہیان
[۱۴۵ ا] طایفۂ نہم اتابکان ۔ این طایفہ بر دو شعبہ اند
شعبۂ اول در فارس
[۱۴۸ ا] شعبہ دویم در عراق و آذربیجان
[۱۴۹ ا] طایفۂ دہم اسمٰعیلیہ [۱۵۱ ا] طایفۂ یازدہم سلاطین
قراختای۔

[۱۵۲ ا]

قسم سیوم

احوال چنگیز خان و اولاد او (و) جمعی دیگر کہ در زمان
او در ہر ملک و مملکت حکومت کردہ اند و شرح حال
سلطان سلاطین آفاق امیر تیمور گورگان و نژاد او و اولاد و
اتباع (او)، و این بر سی (سہ) باب است .....
باب اول ۔ احوال چنگیز خان و اولاد
[۲۲۰ ب] باب دوم در ذکر حال جمعی کہ در ایام اولاد سلاطین

چنگیز خانی [در هر ملک و مملکت حکومت کرده اند و شرح حال.....] امیر تیمور گورگان و شاه رخ بهادر که پنج فصل است

فصل اول چوپانیان [۲۲۲ب]. فصل دویم در احوال ایلکانیان [۲۲۹ب] فصل سویم در ذکر شیخ ابو اسحٰق اینجو و آل منظفر [۲۳۷ب] فصل چهارم در احوال ملوک کرت [۲۳۱ب] فصل پنجم سربداران [۲۴۳ و] باب سیوم. احوال خسرو صاحبقران سلطان زمین و زمان فرمان فرمای دوران شهنشاه گیتی ستان که خدای جهان امیر تیمور کورگان و اولاد و احفاد آن باعث امن و امان تا نهایت حال سلطان باجود و احسان سلطان حسین میرزاء بایقرا و فرزندان بے دولت و سامان ؛

قسم چهارم

[۳۰۰ب] احوال قراقونیلو و آق قونیلو. آن بر دو فصل است

فصل اول : قراقونیلو [ناتمام]

(۹۲ب) آغاز و انجام خط اصل

خطوط[1] از[2] ایام آفرینش الی یومنا دوازده نوع است : عَربی یونانی حمیری فارسی سریانی عبرانی قبطی بربری وندلسی (کذا)، ہندی و صینی۔ حضرت امیر المومنین علی رضؓ خط کوفی پیدا کردند و علامت آن خط آنکه سر الف و سرہای لام کہ از قلم ایشان ۹۲ و بیرون آمده سرہای آن شگاف دارد و بیاضی نازک نمایان۔ کہ ہیچ کس را قدرت آن نیست کہ یکی این چنین بیرون آورد۔ و خط معقلی نیز ازیشانست۔ سلطان[3] علی مشہدی گفتہ :

سند علم خط بحسن عمل — بس بود مرتضی علی ز اوّل
تا آنکه ہم اوست در تمام علوم — علما را بعلم امام علوم
وین ہمه علمها امیر بجلم — کسب فرموده از مدینهٔ علم
غرض مرتضی۔ علی از خط — نه ہمین لفظ و حرف بود و نقط
بل اصول و صفا و خوبی بود — زان اشارت بحسن خط فرمود

---

[1] در ابتدا جملهٔ ممسوخی نوشته است کہ مطابق اصل نقل کرده می شود : من مل الکتاب ابن مقلہ شاید" من قبل استاذ الکتاب" الخ بود یعنی تاریخ خط اصل از عہد ابن مقلہ

[2] اصل : در

[3] یعنی در رسالهٔ منظوم او در آداب خط کہ مشہور است رک بہ اورینٹل کالج میگزین ماہ مئی ۱۹۳۴ء ص ۱۶۳

خط[1] که فرموده است نصف العلم — سرور انبیا بعلم و بحلم
آنچنان خط کجا ست حدّ بشر — قلم دیگر است و دست دگر
قلم پاک آن رفیع جناب — خورده از جویبار جنت آب
دست دُر پاش او خزانهٔ رزق[2] — خامهٔ او کلید خانهٔ رزق
از مدادش چه گویم وز دوات — آبِ حیوان نهفته در ظلمات
نشوی غافل از بنی هاشم — وز یدُ الله فوق ایدیهم[3]
چه قلم بود یا رب آن وچه دست
قلم این جا رسید و سر بشکست

ابن[4] مقله که وزیر الراضی بالله بود- خط ثلث و نسخ از کوفی استنباط نمود چون دستش را بریدند بدخترش تعلیم داد و دختر بابن البواب[5] و ابن البوّاب خط ریحان و محقّق از خود وضع کرد- چون نوبت بیاقوت رسید خط توقیع و رقاع ازین خطوط پیدا کرد و بشش خط رسید و بتراکیب نوشت [س]

دلبر من شش قلم خط می نویسد بی نزاع
ثلث و ریحان و محقق نسخ و توقیع و رقاع

---

[1] اصل: که خط
[2] علم بجای رزق، در نسخهٔ خطی که من دارم
[3] بعدش زیادات دارد در نسخه خطی من
[4] المتوفی ۳۲۶ھ (مرآة العالم)
[5] المتوفی ۴۲۰ھ یا ۴۱۳ھ (مجالس المومنین ص ۴۵۷)

این **یاقوت** در زمان مستعصم خلیفهٔ عباسی بوده و غلام یکی از خلفا بوده و هر روز دو جزو قرآنی کتابت مصحف می کرده هفتاد بیت عربی جهت خلیفه مقرری داشته و سی بیت جهت وزیر و نود کس را سرخط می داده و بغایت سریع الکتابت بوده و هر مصحف که نوشته قید کرده که مصحف چندین است سی صد شصت و چهارمیں را مؤلف این نسخه بخط او دیده - معمر بوده - سن او از نود متجاوز بوده است و عینک ننهاده وفاتش در زمان سلطان غازان[1] در ست و تسعین و ستمایه.

از شاگردان او شش کس مسلم اند ایشان را "استادان ستهٔ" می گویند - در بعضی قطعه ها که خود نوشته اند اسم یاقوت را نوشته اند.

(۱) شیخ زاده سهروردی

(۲) ارغون کابل[2]

[۳] نصر الله طبیب[3]

[۴] مبارک شاه زرین قلم [۵] میر[4] یحیی صوفی

---

[1] از ۶۹۴ تا ۷۰۳ ھ

[2] اصل: کابل، مرآة العالم: کابلی

[3] بلاخمن (ترجمۀ آئین)، ص ۱۰۰: حیدر گنده نویس (بجای نصر الله)، مرآة العالم: سید حیدر

[4] اصل: پیر

[۷] یوسف[1] مشهدی

و بعد ازیشان استادان دیگر پیدا شدند کہ مشہور ایشان عبداللہ صیرفی است - در زمان سلطان ابو[2] سعید خان و امیر[3] چوپان سلدوز بوده و عمارت استاد[4] و شاگرد کہ در تبریز است کتابہ صیرفی نوشتہ - و این صیرفی شاگرد سید حیدر جلی نویس است - و از شاگردان صیرفی آنچہ مشہور شدند حاجی محمد بند و نہ معین الدین تبریزی و شمس الدین محمد مشرقی است -

و در ایام شاہرخ[5] میرزا عبد اللہ طباخ در خراسان نمو کرد و او را اہل خراسان بخیال غلط بہتر از یاقوت می دانند - بہر حال نسخ او لطافتی و نزاکتی دارد - اما ثلث او بسیار کلاغ پا ست - و بخط محقق می ماند - و آن مقدار فرق نمی توان کرد - و ملا جعفر و عبدالحق سبزواری و میرزا بایسنغر[6] ولد مرزا شاہ رخ و ملا جعفر نیز استادند و بغایت لطیف نوشتہ اند - علی الخصوص میرزا بایسنغر و

---

[1] بلاغن و مرآة العالم: یوسف شاه (بجای یوسف)

[2] ۷۱۶ تا ۷۳۶ھ

[3] المتوفی ۷۵۸ھ (حبیب السیر ۳: ۱: ۱۲۱)

[4] این مسجدی بود از بنای حسن کوچک چوپانی (م-۷۴۴) رک بہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بذیل تبریز ص ۵۹۲ عمود ب

[5] ۸۰۷ تا ۸۵۰ھ

[6] المتوفی ۸۳۷ھ

مولانا پیر محمد در شیراز نشو و نما کرد او هم درین عصر بود و بروش یاقوت نوشت، و میرزا[1] ابراهیم ولد میرزا شاهرخ شاگرد اوست و بغایت کتابه نویس خوب بوده[2]. از جملهٔ خوش طبعی بخدمت میرزا شاهرخ از شیراز آمد و ماوراء[3] النهری بود. احوال پسرش سلطان ابراهیم ازو پرسید. بتقریبات گفت در زمان او عمارات عالی کاشی‌نگار[4] بسیار اتمام یافت و کتابه میرزا نوشته و بر در و دیوار کنده مرزا ابراهیم" نوشته. مدعا از تجنیس (ورق ۹۴) کتبه است.

و بعد از خطوط اصل خط نستعلیق است که اکنون جمیع خطوط را منسوخ ساخته و واضع میر علی تبریزی است شعر[5] سلطان علی مشهدی ؎

نسخ تعلیق گر خفی و جلی است — واضع الاصل خواجه میر علی ست[6]

تا که بود است عالم (و) آدم — هرگز این خط نبوده در عالم

وضع فرموده او ز ذهن دقیق — از خط نسخ و از خط تعلیق

نی کلکش ازان شکر ریز است — کاصلش از خاک پاک تبریز است

نکنی نفی او ز نادانی — بی[7] ولایت* نبوده تا دانی

---

[1] المتوفی ۸۳۸ھ

[2] یعنی میرزا ابراهیم

[3] اصل: ماورا النهری

[4] اصل: بسیار کار، تصحیح قیاسی است

[5] اشاره است به رسالهٔ منظوم سلطان علی که ذکرش سابقاً هم آمده.

[6] بعدش زیادتی وارد در نسخهٔ خطی من

[7] نسخهٔ خطی رساله: بولایت دکر حیف است)

(باقی ص ۱۶۴ پر)

کاتبانی که کمنهٔ [1] نویسند* خوشه چینان خرمن اویند
بد معاصر [2] به مجمع الافضال شیخ شیرین مقال شیخ کمال

میرعلی تعلیم به پسرش **عبدالله** داد و عبدالله را صورت خط آن چنان نبود که شهرت یابد. مولانا جعفر را تعلیم کرد و اظهر [3] پیش جعفر خط نوشت و اظهر من الشمس شد تا آنکه مولانا سلطان [4] **علی مشهدی** بشاگردی او رفت و در خط نستعلیق وحید زمان و یگانهٔ دوران گشت چنانچه می گوید

از جوانی بدی بخط میلم عشق خط راند [5] از مژه سیلم
به سر کوی کم قدم زدمی تا توانستمی قلم زدمی

بقیه حاشیه صفحه ۱۶۳: [5] در نسخهٔ خطی من بعدش این شعر است: بد معاصر الخ

[1] اصل: وز تونند

[2] مراد سلطان علی از کمال خجندی (متوفی ۸۰۳ھ) است ازانکه بعدش می گوید ؎

آنکه شعرش چو میوهای خجند هست شیرین تر از نبات و قند

درکتاب خانهٔ موزه برطانیه نسخهٔ از مثنویات ثلاثهٔ خواجو کرمانی (همای و همایون و کمال نامه و روضة الانوار) موجود است که در بغداد نوشته شد در ۷۹۸ھ و کاتب درو نام خود را "میرعلی بن الیاس التبریزی الباورچی" نوشته است و نقل عکسی او درکتاب خانهٔ کلیه پنجاب موجود است. نیز رک به عکس نمره ۱

[3] اصل: اطهر

[4] ترجمه اش را در حبیب السیر ۳: ۳ : ۳۴۳ هم دارد.

[5] نسخهٔ خطی رسالهٔ: راندی

گه[1] ز انگشتها قلم کرده   بخیالی خطی رقم کرده[2]
از قضا مبیر مفلسی[3] روزی   پیشیم آمد بسان دل سوزی
قلم و کاغذ و دواتم جست   بیست و نه حرف را از حرف نخست
بنوشت و روان بدستم داد   شدم از التفات او دل شاد
زانکه ابدال بود و صاحب حال   گشته حالش مبدل الاحوال
زین سبب عشق خط زیاده شدم   دل گرفتار مرد ساده شدم[4]
نیت روضهٔ علی کردم   قلم مشق را جلی کردم
در خیال این که کار بکشاید   شه بخوابم جمال بنماید
تا شبی خواب دیدم از ره دید   که خطم دید و خامه ام بخشید
خواب را مختصر نمودم باز   قصهٔ خواب هست دور و دراز
بیش ازین زین سخن نیارم گفت   که ندارم مجال گفت و شنفت

بنده سلطان علی غلام علی است
شهرت خط او ز نام علی است

شاگردان او ملا سلطان[5] محمد خندان و سلطان محمد نور و

---

۱ در نسخهٔ خطی رساله بجای این بیت دیگر را دارد۔

۲ بعدش در نسخهٔ خطی رساله سیزده بیت زاید دارد

۳ رک به لطایف نامهٔ فخری ص ۵۷

۴ رک به حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵

۵ در حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵۰ ذکری از مولانا سلطان محمد بن مولانا نور الله استاد نسخ تعلیق آورده است که غالباً مراد از همین کاتب است پس میان سلطان محمد و نور اضافت ابنی است

سلطان محمد ابریشمی و زین الدین محمود است و خندان بهترین این چهار کس است.

اما زین الدین محمود شاگردی رسانید میرعلی نام که اعجوبهٔ زمان گشت که اکثر خلایق او را [از استاده] بهتر می دانند و فی الواقع از روی انصاف جلی و اوسط او بمراتب بهتر است اما در خفی و کتابت حضرت مولوی سرآمد [ا]ند

و قاسم[1] شاه دل شاد نیز یکی از خوش نویسان عصر است و تا ۹۵۰ در حیات بوده اما قلم در دست و قلمتراشش در مشت داشت و هر روز پنج بیت می نوشت. و شاگرد نیک او محمد حسین باخرزی ست که بوعم بنده او بهتر از قاسم شاه دل شاد نوشته. و اصلش از باخرز است و بانواع فضایل و کمالات آراسته. از جمله شعر او بغایت خوب است و شطرنج غایبانه و حاضرانه کسی بهتر ازو نه باخت و کینه بجدمتش رسیده بود و این فضایل او را از خط و شعر و اختلاط خود تمیز کرده تصدیق می کند. این شعر ازوست.

خوش آن کز آتش دل شعله در پیراهنم گیرد
که نتواند دگر خار ملامت دامنم گیرد

---

[1] نامش در تاریخ رشیدی قاسم شادی شاه است و غالباً همان صواب ست در آئین اکبری او را محمد قاسم شادی شاه نوشته است (بلاخمن ص ۱۰۲)

رباعی

یا رب غم دوری ضروری تا کی
با درد و غمِ ہجر صبوری تا کی
ہستیم ز تو دور و بمردن نزدیک
نزدیک بروئیم دوری تا کی

و نسخ و تعلیق که اہل عراق نوشتہ چیزی نیست ۔ از جملہ انیسی که عبد الرحیم نام دارد ' داز ' خوش نویسان عراق است' و در زمانِ یعقوب میرزا بودہ و با این خوش نویسان که گذشت معاصر بودہ ' و برادرش عبد الکریم نیز بدستور انیسی نوشت و نمک خط در خطوط برادران نیست۔

درین زمان ملا شاہ محمود[1] نیشاپوری خفی[2] نویس[2] بے مثل و مانند است و کتابت او بہتر از کتابت این جماعت است که مذکور شدہ و ملا عبدی[3] نیشاپوری ورق ۵۹ که استاد ملا شاہ محمود است و ملا[1] رستم علی و مولانا دوست[2] که ہر دو از خراسان اند و قریبۂ بکدیگر بودند و مولانا[3] مالک قزوینی

---

[1] برای این ہا رک بہ عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ کہ بقولش ایشان ازان جملہ بودند کہ در زمان شاہ طہماسپ جہان فانی را پدرود کردہ بودند۔

[2] اصل: کہ خفی نویس [3] بقول اسکندر منشی او خواہر زادۂ استاد بہزاد مصور بود۔

[3] رک بہ عالم آرای عباسی ص ۱۲۵ س ۲۱

درین آخر ترقی کرد که او بهتر از رستم علی و ملا دوست است و سیدّ احمد شمع ریزه مشهدی شاگرد مولانا میر علی ست. و اکنون ازین جماعت همین دوست.

و خط تعلیق که در قدیم نوشته اند اصلا لطافتی و نزاکتی نداشته تا آنکه تاج سلمانی پیدا شد و بنزاکت و رعنائی نوشت. و خواجه[1] عبد الحی در زمان سلطان[2] ابو سعید ثانی کورگانی پیدا شد. و تعلیق را بغایت لطیف نوشت و مولانا شیخ محمد[3] (منشی؟)، قزدینی شاگرد ادست و خوب رسانید (کذا)، چنانچه بارها با او دعوی کرده و فضولی نموده[4] و مولانا ادریس نیز شاگرد اوست اما در خراسان مولانا درویش[5] عبد الله در زمان حسین مرزا در تعلیق زیبی سرآمد روزگار گشت و بغایت نازک و رعنا و پیچان و نمکی نوشت و بدو مسلم است. و شاگردان او میر منصور[6] منشی و خواجه جان (اختیار؟) است.

---

[1] رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ [2] دولت شاه ص ۴۱۲

[3] ۸۵۵ تا ۸۷۲ھ [4] ابو الفضل ذکری از "محمد قزدینی" می کند (بلاخمن ص ۱۰۱)

[5] منشی؟ [6] ترجمه آئین اکبری (بلاخمن ص ۱۰۱)

[7] بظاهر وییست ملا درویش که مترجم است در مرآة العالم و ذکرش در عالم آرای ص ۱۲۷ چند بار آمده است

[8] در عالم آرای عباسی (ص ۱۲۶) نامش "خواجه علاء الدین منصور منشی" نوشته است و بر ص ۱۲۳ او را "کرهرودی" خوانده.

و خط سیاق را شمس سیاق پیدا کرد و او از فارس است. و در زمان دیالمه وزیر بوده و قواعد حساب ازو مانده. اما شکستهٔ تعلیق را واضع عبد الحمید بن یحیی فارسی است و وزیر عبد الملک مروان بوده.

خط شکستهٔ تعلیق و قواعد سیاق و بعضی دخلهای ضروری در ایام پادشاه اسمٰعیل صفوی کردند و خط سیاق و شکستهٔ تعلیق و قواعد آن بی قصور استحکام یافت.

و خواجه محمود هروی ولد خواجه اسحٰق سیاوشانی است که از هرات بولایت سمرقند و بخارا افتاده و درانجا نشو و نما کرده و شاگرد قرار دادهٔ مولانا میرعلی است و هرکس را سخن آنست که بهتر از امیر علی است و شعر میرعلی که در باب خواجه محمود گفته این است:

خواجه محمود آنکه یک چندی　　بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر تعلیم او دلم خون شد　　تا خطش یافت صورت تحریر
در حق او نرفته تقصیری　　لیک او هم نمی کند تقصیر
هرچه خود می نویسد از بد و نیک
همه را می کند[*] بنام فقیر

ل ۹۰۷ تا ۹۳۰ھ　　ل ک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴

ل عالم آرای عباسی ص ۱۲۴

ل عالم آرای: کرچه

ل عالم آرای: می کند جمله را

اقتباس از تذکرہ محمد طاہر نصر آبادی

اس تذکرہ کا سال تصنیف ۱۰۸۳ھ ہے۔ گو مصنف نے آٹھ نو تراجم ۱۰۹۲ھ میں اضافہ کئے۔ اس میں معاصر شعرا کے حالات جمع کئے گئے ہیں۔ کتاب پانچ بابوں پر منقسم ہے۔ ہر باب کو صف کہا گیا ہے۔ تیسری صف کے دوسرے فرقہ میں کچھ خوش نویسوں کا ذکر ہے۔ یہ برٹش میوزیم کے نسخہ سے لے کر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ نسخہ اچھا نہیں ہے (دیکھو فہرست ریو ص ۳۶۸) سپرنگر نے اودھ کیٹلاگ صہ۸۹ جلد پر اس تذکرہ کے بعض تراجم کا خلاصہ دیا ہے۔ اس سے ناموں کی تصحیح میں کچھ مدد ملی۔ گر متعدد اشعار اصل نسخہ میں مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کو مجبوراً بدستور رہنے دیا گیا ہے۔

[باب سوم] فرقہ دوم در ذکر خوش نویسان ص ۵۵۱و

(۱) ملا عبدالباقی[1]

اصلش از تبریز است مربوط بودہ در فنون اما در بغداد

---

[1] ملا کا حال مرآۃ العالم سے لے کر گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔

توطن داشت و در مولوی خانه با مرحوم و ده مصطفی مربوط بوده و در فنون فضایل مثل حکمت و غربت [عربیت؟] مانند نداشت اما از اظهارش زبان کوتاه داشته، خط ثلث او خط نسخ بر خطوط استادان کشیده. شاه عباس ماضی جهت کتابهٔ مسجد جامعه محمد حسین طبی (طبسی؟) را فرستاد که او را بیاورد اما او [ابا؟] نموده (۱۵۵ ب) بعد از فتح بغداد او را باصفهان آورده کتابه کمر گنبد بزرگ و صفهٔ رو بقبله و طاق در مسجد بخط اوست فقیر مشق ازو گرفته ام دستم آنقدر نا قابل ست که با [وصف؟] برکت تعلیم (او) خط مرا صورت ندارد [ـه]

هر که[1] او روی به بهبود* نداشت
دیدن روی نبی سود نداشت

بسیار خلیق و مهربان بود یک سال بعد از فوت شاه عباس فوت شد. باقی تخلص است. شعرش این ست.

باقی تو عبث زحمت [مرحمت؟] خویش مکش
پیوسته تعب ز صحبت خویش مکش
تغییر قضا چو نیست در دست کسی
بیهوده ز جهل منت خویش مکش

محنت کش روزگار خویشم چکنم — در مانده اضطرار خویشم چکنم
دور است ز خیر اختیارم اما — مجبور باختیار خویشم چکنم

---

[1] اصل: هرکرا روی به بیهوده

اضطرابم نگذارد کہ نشینم جای
انتظارت نگذارد کہ ز جا بر خیزم

۲۔ مولانا علی رضا[1]

آن ہم تبریزیست اگر[چہ] فضیلت او بمولانا عبد الباقی نمی رسیدہ

---

[1] مولانا علی رضا عباسی تبریزی کا حال مرآۃ العالم سے لے کر گذشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے۔ رایل ایشیاٹک سوسائٹی جنرل بابت اپریل ۱۹۳۵ء میں کسی مقالہ نگار نے ایک مفصل بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ علی رضا تبریزی خوشنویس اور آقا رضا مصور اور محمد رضا عباسی مصور تین علیحدہ علیحدہ شخص تھے۔ اس سلسلے میں چند حوالوں کی طرف جو عالم آرای عباسی میں ملے ہیں توجہ دلانا مقصود ہے۔ اس کتاب میں دو جگہ مولانا علی رضا عباسی کا ذکر نظر آیا ہے۔ ایک تو ۱۰۰۴ھ (سال نہم جلوس شاہ عباس) کے واقعات میں جہاں لکھا ہے کہ مولانا عجزی تبریزی نے مولانا علی رضا خوشنویس کے توسط سے چند روز مجلس ہمایون میں راہ پائی (عالم آرای ۱: ۳۵۳) پھر ج ۲ ص ۵۱۹ پر ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: راقم حروف بے واسطہ از وحید الزمانی مولانا علی رضای خوش نویس کہ از خواص مقربان حضرت اعلی بود استماع نمودم الخ (یہ ذکر روز عید اضحی ۱۰۱۵ھ کے ایک واقعہ کے سلسلہ میں آیا ہے)، حاصل یہ کہ دونوں مقاموں پر علی رضا کو خوش نویس لکھا ہے اور دونوں سے اس کا تقرب دربار شاہ عباس میں معلوم ہوتا ہے۔ آقا رضا اس سے بالکل مختلف شخص ہے۔ عالم آرای جلد اول ص۱۲۸ پر ہے:۔

مولانا علی اصغر کاشی استاد بی‌ترتیبہ و مصور پاکیزہ ساخت در پرداخت و رنگ آمیزی منفرد و در کوہ پردازی و درخت سازی از اقران در پیش بود (باقی صفحہ ۱۷۳پر)
(باقی صفحہ ۱۷۳پر)

اما بسیار پاکیزه وضع آدمی بود هفت قلم را خوش می نوشت کتابه در مسجد مشهور بمسجد شیخ[1] لطف الله و کمر صفه در مسجد جامع[2] عباسی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲: او نیز در خدمت سلطان ابراهیم میرزا می بود - در زمان اسمٰعیل میرزا از اصحاب کتاب خانه شد- پسرش آقا رضا در فن تصویر و یکه صورت و چهره کشای ترقی عظیم کرده اعجوبهٔ زمان گشت - و در این عصر و زمان مسلم الثبوت است از جهات نقش بآن نزاکت قلم همیشه زور آزمائی و ورزش گیری کرده ازان شیوه محظوظ بودی و از صحبت ارباب استعداد او کناره جسته با آن طبقه الفت داشتی و در این عهد فی الجمله ازان هرزه در آئی باز آمده - اما متوجه کار کمتر می شود - او نیز بطریق صادقی بیگ بد مزاج تنک حوصله بد اختلاط است الحق استغنائی در طبیعتش هست- در خدمت حضرت اعلی شاهی ظل الهی مورد عاطفت گردید و رعایت کلی یافت اما از اطوار ناهنجار صاحب اعتبار نشد و همیشه مفلس و پریشان حال است و این بیت مناسب حال او افتاده-

بیت: طالب من همه شاهان جهانند و مرا در صفاهان جگر از بهر معیشت خون شد

[1] شیخ لطف اللہ طبسی کا حال عالم آرای (۱ : ۱۱۴۶) پر دیکھو۔

[2] مسجد شاہ اصفہان کا نمونہ اصل کی ایک تہائی کے برابر ایرانی صنعت کاری کی نمائش میں بنایا گیا تھا جو چند سال ہوئے برلنگٹن ہاؤس میں ہوئی تھی۔ محبی محمد عبد اللہ چغتائی نے درِ مسجد کا ایک فوٹو دکھایا۔ جو اس نمونہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ دروازے پر علی رضا کا یہ کتبہ بھی موجود ہے اور پڑھا جاتا ہے۔اس کے آخر میں ہے:-
کتبه علی رضا العباسی ۱۰۲۵ھ ۔ عالم آرای ۲ : ۸۷ ۵ میں ۱۰۲۵ھ میں تعمیر مسجد کے آغاز کا ذکر موجود ہے۔

خط اوست و بطاق های ردای [ردی؟] بازار خفافان و حلاجان واقع بدر مسجد شیخ لطف الله دو رباعی بخط نسخ و تعلیق نوشته خوب نوشته این طرفه که خوش نویسی عهد با علی رضا موافق [آمد؟] این رباعی ازو مسموع شد۔

تا خانه نشین شدی تو ای دُرِّ خوشاب
پیوسته تر است از غمت دیده پُر آب
من خانهٔ دل خراب کردم ز غمت
تو خانه نشین شدی و من خانه خراب

۳۔ میر عماد[۱]

از ولایت قزوین است خط نسخ و تعلیق را بمرتبه رسانیده که حمل بر اعجاز می توان کرد بعضی را اعتقاد آنست که خط میر از خط ملا میر علی صاحب حسن تر است، اکثر اوقات باصفهان بوده شهرت کاذبی به تسنن کرده از غلوئی که شاه عباس ماضی در محبت امیر المومنین داشت با او عداوت بهم رسانیده مقصود مسگر را گفت که هیچ کس نیست که این

---

[۱] عالم آرای عباسی ج ۲ ص ۹۶۳ (۱۰۲۴ھ)، کے وقائع میں لکھا ہے کہ میر عماد قزوین کے چشتی سادات میں سے تھا جو سیفی سادات کہلاتے ہیں۔" او بین الجمہور بتسنن مشہور بود از اہل قزوین استاد مقصود مسگر از غلو تشیع یا رفع مظنۀ تسنن که مردم آن ولایت بران متهمند مرتکب قتل او گردید۔

سنی را بکشد مقصود بہمین گفتہ در ہمان شب کہ در حینی کہ بحمام [بود] او را بکشت این رباعی ازو مسموع شد۔

جانان[1] از من دو بوسہ از تو بستان و بدہ
زین داد و ستد مشو پشیمان و بدہ
سبزین بیست نیست استنای تلخ(؟)
گرد لب شکرین بگردان و بدہ

۴۔ میر[2] معزّ

اصل از کاشانست خط نسخ و تعلیق را بسیار نازک می نوشت در زمان شاہ عباس ماضی بہند رفت در آنجا فوت شد۔ شعرش اینست ؎

آن گل ز داغ دست خود انکار کردہ است
ہرگز کسی بدست خود این کار کردہ است

۵۔ ترابا[3]

اصلش از اصفہانست در تزکیہ نفس کمال سعی نمودہ در تعلیم خط نسخ تعلیق شاگرد ملا[4] فیضی بود اما صد چون فایض[4] ازو فیض

---

[1] اصل : بوبہ از بستان دیدہ .... دیدہ

[2] رک بہ عالم آرای عباسی ج ۱ ص ۱۲۵ (اقتباس از مرآۃ العالم)

[3] اقتباس از مرآۃ العالم ص ۵۹

[4] سپرنگر محل مذکور پر فایقی ہے۔ شاید دونوں جگہ فایضی درست ہو

می بروند. دست مبارکی داشت که هر کس ازو تعلیم گرفت خوشنویس شد و خود نقل می کرد که مدتی بمقتضای سن هرزه گردی می نموده روزی در قهوه خانه نشسته بودم که مردم دکذا[1] میر عماد باتفاق رشید[که] همشیر زاد ا[و]ست از در قهوه گذشت و بخاطر بنو (بنده؟) رسید اگر میر صفای باطنی دارد. بقهوه می آید با اینکه چند قدم رفته بود برگشته بقهوه خانه (۱۵۶ ب) آمده قهوه خورده برخواسته گفت که در خانه ما هم این ها می باشند فقیر منتبه نشده روز دیگر بمنزل ایشان رفته در بالاخانه که بر سر دیوار در[2] بود مکان ساخته دوازده سال حرکت نکردم چنانچه گلیمی که زیر من بود جای پای من سوراخ شد. غرضکه خط حرانهای دگران بهای؟) اد هیچ کم* از مشاهیر نیست تتبع اشعار متقدمین نموده شعر را خوب می فهمد شعرش اینست ــه

دلم بیخد نگست حضوری ندارد
که شب خانهٔ بی شمع نوری ندارد
مشو درهم از[3] خاطرم مرا شکیبی*
حضوری[4] ندارد قصوری ندارد

---

[1] اصل: در ربد

[2] اصل: یچکم

[3] ار خاطر مرد میکین؟ از خاطرم نزاکه میکین؟

[4] اصل: قصوری

۶- میر سید علی ولد میر مرحوم مرزا مقیم تبریزی [1]

جد مشار الیه میرا [شاه میر] [2] است که از سادات نجیب [نجف؟] است و در عباس آباد اصفهان ساکن بود میرزا مقیم چون رومی بود نسخ و تعلیق را خوش می نوشت میر سید علی در ظاهر و باطن آراستگی آن همه خوش می تولید بالاتفاق والد ماجد بهند رفته والدش در آنجا فوت شد در خدمت پادشاه والا جاه هند می باشد چنین مسموع شد که کتابت [3] وزارت و نهایت اعتبار دارد. شعر اینست

زبانی غیر خاموشی ندارم   بخاطر جز فراموشی ندارم

چه جلوه بود که در صحن باغ پیدا شد
که شاخ گل نفس بلبلان شیدا شد

بر جراحت نمک سوده نمی خواهم من   اینقدر خاطر آسوده نمی خواهم من

عشق معشوق بود پیش جگر سوختگان
چشم آهو شده هر داغ که بر تن دارد

---

[1] رک به تذکرهٔ خوش نویسان
[2] از روی سپرنگر   [3] اصل: کتاب

اقتباس از مرآۃ العالم

منسوب بہ بختاور خان (متوفی ۱۰۹۶ھ)

مرآۃ العالم جو ۱۰۷۸ھ میں تصنیف ہوئی اور تاریخ عالم پر مشتمل ہے۔ علاوہ مقدمہ اور خاتمہ کے آٹھ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے سات حصوں میں سے ہر ایک کا نام آرائش اور آٹھویں حصے کا نام افزائش رکھا گیا ہے۔ اس افزائش کے تین حصے ہیں اور ہر حصے کا نام نمود ہے۔ پہلی نمود کو جس میں خطاطوں کا ذکر ہے۔ ذیل میں مرتب کر کے شایع کیا جاتا ہے

۱۱۵۴ھ میں خوشحال چند بن جیون رام کایتھ نے اپنی کتاب تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی مرتب کی اور اس میں خطاطوں کا ذکر مرآۃ العالم سے لے کر باختصار درج کیا یہ بات مرآۃ العالم اور محمد شاہی کے مقابلہ سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ پنجاب پبلک لائبریری میں تاریخ محمد شاہی کا نسخہ ہے اس سے ۱۹۲۷ء میں راقم الحروف نے خطاطوں کا تذکرہ نقل کیا۔ اس وقت جب مرآۃ العالم سے اس کو

ملا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ خوشحال چند نے مرآۃ العالم کی بعض عبارتوں کو حذف کر دیا ہے اور بعض جگہ عبارت کا خلاصہ حتی الوسع مرآۃ العالم ہی کے الفاظ میں بیان کر دیا اور اپنی طرف سے سارے بیان میں چند الفاظ کے سوا کچھ اضافہ نہیں کیا۔ صرف آخر میں چند سطریں اپنے استاد عزیز خان کے حال میں درج کر دی ہیں۔

مرآۃ العالم کا جو اقتباس درج ذیل ہے۔ اس کا محمد شاہی کے ساتھ مقابلہ کر کے بعد کمی بیشی کی سب صورتوں کو حواشی میں دکھایا گیا ہے۔ جس سے خطاطوں کے بارے میں دونوں کتابوں کے ابواب کا باہمی تعلق واضح ہوتا ہے۔

۱۲۱۸ھ میں عبد الرحمٰن مخاطب بہ شاہ نواز خان ہاشمی بنبانی ثم الدہلوی نے مرآۃ آفتاب نما لکھی۔ اس میں بھی "ایجاد خطوط و احوال خطاطان" کے عنوان سے ایک فصل دی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے۔ فصل مذکور اس نسخہ سے مطالعہ کی تو معلوم ہوا کہ شاہ نواز خان نے بھی مرآۃ العالم ہی کی عبارتوں کو اکثر بجنسہٖ نقل کر لیا ہے اور کہیں کہیں اختصار کر کے اور ترتیب بدل کر انہی معلومات کو جو صاحب مرآۃ العالم نے جمع کئے تھے دوبارہ پیش کر دیا ہے اور بہت کم ان میں اضافہ کیا ہے۔

اب مرآۃ العالم سے لے کر احوال خطاطوں کا پیش کیا جاتا

ہے۔ جس نسخہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے وہ ۱۲۳۹ھ میں نواب حسام الدولہ بہادر کے لئے نقل ہوا اور اب پروفیسر محمود شیرانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ورق ۵۶۳ تقطیع کلاں ۱۰.۰ × ۶½ قریباً، سطور ۱۹ خط نستعلیق۔

مغل بادشاہوں کا ذکر جہاں جہاں اس کتاب میں آیا ہے وہاں مصنف نے ان کے نام کی بجائے القاب ذیل استعمال کئے ہیں:-

بابر بادشاہ کی بجائے	حضرت فردوس مکانی
ہمایون 〃 〃 〃	جنّت آشیانی
اکبر 〃 〃 〃	عرش آشیانی
جہانگیر 〃 〃 〃	جنّت مکانی
شاہجہان 〃 〃 〃	فردوس آشیانی

عالمگیر کو "بادشاہ خدا آگاہ" اور اس کے زمانے کو "عہد سعادت مہد" کہا گیا ہے ۔

افزایش محتوی بر سه نمود

نمود اوّل در ذکر خطّاطان

.... و در سوالف ایام خط مشهور و رایج ورق ۲۹۶ب
میانِ عرب معقلی بود پس ازان خط کوفی استخراج کردند و این[۱]
خط (که) حالا در ممالک عرب و غیر آن متعارف است جمعی*
بامیر المؤمنین علی کرم الله وجهه نسبت کنند و[۲] گویند از فواید
آنحضرت است که با عبدالله بن عباسؓ هنگام تعلیم فرمود:
یا عبد الله وسّع ما بین السطور و اجمع ما بین الحروف و ادع
المناسبة فی صورها و اعط کل حرف حقّها* و بعضی از مبتدعات
ابن مقله می دانند و انچه در عربستان و. ایران و توران و روم
و هندوستان میان[۳] دانشوران* مشهور است و[۴] بر صحیفهٔ بیان اسامی
آن ها مثبت و مذکور* هشت است بدین[۵] تفصیل* ثلث. توقیع
محقق. نسخ. ریحان. رقاع. تعلیق. نستعلیق

---

[۱] محمد شاهی: که		[۲] محمد شاهی: وجمعی آن را
[۳] درمحمدشاهی ندارد		[۴] درمحمدشاهی افزوده: که احوال آن در مقالهٔ اوّل گذشت
[۵] از نستعلیق تا اعتقاد دارند را در محمد شاهی ندارد. در اصل "دیده دراَنش ربانی صفحه ۱۸۲ پر)

و بعضی از دانایان این فن شش خط اوّل از مخترعات ابن مقلہ می شمارند و می گویند این دیدہ ور دانش آموز باز بفروغ دیدہ وری از خط معقلی و کوفی و غیر آن استنباط و اختراع نمودہ ہر حرفی را طرز نیکو و وضع خاص قرار دادہ و ہر نوشتہ کہ موافق آن طرز و مطابق آن روش باشد آن را خط خوب گویند - و باعتقاد جمعی خط نسخ را یاقوت مستعصمی ابداع نمودہ- و طایفہ برانند کہ چون یاقوت آن خط را بکمال رسانیدہ بود با او نسبت کردند و خط تعلیق را کہ از رقاع و توقیع مستنبط شدہ جماعتی از مستخرجات خواجہ تاج الدین سلمانی کہ در ہر شش خط مہارت تمام داشت و در فن کتابت و انشا عَلَم امتیاز می افراشت می شمارند و برخی بخلاف آن اعتقاد دارند.* خط نستعلیق کہ از نسخ و تعلیق ترکیب یافتہ اکثری از مخترعات خواجہ میر علی تبریزی کہ در زمان صاحب قران امیر تیمور گورگان بخوشنویسی شہرہ آفاق و در صنعت کتابت یگانہ خراسان و عراق بود می داند (کذا) و نستعلیق در اصل نسخ و تعلیق [بود] بکثرت استعمال نستعلیق شدہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ : امر دارد بجای "دیدہ ور دانش آموز" صاحب مرآت آفتاب نما بعد س ۱۰ افزودہ کہ تاریخ اختراع این خطوط سی صد و دہ ہجری بود و بعد ذکر ابداع خط نسخ ذکر تناسب و دور و سطح در انواع خطوط کردہ مثل ابوالفضل۔

و معلوم[1] رقوم خوانان تختهٔ آگهی است که هیچ یک از مستخبران خبیر و تاریخ دانان روشن ضمیر متصدی ذکر خطاطان نشده و مذکور این جادو رقمان که بخامه سحر ساز نگه ربای دیده وران فضیلت گستر و بقلم مانی رقم نظر فریب دانایان هنر پرور اند در مؤلفات خویش ذکر نه کرده . و در بعضی کتب که ذکر چندی ازان فرقه بطریق اجمال [آمده است] متفرقه و پراگنده مرقوم است و احوال اکثری که در عهد خود نوبت خوش نویسی نواخته و لوای شهرت و علم بلند آوازگی افراخته اند در هیچ کتاب مذکور نه گشته و جامع این اوراق پریشان الممتحان بفضل الرحمان بختاور خان بتفحص تمام و تصفح مالاکلام برخی از احوال خطاطان که باین صنعت شگرف جلابخش دیدهٔ دیده وری و رونق افزای بازار هنر پروری اند مطلع شده درین شگرف نامه مذکور ساخت و از درازی سخن و طول کلام اندیشیده بمجرد تحریر اسامی بعضی اکتفا نموده[2] ...... که این قلیل الفرصت باوجود کثرت مشاغل چقدر کوشش و جهد بکار برده و چندین کتب متقدمین و متاخرین جلوه گاه ظهور نظر تفحص بوده ؎

آن[3] را* که ز شهر آشنائی است ۔ داند که متاع ما کجائی است

و منه التوفیق و هو یهدی الی سواء الطریق*

---

[1] در محمد شاهی ندارد آنچه میان قلابین نوشته است قیاساً افزوده شد.

[2] در اصل بلافصل نوشته است اما ظاهر است که جمله ازینجا افتاده.

[3] اصل: آنکس، تصحیح قیاسی است.

ابن مقلہ

وہو ابوعلی محمد بن علی بن حسن[1] بن مقلہ

از علمای اعلام و وزرای عظام بود و در ایام دولت و آوان کامرانی نسبت بعلما و فضلا سلوک طریق رعایت می پیمود و در سنہ سہ صد و دہ بفروغ دیدہ وری خطی کہ از مشاہدہ آن بصر بصیرت جلا یافتی در سلک اختراع منظم گردانید و بخانۂ سحر کار مانی[2] نگار خط نسخ بر خطوط خطاطان جہان و کُتّاب آفاق کشید و بقول اکثری از ہشت خط مشہور شش خط از مخترعات اوست۔ و در سن سہ صد و بیست بوزارت مقتدر باللہ کہ ہژدہم از خلفای

---

[1] وفیات (ج ۲ ص ۱) الحسین۔ وفیات اور مرآۃ العالم کے بیانات اور تاریخوں میں باہمی اختلاف ہے۔ محمد شاہی میں ابن مقلہ کا ترجمہ یوں دیا ہے: منقولست کہ (ابن) مقلہ وزیر اعظم مقتدر باللہ ہژدہم خلفای عباسی بود کہ خلیفہ نادانستہ و نا تحقیق کردہ بہ تہمت مکتوبی مزور ملزم ساختہ در سنہ سہ صد و بیست دستش ببرید و عاقبت پشیمان گشت و ابن مقلہ پس ازان قلم را بر ساعد بستہ کتابت می کرد و ابن از عداوت (ابن) رائق کہ رائق و فائق مہمات خلیفہ بود در حبس بمرد۔ و از غرایب ابن مقلہ آنکہ او وزیر سہ خلیفہ شد و در مدت عمر سہ مصحف مجید نوشت و او را سہ بار سفر اتفاق افتاد و پس از وفات سہ بار مدفون شد و اللہ اعلم بالصواب۔

[2] اصل: معنی، مرآۃ آفتاب نما: مانی (بجای معنی)

عباسی است کامیاب شده رایت اقتدار بر افراشت - بعد از قتل مقتدر قاهر عباسی نیز او را یک چند وزیر و مشیر گردانید و پس از خلع قاهر راضی عباسی او را بوزارت بر گزید و او مثالی از زبان خلیفه [1] بحکم ما کافی نوشته* او را ببغداد طلب داشت ابن[2] رائق* که دران وقت امیرالامرا بود مکتوب مزور را بگرفت و چون خلیفه بطلب او راضی نبود ابن مقله را مواخذه کرد- ابن مقله برین[3] انکار نموده - چون مکتوب ظاهر شد ملزم گشت و راضی در سنهٔ سه صد و بیست و شش دستش[4] ببرید- و در بعضی از مولفات علمای نحریر بنظر این حقیر رسیده که خلیفه بعد از قطع ید ابن مقله بغایت پشیمان گشت و بر التیام جراحات او همت گماشت و اطبا را بمداوای ریش دست او (ورق ۹۷ ب) مامور ساخت و ابن مقله پس ازان قلم را بر ساعد بسته کتابت می کرد و بکتابت از خلیفه وزارت می خواست - و ابن[5] رایق رائق و فائق مهمات خلیفه بود و باابن مقله عداوت

---

[1] اصل : بحکم ما کافی - مرآة آفتاب نما : بحکم ما کافی

[2] اصل : ابن رافی

[3] مرآة آفتاب نما : بران

[4] دیکھو وفیات : ۲ : ۷۱

[5] اصل : این

داشت بر ارادهٔ او مطلع گردیده زبانش بنیز ببریّد[1] و در حبس کشید و در سنهٔ[2] سی صد و بیست و هفت* دران حبس[3] عمرش بپایان رسید۔ و از غرایب ابن مقله که بعضی از مورخان مرقوم قلم غرابت رقم گردانیده اند آنکه او وزیر سه خلیفه شد و در مدتِ عمر سه[4] مصحف مجید نوشت و او را ۔ سه بار اتفاق سفر افتاد و پس از وفات سه[4] بار مدفون شد ؛

ابوالحسن علی بن ہلال المشہور بابن بوّاب[5]

در زمانّ[6] القادر بالله عباسی که بیست و پنجم خلیفه است نقوش امتیاز بر صحیفهٔ روزگار می بنگاشت و* هر شش خط را که ثلث و توقیع و محقّق و نسخ و ریحان و رقاع باشد بقسمی[7] نوشت که مزیدی بران متصور نباشد و بروایت اکثری در سنهٔ چهار صد و سیزده رقم وجود او از جریدهٔ حیات بکزلک ممات ستردہ شد* ؛

---

[1] وفیات میں ہے کہ ابن مقلہ کی زبان بحکم نے کٹوائی جو منسوبان ابن رائق سے تھا۔

[2] وفیات میں ۳۲۸ھ ہے۔

[3] مرآۃ آفتاب نما : مجس

[4] مرآۃ آفتاب نما : بیصد (؟)، وفیات میں صرف دو کا ذکر ہے

[5] اصل : نواب [6] در محمد شاہی ندارد

[7] محمد شاہی : خوب نوشت و بعد ازان

یاقوت[۱] خطاط

در سلک غلامان[۲] و خدام* مستعصم کرسی و هفتم از خلفای عباسی است[۳] انتظام داشت[۴] و باعتقاد برخی از اہل

---

[۱] مرآۃ آفتاب نما میں اس ترجمہ میں کچھ کمی بیشی کی ہے: "نامش شیخ جمال الدین، اصلش از جزایر۔ در بغداد نشو و نما کردہ در وقت مستعصم کرسی و ہفتم از خلفای عباسی است می بود و بعضی گویند در سلک خدام خلیفہ انتظام داشت باعتقاد برخی .... نمود و ہر ششں خط مشہور را خوب می نوشت و بکمال رسانیدہ و ہرگز کسی غلط او در کتاب او نیافتہ۔ خلیفہ بسبب تشیع او را محبوس نمودہ سہ سال در زندان بود از غایت جلد نویسی چہار صد قرآن ترجمان نوشت و خلاصی یافت گویند روزی کہ مستعصم را گرفتند و لشکریان قتل عام می نمودند۔ یاقوت گریختہ بالای مینار رفتہ مشق می کرد چون کاغذ آخر شدہ بود بر دامن جامۂ خود می نوشت درچنین حال یکی از دوستان ہم گریختہ بالای مینار آمد گفت چہ دماغست کہ در چنین وقتی کہ قتل عام می شود تو مشق می کنی۔ یاقوت جواب داد چہ بی دماغیست کہ تو داری۔ کشتنی ہا کشتہ می شوند۔ ثقات نقل می کنند کہ آن پارچہ تا حال در کتابخانہ پادشاہان ایران ہست۔ عمر یاقوت از صد و بیست سال زیادہ بود در سن نہ صد (!) و نود و ہفت...... رسید و شاگردانش بسیار اند دکلمات مواضع نقطہ دار را مطابقت کلی با متن است" [۲] در محمد شاہی ندارد

[۳] محمد شاہی: بود

[۴] محمد شاہی: او ہر ششں خط را بہ

تاریخ خط نسخ را او ابداع نمود و هر شش خط که اسامی آن سبق ذکر یافته خوب نوشت و بمرتبهٔ کمال رسانید اکثری از دانایان فن خط برانند که شش خط مذکور را مانند یاقوت هیچ کس از متقدمان و متاخران نوشته* و[1] در سن شش صد نود و[2] هفت در زمان سلطنت غازانخان* در دارالخلافه بغداد کتاب عمرش بسجل اختتام رسید.

و شاگردان یاقوت بسیار اند اما[3] آنانکه بخوشنویسی در اطراف جهان و اقطار عالم شهرت دارند* شش کس اند[4] اول شیخ زاده سهروردیست دویم مولانا یوسف[5] مشهدی. سیوم مولانا مبارک شاه زرین قلم. چهارم ارغون کابلی. پنجم میر یحیٰی. ششم سید حیدر.

خواجه میر علی تبریزی

از دانایان فنون دانش و ادب بلاد و* در عهد صاحبقران امیر تیمور گورگان در مضمار فضل و صنعت خط قصب السبق از همگنان می ربود و* اکثری از ماهران این فن بر آنند که

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] محمد شاهی: بمرتبهٔ کمال رسیدند.

[3] محمد شاهی: شیخ احمد - مرآة آفتاب نما: شیخ احمد که به شیخ زاده سهروردی مشهور است.

[4] در محمد شاهی ندارد - مرآة آفتاب نما: یوسف شاه (بجای یوسف)

[5] در محمد شاهی ندارد

[6] محمد شاهی: از همه فایق تر شد

آنجناب[۱] خط نستعلیق از نسخ و تعلیق[*] اختراع نموده و بعضی[۲] از متاخران برین معنی انکار کرده می گویند بسا[*]خطوط نستعلیق که[۳] پیش از زمان صاحبقران مرقوم نموده اند بنظر در آمده و می تواند که قبل از میر علی تبریزی دیده دران آگاه بابداع خط نستعلیق جلا افزای تماشاییان این نقش نگر رباشده باشند اما چون میر مذکور این خط را بکمال رسانیده و این اعجوبه بحُلل روش نو و حلی بطرز جدید آراسته بر طالبان جلوه داد ازین جهت باو منسوب ساختند[*] بهر طریق نستعلیق را از متقدمان کسی برابر میر مذکور ننوشته و از شاگردان او میت[۴] خوشنویسی در کس گیتی را فرو گرفت یکی[۵] مولانا جعفر که در عصر مرزا شاهرخ بود و دیگری[۶] مولانا اظهر که کمالاتش[۷] اظهر من الشمس است[۸]:

میر عبدالحی[۸]

در[۹] صنعت کتابت و انشا بی همتا بود و در[۱۰] هفت قلم

---

[۱] محمد شاهی: خط نستعلیق میر علی، در اصل حق بجای خط

[۲] محمد شاهی: و حالانکه؛ مثلاً ابوالفضل [۳] در محمد شاهی ندارد

[۴] محمد شاهی: عهد حضرت ..... بنظر آمده پس میر مذکور ازین معنی مخترع خط نستعلیق نوشته اند که میر این خط را بکمال رسانیده و حسن تازه در روی کار او کرده ازین جهت باو منسوب ساخته

[۵] محمد شاهی: و در شاگردان او

[۶] محمد شاهی: دیگر [۷] محمد شاهی: حسن خلقش

[۸] رک به تذکرهٔ دولت شاه ص۳۱۲

مهارت[1] تمام داشت* بادشاه شهید سلطان ابو سعید گورگانی از[2] فضل و کمال او آگهی یافته بتقرب خودش عزّ امتیاز داده بود و خدمت دار الانشا باو مفوّض داشته اعزاز و اکرامش می نمود گویند* خط تعلیق را کسی مانند او ننوشته ❁

مولانا سیمی

از مصاحبان و ندیمان سلطان میرزا بایسنقر بن مرزا شاهرخ بود[3] و غرایب فراوان و نوادر بسیار ازو بظهور می نمود. مشهور است که* روزی در میدان نیشاپور حضور اکابر و جمهور در مدح مرزای مذکور دو هزار بیت بدیهه گفته و[4] نوشته و تخم حیرت و نهال تعجب در اراضی خواطر* سخنوران و خوشنویسان گشت[5] و معارف و اعاظم نیشاپور دربن منشور مرقوم نمودند و چند سطور ازان منشور درین مقام مسطور می گردد که:

مولانا سیمی در حضور اکابر و اصاغر بلده مذکور از هنگام طلوع آفتاب تا وقت شام* صد و بیست مکتوب لطافت اسلوب

---

[1] محمد شاهی: منشی (بجای مهارت الخ) [2] در محمد شاهی ندارد

[3] محمد شاهی: عجب صاحب کمال بود. برای ترجمه حال سیمی رک به لطایف نامه فخری صـ۲۳ و تذکرهٔ دولت شاه ص ۴۱۲ که بیانش اختلافها دارد از متن،

[4] محمد شاهی: حیرت افزای صایر

[5] محمد شاهی: گشته و روزی

که[1] هر یک ازان محتوی بود بر ده سطر* بعید کتابت آورد[2] چنانچه* ارباب انشا و[3] بلاغت و اوستادان فن خط و[3] کتابت بر آن* آفرین و[4] تحسین کردند*.

در سن هشت[5] صد و بیست و پنج وقتیکه طبقات انام از خواص[6] و عوام* حاضر بودند در[7] چهار بحر از خمسه عارف سامی شیخ نظامی[ح] دو هزار بیت در غایت فصاحت و کمال بلاغت در سلک نظم کشیده* بخط نستعلیق به[8] وجهی که پسند ملح کاتبان بی نظیر* بود مرقوم نموده با آنکه طایفهٔ از نغمه سرایان و جمعی از خوانندگان دران مجلس بودند و نقاره و[9] نفیر* می نواختند اصلا ازان اصوات مختلفه فتوری در حواس او راه نیافت و نماز ظهر و عصر را بجمیع آداب و همه شرائط ادا نمود.

لاجرم این بیت نقش نگین آن یگانهٔ اعصار بوده

یک روز بمدح شاه پاکیزه سرشت
سیمی دو هزار بیت گفت و بنوشت

---

[1] محمد شاهی: هر یک مشتمل بر سطر — [2] محمد شاهی: که جمیع

[3] در محمد شاهی ندارد — [4] محمد شاهی: گفتند

[5] اصل: بشش صد - محمد شاهی: سی صد — [6] محمد شاهی: خاص و عام

[7] محمد شاهی: دو هزار بیت در غایت فصاحت در بحر خمسهٔ نظامی بسلک نظم آورد

[ح] اصل: سیامی (بجای سامی)

[8] محمد شاهی: که حیرت افزای خوشنویسان — [9] در محمد شاهی ندارد

مولانا مذکور جوع بسیار داشت منقول ست که نوبتی دو کس از ظرفا برانیکه مولانا[1] هشت من خرما بوزن خراسان می تواند خورد گرو بستند و خرما را بپیش[2] مولانا بردند اتفاقاً دران روز مولانا بعرض ثقل و آزار امتلا ابتلا داشت[3] و صاحب فراش بود چون سبب آمدن عزیزان معلوم نمود گفت[4] خرما را نزدیک تر آرید ورق ۹۸ و دست از زیر لحاف بر آورده شروع در خوردن کرد بعد[5] ازانکه همه را تناول نموده فرمود که یاران شما خرما را با استخوان شرط کرده بودید یا بی استخوان ؟ گفتند : خرما را کسی با استخوان نمی خورد . گفت : من باری با استخوان خوردم تا میان شما هیچ وجه نزاع نماند ؛

مولانا معروف بغدادی

در فن خط[6] و انشا بی مثل و همتا بود و اوایل حال با سلطان جلایر بسر می برد بسببی ازو رنجیده خود را باصفهان رسانید* بسکندر مرزا ابن عمر شیخ مرزا معرفت[7] بهم رسانید و مرزا مقدم او را مغتنم شمرده در اعزاز و اکرام او بسیار کوشید و دران اوقات*

---

[1] در محمدشاهی ندارد　　[2] محمدشاهی : بخدمت

[3] محمدشاهی : داشتند　　[4] محمدشاهی : فرمود　　[5] اصل : وگفت

[6] محمدشاهی : و شعر و انشا بے همتا بود از سلطان جلایر رنجیده

[7] محمدشاهی : بپیوست

قصیدهٔ غرا در جواب سلمان ساوجی که[1] مطلعش مرقوم می گردد در سلک نظم کشیده* بنام نامی میرزا موشح گردانید[2] ؎

ز ترک چشم تو هر تیز غمزه کامد راست
درون سینه نشست آنچنانکه دل میخواست

و میرزا آن[3] یگانهٔ زمان* را در کتاب خانه جا داده مقرر کرد که هر روز صد بیت کتابت نماید[4] و او بموجب فرموده عمل می فرمود - اتفاقاً دران اوقات جناب مولانا پانزده روز علی الاتصال کتابت نکرد و آن قاعده مقرر بجا نیاورد پس ازان که میرزا سبب پرسید - گفت اراده آنست که در یک روز هزار و پانصد بیت نوشته آید بنا بران میرزا در میدان اصفهان مجلسی در غایت زینت و تکلف آراسته باحضار خاص و عام امر نمود و مولانا بحضور اکابر و اعیان از صباح تا رواح هزار و پانصد بیت در نهایت لطافت* مرقوم نمود و ابواب تعجب و حیرت بر[5] روی خرد و بزرگ* کشود ؛

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] محمد شاهی : گردانید بیت مطلعش این است

[3] محمد شاهی : آن

[4] محمد شاهی : روزی من الاتفاقات یک هزار و پانصد بیت در حضور مجمع خاص و عام بخط نستعلیق

مولانا سلطان علی

متاخران منفق[1] اند بران* که نستعلیق را کسی برابر او ننوشته و[2] بر خط اکثر خوش نویسان قلم نسخ کشیده و از مصاحبان و ندیمانِ* امیر علی شیر بود و[3] از موالید احسان آن محسن الزمان بخط اوفی رسیده در کتاب خانهٔ او کتابت می نمود* و بنظم اشعار رغبت[4] داشت و[5] درین فن رایت مهارت می افراشت* این مطلع از اشعار آن بے مثل روزگار است ؎

گل در بهار ازان رخ گلگون نمونه ایست

چون اشک من که از دل پرخون نمونه ایست

و[6] در ایام حکومت سلطان حسین میرزا سن نه صد و ده کاتب قضا نام او را از جریده احیا پاک ساخت* و مولانا اگرچه[7] شاگردان بسیار داشت لیکن[8] ازان جماعت پنج کس درین خط نام بر آوردند و هر یک بطرز خاص و روش تازه بدلربائی گردهی مخصوص گشت* ؛

---

[1] محمد شاهی: برآمند

[2] محمد شاهی: مصاحب

[3] در محمد شاهی ندارد

[4] محمد شاهی: مهارت تمام

[5] در محمد شاهی ندارد

[6] محمد شاهی: لیکن چند کس در نگارش خط که هر یک بطرزی خاص نوشته نام برداشته اند.

اوّل

مولانا زین الدین محمود

نیشاپوری است[1]. و بعضی برانند که نستعلیق را بعد از سلطان علی کسی به ازو ننوشته و از ندمای میر علی شیر بود و در سنه نه صد و نه شرده بطوفان عدم و سیلاب فنا خط هستی او از صفحه عالم محو گردید۔

دویم

سلطان محمّد نور

است[2]. او نیز از ملازمان و مجلسیان* امیر علی شیر بود و[3] خط شناسانِ آن زمان اتفاق داشتند که هیچ کس نستعلیق خفی را نزدیک باو نمی تواند نوشت*۔

سیوم

سلطان محمد خندان

است[4]. و او در اکثر اوقات در خدمت امیر مذکور می گذرانید و از فرط انبساط و* کثرت ضحک خندان[5] لقب یافته

---

[1] محمد شاهی: نستعلیق نویس ندیم میرعلی۔ در اصل گردد بجای گردید۔

[2] محمد شاهی، ملازم

[3] محمد شاهی: که خط نستعلیق خفی برابر او کسی ننوشته۔

[4] محمد شاهی: که بسبب

[5] محمد شاهی: این

بود[1] و در نی نوازی نیز نظیر نداشت و در سنه نه صد و پانزده لوای عزیمت بصوب دارالملک عقبیٰ افراشت*.

چهارم - مولانا محمد قاسم است[1].

پنجم - مولانا علاء[1] الدین محمد است.

مولانا هجرانی*

در[2] سلک مشاهیر خوش نویسان نستعلیق انتظام داشت و بقلم جادو رقم خط امتیاز بر صحایف لیل و نهار می نگاشت و از ندمای امیر علی شیر بود و بتبعیت و تتبع آن امیر روشن‌ضمیر بنظم اشعار میل می نمود* از منظومات اوست ـــ

جفا و جور که آن سرو گلعذار کند
ز عشق او نکنم ترک گر هزار کند

مولانا[3] سلطان علی قاینی[1]

از مجلسیان امیر علی شیر بود. و نستعلیق را خوب می نوشت و یک چند به تربیت و تعلیم یکی از فرزندان سلطان حسین بایقرا افتخار داشت و در سنه نه صد و چهارده نقش وجود او

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] محمد شاهی : از مشاهیر خوش نویسان است

[3] محمد شاهی : و مولانا

از تختهٔ هستی سترده شد* ۰

مولانا[1] علی شیر مشهدی

از مشاهیر خطاطان زمان سلطان حسین بایقراست بصفای خط و طرز نیکو از اکثر خوش نویسان نستعلیق ممتاز بود و امیر علی شیر خط او را بر اکثر خطوط ترجیح می نمود.

حافظ[2] خواجه هروی

از[3] فضل و هنر فراوان بهره داشت و سوای نستعلیق بهفت قلم را بپایهٔ اعلیٰ رسانیده* از مخصوصان امیر علی شیر بود[4] و منصب امامت و خطابت مسجد جامع و پیش نمازی امیر کبیر باو تعلق داشت* این[5] [از] منظومات اوست ؎

شکل هلال ابرویت از چشم تر نرفت
ماهی ز غیر بحر دمی سوی بر نرفت

مولانا درویش محمد[6] باغ شهری

باقواع فضایل و تصنیف رسایل مشهور (۹۰۶) بود و تعلیق را

---

[1] برای علی شیر مشهدی رک بہ بلاخمن (ترجمہ آئین)، ص ۱۰۶ حاشیہ ۲ [2] مح [؟] (زبانی) وحافظ
[3] محمد شاہی: نستعلیق بهفت قلم بود [4] در محمد شاہی ندارد [5] محمد شاہی: این مطلع از
[6] محمد شاہی: باغی، او تعلیق خوب نوشت صاحب قصات [نصاب؟] بوده

خوب می نوشت ـ اکثری از دانایان این صناعت او را بر مولانا عبدالحی تفضیل می دهند ـ با امیر علی شیر مربوط بود و آن صاحب نصاب سخن نصابی جمع کرده* و دیوان ترکی در سلک ترتیب[۱] کشیده و[۲] بکسب دیگر فضایل نیز کوشیده* و این معما باسم قاسم از اشعار اوست ؎

چو مهِ من بنگرد در قمر آسمان
پایه مه بشکند پاش ببوسد روان

خواجه عبدالله مروارید[۳]

(ورق ۴۹۹) بیانی تخلص می داشت ـ چون پدرش محمد کرمانی را یکی از سلاطین تیموری به بحرین فرستاده بود او در وقت معاودت لولوی چند آبدار نزد آن شهریار آورد این لقب یافت. و جمال حال خواجه بلآلی فضل و حلی کمال آرانشگی تمام داشت و* در هفت قلم اوستاد بود. و در[۴] عنفوان شباب بخدمت سلطان حسین بایقرا رسیده صد[ر] صدارتش بفرّ وجود او زینت یافت و در اندک روزگار بمرتبه امارت رسیده بجای امیر علی شیر مهر بر مناشیر زد و پس از فوت سلطان کنج انزوا گزیده بکتابت مصحف مجید موفق گردید. و

---

۱ محمدشاهی : بنظم

۲ در محمدشاهی ندارد

۳ برای ترجمهٔ احوالش رک به لطایف نامه ص۱۷۸ و تذکره دولت شاه ص۵۱۵ . فخری چهار غزل اند در تحفة الحبیب آورده است.

۴ در محمدشاهی ندارد

چون شاه اسماعیل صفوی خراسان مسخر یافت خواجه را از زاویهٔ خمول بر آورده رقم قبول بر ناصیهٔ احوالش کشیده۔ او از ملازمت استعفا نموده بنظم وقایع شاهی مأمور[1] گردید۔ و خواجه در سنه نه صد و سی و دو از زاویهٔ عزلت بکنج لحد رخت کشید۔ و از تصنیف او دیوانی موسوم بمونس الاحباب و[2] تاریخ شاهی* و منشآت و خسرو شیرین شهرت دارد۔ از اشعار اوست ؎

ترسم آنجا که حدیث رخ نیکو گذرد
که بتقریب مبادا سخن او گذرد

[۵]

کمن ای بخت یکره استخوانم گرد دیوارش
که غوغای سگان سازد ز حالِ من خبردارش

و پسرش

خواجه محمد مومن

بفضایل[3] نفسانی اتصاف داشت و در* هفت قلم استاد بود۔ یکچند[4] بفرمان شاه اسماعیل ماضی [متعلمی][5] خلفش سام میرزا افتخار داشت و* از شاه طهماسپ آزرده شده بدارالامان هندوستان نشتافت و در آن

---

[1] اصل: نامور بجای مامور　　[2] محمد شاهی: تاریخ شاهی منظوم

[3] محمد شاهی: ده هر　　[4] در محمد شاهی ندارد

[5] رک به حبیب السیر ۳: ۴: ۱۱۸ سطر آخر و اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۴ء ص۱۲　　محمد شاهی: درین

دیار فی سن نہ صد و چہل و ہشت وفات یافت ۔ گویند وقت توجہ بہند غزلی گفتہ بود کہ این دو بیت از آن ست [۱] :

بس کہ گردون ہمچو خود میخواست سرگردان مرا
عاقبت کرد از غمت سرگشتۂ دوران مرا
بسکہ خون پالاست چشم بی تو خواہد شد خراب
شہر مستی دمبدم از موج این طوفان مرا

و خواجہ عبد اللہ صیرفی و مولانا محی شیرازی و مولانا شیخ محمود و مولانا عبد اللہ ہروی کہ بطباخ مشہور است و مولانا ابابکر ہروی [۲] ہر یکی ازین نادرہ کاران مانی نگار ہفت خط را کہ ثلث و توقیع و محقق و نسخ و ریحان و رقاع و تعلیق باشد بغایت خوب* نوشتند [۳] این ہفت قلم را بدرجۂ عالی رسانیدہ* و بخوشخطی بلند آوازہ گردیدند ؛

خواجہ اختیار

در [۴] خط تعلیق شہرہ روزگار* منشی الممالک سلطان حسین میرزا بود [۳] و بسبب قرابت امیر علی شیر کمال عزت و اعتبار داشت* ؛

---

[۱] در مرآۃ آفتاب نما برین ہا نام حافظ قوطہ ہروی را افزودہ ۔

[۲] محمد شاہی : ہمہ ہفت قلم

[۳] در محمد شاہی ندارد

[۴] محمد شاہی : تعلیق نویس

ملّا درویش

در[1] خط تعلیق اوستاد است با خواجه اختیار منشی معاصر بود چون خواجه مذکور بامیر علی تشیر قرابت داشت کار ملّا رونق نمی گرفت از عسرت چندی بترکستان رفته آنجا نیز کشایشی نیافت و مدتی بوضع قلندری بسر می برد و در آوان ظهور دولت صفویه بخدمت شاه اسمعیل شتافته در جرگهٔ منشیان منسلک گردید و رونقی در کار او پدید آمده بود که پیک اجل مراحل زندگی او طی نمود*۔

مولانا میرعلی

در[2] اصل* از سادات هرات است[3] ۔ اما در مشهد مقدس نهال قابلیتش نشو و نما یافته ۔ خطوط بی نظیرش روشنی بخش و جلای افزای دیده وران است و اشعار دلپذیرش قابل تحسین نکته سنجان و سخن پروران ۔ انامل کوامل او رقم نسخ بر رقاع استاذان قلم کشیده و قلم مانی رقمش نقوش غریبه بر صحایف روزگار مثبت گردانیده ۔ اکثری او را از شاگردان مولانا[4] زین الدین می دانند

---

۱ محمد شاهی : تعلیق نویس ۲ در محمد شاهی ندارد

۳ رک به فهرست بانکی پور ج ۲ ص ۷۹ برای نسخهٔ خطی او- محمد شاهی : سرهمه خوش نویسان و شاعران معاصر خود بوده

۴ رک به ص ۳۴۲

د می گویند کہ از خطوط مولانا سلطان علی مشہدی نیز استفاده نمود و از بعضی کتب معلوم می گردد کہ او شاگرد مولانا سلطان علی است و بیمن صحبت و تربیت او سر دفتر خوش نویسان آفاق شده و درین فن یگانہ و طاق گردیده و از حدت فہم و اصابت ذہن و فروغ خاطر تیغیر روش پیش نموده دخلہای نمایان کرد و تصرفات یادگار گذاشت[1] و گروہی خط او را بر خط استادش سلطان علی ترجیح می دہند و طایفۂ خط اوستاد را بوجہی بر خط میر علی و خط میر علی را بوجہی دیگر بر خط اوستاد ترجیح می دہند و میر علی در سنہ نہ صد و بیست بسبب انقلاب و طغیان حوادث از خراسان در زمان شاہی بیگ خان بماوراءالنہر شتافتہ عزت تمام یافت و در سنہ نہ صد و بیست و چہار ازین سرای ناپایدار بدارالقرار ارتحال نموده و این اشعار آبدار از ان یگانۂ روزگار است ؎

عمری از مشق دو تا بود قدم ہمچون چنگ
تاکہ خطِّ منِ بے چاره بدین قانون شُد
طالبِ من ہمہ شاہانِ جہانند و، مرا
در بخارا جگر از بہر معیشت خون شُد
سوخت از غصّہ درونم چکنم چون سازم
کہ مرا نیست ازین شہر رہِ بیرون شُد

---

[1] در مجمع شاہی نماند

این بلا بر سرم از حسن خط آمد امروز
وه که خط سلسلهٔ پای من مجنون شد

مولانا خواجه محمود[1]

شاگرد بلا واسطهٔ ملا میر علی ست. خط[2] های خفی و جلی او بسیار عالی ست گاهی قطعهٔ ز کتابت خود را بنام ملا میر علی می کرد و مردم کمتر می شناختند. ملا میر علی برسم طیبت قطعهٔ در حق او گفته ؎

خواجه محمود آنکه[3] یک چندی — بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر[4] تعلیم او دلم خون شد — تا خطش گشت قابل تحریر
در حق او نرفته تقصیری — لیک او هم نمی کند تقصیر
می نویسد هر آنچه از بد و نیک
جمله را می کند بنام فقیر[5]*

مولانا[6] محمد حسین تبریزی و مولانا حسن علی[7] مشهدی میر[8] معز کاشی

---

۱ یعنی محمود اسحٰق (= محمود شهابی) رک به عالم آرای جاسی ص ۱۲۴
۲ محمد شاهی : بعینه چون خط میرعلی می نوشت
۳ عالم آرای : گرچه
۴ این بیت را در عالم آرای ندارد
۵ برای جواب خواجه محمود رک به عالم آرای
۶ رک به عالم آرای ص ۱۲۴ ببعد ۷ در محمد شاهی ندارد

و میرزا[1] ابراهیم اصفهانی (ورق ۵۰۰) و میر احمد[2] مشهدی و مولانا شاه محمد نیشاپوری هریکی ازین جادو رقمان مانی نگار* بعد (از) مولانا میرعلی خط نستعلیق را[3] بطرز خاص نوشته مقتدای گروهی گشتند و بدل فریبی جمعی مخصوص شدند[4] و دیگر خوش نویسان و خطّاطان که در ایران و توران در زمانِ سلاطین گورگانیه نوبت خوش نویسی نواخته اند و در ایام شاهان صفویه رایت مهارت درین صنعت افراخته اگر اسامی و احوال آنها نوشته شود سخن درانه گردد و این مختصر از مطولات بگذرد ناچار* بهمین قدر اکتفا نمود[5] و چندی را از خطّاطان که در هندوستان و عراق کوس خوشنویسی نواخته دمی نوازند درین جریده مذکور می سازد*؛

میردوری[6]

سلطان بایزید نام. در[7] سلک ملازمان* عرش آشیانی انتظام[8] داشت و از جناب سلطنت* بخطاب کاتب الملکی فرق عزت می افراشت. طبع نظم داشت و اشعار آبدار بر صحایف روزگار

---

[1] رک به عالم آرای ص ۱۲۴ [2] تصحیف محمود؟

[3] در محمدشاهی ندارد.

[4] محمدشاهی: در ایران و توران خوشنویسان بسیار رقم نگاشته اند و درین مختصر تاکی بیان نماید

[5] محمدشاهی: از خطاطان هندوستان و عراق بر جریدهٔ روزگار ثبت می نماید

[6] برای ترجمه اش رک به بداؤنی ۳: ۲۲۷ [7] محمدشاهی: ملازم

[8] محمدشاهی: ممتانه بوده اشعار لطیف می گفت.

می نگاشت و آخر عمر توفیق حج یافته بحجاز شتافت و بزیارت حرمین محترمین فایز شده داعی حق را لبیک اجابت گفت ازو است ؎

گر در درون جانی گر در دل حزینی
از شوخیی که داری یک جا نمی نشینی

و از شاگردان میر مذکور

خواجه ابراهیم حسین

که از ملازمان اکبری بود خط[۱] نستعلیق را به کمال رسانیده بخوش نویسی شهرت داشت و* در[۲] عین جوانی ازین منزل فانی بمنزهات جاودانی رخت کشید و* **قادری**[۳] بداؤنی در تاریخ این رباعی منظوم گردانید ؎

بر موجب حکم پادشاه کونین
در ماه صفر خواجه براهیم حسین
چون کرد سفر ز عالم پر شر و شین
تاریخ شدش خواجه براهیم[۴] حسین
۱۰۰۱

---

[۱] در محمد شاهی ندارد   [۲] محمد شاهی : رخت بمنزل جاودانی کشیده

[۳] بداؤنی (۳ : ۲۲۸ ببعد) ترجمهٔ خواجه را نوشته است و گفته که وی از مصاحباس است و از بزرگ زادگان بلدهٔ بلوط و خویشان نزدیک شیخ عبدالرحمن لاهوری بلوطی

[۴] اصل: ابراهیم ' بداؤنی : ابراهیم

اشرف خان میر منشی

از سادات حسینی مشهد مقدس است [۱] در سلک امراء [۲] عرش آشیانی انتظام داشت و در [۳] هفت قلم اوستاد [۴] در فن شعر [۵] صنعت انشاء بی همتا بود [۶] احوال آن صدر نشین مسند سخنوری در اکبر نامه و طبقات اکبری مفصل مذکور است . و درین جریده نیز بجای خود مرقوم و مسطور [۷] از اشعار اوست ؎

یا رب تو مرا بآتش قہر مسوز
در خانۂ دل چراغ ایمان افروز
این کسوت بندگی که شد پاره ز جرم
از راه کرم برشتهٔ عفو بدوز

و از شاگردان او [۸] که درین دیار بخوشنویسی شهرت داشت [۹]

---

۱ محمد شاهی : ملازم
۲ در محمد شاهی ندارد
۳ محمد شاهی : بی نظیر
۴ در محمد شاهی ندارد ؛ ذکرش در هر سه جلد اکبرنامه موجود است رک به فہارس کتاب طبع کلکته نیز رک به طبقات طبع نول کشوری ۱۸۷۵ء ص ۳۸۲
۵ مآثر الامرا (۱ : ۵۵) : خلعت (بجای کسوت)
محمد شاهی : مثل متن
۶ محمد شاهی : رشید او

محمد یوسف

بود - او در عنفوان شباب سنه نه صد و هفتاد[1] اسیر شر[2] پنجهٔ گرگ اجل گردیده و* تاریخ وفاتش را اشرف خان یافته ؎

کجا شد ..یوسف مصرای عزیزان

۹ ۷ ۰

میر عماد

شاگرد[3] . ملا محمد[4] حسین تبریزی[4] است*: خط او را بر خط اوستادش ترجیح می دهند[5] اکثر قطعه و خط خود را بنام[6] اوستاد می کرد. اگرچه خط خود را بنام اوستاد کردن عیب است ازین جهت که بهتر از اوستاد می نوشت این را معیوب نداشته اند. شاه عباس صفوی بسبب گمان تسنن یا تصوف که در حق آن یگانهٔ عصر داشت روزی بر زبان گذرانید که کسی نیست مرا از دست این مرد خلاص کند. یکی از صوفیان عالی این سخن شنیده بمجرد بر آمدن میر از مجلس سرش از تن جدا ساخته بخدمت شاه آورد. بر حقیقت مطلع شده افسوس بسیار نمود و ازان کرده پشیمان بود اما [ع]

دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست

---

[1] اصل: هشتاد جو مصرع تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا. تصحیح از روی محمد شاہی

[2] محمد شاہی: پنجهٔ تقدیر گردید [3] مکرر دراصل [4] در محمد شاہی ندارد.

[5] باقی ترجمہ محمد شاہی میں نہیں ہے [6] اصل: نام

ملا علابیگ تبریزی

در نسخ و ثلث از اوستادان است و* خط او با خط یاقوت بمنزلۀ خط میر عماد است با خط ملا میر علی*.

ملا عبدالباقی تبریزی

در[1] همت قلم اوستاد[2] بود و بعضی او را تفوق می دهند بر ملا علی [علا؟] بیگ بعضی ملا علی [علا؟] بیگ را به ازو می دانند. و حق آن است که هر دو در رتبۀ خود استاد اند او از* خوشنویسان[3] عهد شاه عباس ماضی بود ٭

مولانا[4] محمد حسین زرین قلم[5] کشمیری

در خط نستعلیق ید بیضاء می نمود. عرش[6] آشیانی بر کمالات او

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] محمد شاهی: ملا میرعلی نزدیک است

[3] محمد شاهی: خوش نویس

[4] واقعات کشمیر (میرا قلمی نسخه ورق ۱۰۹) ملا میر حسین بهره از علوم رسمی داشت و از خدمت مولانا میر علی کسب خط نستعلیق نمود باندک مدتی کمال این فن حاصل کرده، بی نظیر وقت شد. مفاخر ایران و توران می بردند و سلاطین کتابه می نوشتند (کذا) ملا محمد (مراد) زرین قلم (کذا) از مشاهیر خوشنویسان است شاگرد اوست. بعضی بیک واسطه می گویند و الله اعلم نیز رک به حاشیه ۲ ص ۵۶.

[5] محمد شاهی: رقم: در ۲۹ نمره ۳۱ وی خودش خود زرین قلم می نگارد

[6] ایضاً: حضرت عرش الخ

مطلع شده در سلک ملازمان منسلک[1] ساختند و بتعلیم شاهزادگان پایۀ عزت و اعتبارش بر[2] افراختند خوشنویسان هند و نقش طرازان این کشور وسیع که عمر گرامی درین تصویر خاص صرف کرده اند بر این معنی اتفاق دارند[3] که نستعلیق را در هندوستان برابر او کسی ننوشته و آن نادرهٔ عصر در سنه هزار و بیست ازین دار ملال به نزهت سرای بی زوال انتقال نمود ؛

ملا علی رضای عباسی

از اہل صفاہان ست سابقاً[4] ثلث را خوب می نوشت چون شاه عباس ماضی رٔا با میر عماد ببیبی که بالا ذکر یافت سوء مزاجی بہم رسیده بود ملا علی رضا که بخدمت کتابداری و تقریب اختصاص داشت تربیت نموده بجای رسانید که مرقعی از خط ملا میرعلی و خط او[5] جمع نموده که همان ترکیبی که ملا نوشته بود او هم نوشت و تمام مرقع بهمین دستور مجلد شده که دو صفحهٔ قرینهٔ اولین خط ملا است و دویمین خط ملا علی رضاست[6] داد خوش نویسی داده ؛

---

[1] ایضاً : منتظم [2] ایضاً : را بر افروختند

[3] ایضاً : جمهور نقش طرازان این نگار دل پذیر متفق براند.

[4] محمد شاهی : ثلث و نستعلیق هر دو را خوب می نوشت۔ وی مذکور است در عالم آرای عباسی ۲ : ۵۱۹

[5] محمد شاهی : مرقعی بخط او و ملا میرعلی [6] در محمد شاهی ندارد.

میر خلیل باخرزی

نستعلیق را خوب می نوشت فاما اصلاح بسیار می کرد. می گفت خوش نویسان دیگر بقلم می نویسند و من بقلمتراش. درمشق اوستاد نگرفته[1] از روی خط ملا وغیره اوستادان قدیم مشق نموده[2]

میر عبد الله الترمذی[3]

از اولاد شاه نعمت الله ولی. خط[4] نستعلیق را بنهایت صاف باصول و اسلوب می نوشت[5] از حضرت عرش آشیانی و جنّت مکانی بخطاب مشکین قلم و تخلص وصفی افتخار اند و ز مباهی بود چنانچه خود می فرماید[6]

وصفی تخلص من و مشکین قلم خطّاب[7]
این نامها ز شاه و شهنشاه یافتم

و باوجود کثرت اسباب تعلق بآزادی می زیست. منظومات بسیار دارد و اشعار عاشقانه او اهل حال را بوجد می آرد و نسبت ارادت بشیخ فیض الله سهارن پوری که در سنه هزار و بیست و چهار رحلت نموده داشت. و شیخ مذکور از خلفای شیخ نظام نارنولی بود و آن میر صافی ضمیر[8] در سنه هزار و

---

[1] محمد شاهی: بر تعلیم مشق نموده
[2] اصل: الترذی
[3] در محمد شاهی ندارد
[4] محمد شاهی: رقم

بیست و پنج رخت بعالم دیگر کشید پنج مثنوی و یک دیوان دارد[1]
از واردات طبع اوست ؎

ای داده خوی تند تو رونق عتاب را
افزود گونه گونه بدل اضطراب را
نی حرف با کسی و نه گوشی بحرف کس
برهم زدی شعار سوال و جواب را

و پسرش میر صالح بعلم[2] و دانش آراستگی داشت* و نستعلیق را خوب می نوشت و[3] کشفی تخلص می کرد در[4] ابتدای حال* بفقر و قناعت در[5] زی درویشان* می گذرانید و[6] آخر عمر* فردوس آشیانی بخواهش تمام او را بمنصب سرفراز ساختند و[7] او بپایه امرائی رسیده* در سنه هزار و شصت و یک روانه شهرستان عدم گردید.

نقل است که روزی فردوس[8] آشیانی شاه جهان بادشاه ازان معارف آگاه پرسیدند که سن شما چند است؟ گفت پنج سال. بادشاه متعجب شده از حقیقت این سخن استفسار کردند. گفت: عمر همانست که در سعادت بندگی و خدمت حضرت صرف شده و بادشاه ازین لطیفه خوش وقت شده بمزید[9] عنایت و التفات

---

[1] محمد شاهی: از یادگار اوست
[2] در محمد شاهی ندارد
[3] محمد شاهی: دور شعر
[4] محمد شاهی: درویشانه
[5] محمد شاهی: حضرت
[6] محمد شاهی: حضرت فردوس الخ
[7] در محمد شاهی ندارد

پایهٔ* قدر و منزلت او را افزودند[1] و او صاحب تصانیف است و[2] از مؤلفات او مناقب مرتضوی مشهور و سخنان آن کتاب افادت مآب در محفل دانایان و دانشوران مذکور* راز، اشعار اوست ؎

نظر به بی کسیم کن که قطرهٔ آبی
بکام من ندبد کس بغیر چشم ترم

تاریخ فوتش ازین مصراع مستفاد می گردد. ع

میر صالح برفت از عالم
۱۰۶۰

برادرش[3]

میر مومن

عرشی تخلص* بعلم و فقر مهارت تمام داشت و[4] خط نستعلیق چند صفحه[5] بتقلید خط ملا میر علی بنامش[6] نوشته بشاه شجاع گذرانیده و شاه شجاع[7] بامعان نظر و تامل اهل آن هنر* خط ملا تصور کرده دو هزار روپیه انعام فرمود. بعد ازان میر ظاهر ساخت که خط من است. شاه شجاع بسیار پسندیده زیاده[8] بر تحقیق

---

[1] محمد شاهی: از پیشتر بیشتر افزودند　　[2] در محمد شاهی ندارد
[3] برادر او میر مومن عرشی تخلص می کرد　　[4] محمد شاهی: و در
[5] محمد شاهی: قطعه (بجای صفحه)　　[6] محمد شاهی: نمود (بجای گذرانیده)

سنجیده* از روی مهربانی هزار روپیه[1] و سراپا بران افزود ۔ میر[2] عرفان پذیر از مشرب علم تصوف تر زبان بود و اوایل حال بوجد و سماع نیز میلان داشت و در عهد اعلی حضرت فردوس آشیانی سلیمان شکوه*[3] را تعلیم خط[4] میداد ۔ درین آوان جمعیت نشان* بوظیفه از سرکار جهان[5] مدار اعظم منظر آفرید گار منعم* موظف بوده[6] اوقات بقناعت می گذرانید* ۔ در سنه یک هزار و نود و یک رکه سنین عمرش بنود رسیده بود برحمت حق بپیوست ۔ عزیزی[7] تاریخ فوتش سید عرشیان میر مومن یافته ۔ از اشعار اوست

۱۰ ۹۱

کشادِ غنچه اگر از نسیم گلزار است
کلید قفل دل ما تبسم یار است
بیا بچشم ترِ ما جمالِ خویش ببین
که همچو آئینه آب[7] راست گفتار است
[س] بچشم خویش نگر گر دل تو آگاه است
که این دریچه گذرگاه جلوهٔ شاه است
بناله در شبِ غم [نمی توان] بدوست رسید
که شمع وادی مطلب فتیلهٔ آه است

---

[1] محمد شاهی : روپیه دیگر
[2] محمد شاهی : و سلیمان شکوه ۔ اصل : او اہل بجای اوایل
[3] محمد شاهی : می داد ر
[4] محمد شاهی : والا
[5] محمد شاهی : بود
[6] در محمد شاهی ندارد
[7] محمد شاهی : و آب
[8] از روی محمد شاهی

میر محمد شریف

همشیره زادهٔ میر عبد الله. خط نستعلیق را[1] خوب می نوشت و از حضرت جنت آشیانی خطاب کاتب السلطانی یافته و میر عبد الله او را بجای فرزند تربیت نموده وقت رحلت جانشین خود ساخته بود و او باوجود کمالات گمنامی پیشه خود کرده در ملک فقر نام آوری داشت و وجه قوت از کسب دست پیدا کرده وجه معیشت خود می کرد. در سنه یک هزار و پنجاه راقم احوال اعمال نامه عمرش بسر آورد* ؛

محمد مراد کشمیری[2]

از خوشنویسان عهد حضرت جنت مکانی است و تا اوایل

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] واقعات کشمیر میں اس کا حال یوں لکھا ہے:

ملا محمد مراد زرین قلم سوداگر بود و مایل بخط نستعلیق شد. در مشق آن خون جگری خورده و باصلاح میر حسین [یعنی ملا محمد حسین کشمیری] که در آن وقت از خوش نویسان روزگار [...] رسانید. در اندک زمانی فوقیت بر اقران حاصل کرده، یگانهٔ وقت شد. شلغمی می نوشت بخلاف آقا رشید که او در آن وقت در ایران طرز بادامی داشت. بالجمله آوازه کمال ملا محمد مراد بسامع شاه جهان بادشاه رسید داخل کتاب (کذا) نویسان دربار شد. چنانچه کتابهٔ اکثر عمارات دولت خانه باغات بادشاهی بخط مولوی است الحق عجب آفرینی و طرفه تازگی دارد (صفحه ۱۱۵ پر)

زمان سلطنت حضرت فردوس آشیانی نیز بود* خطش در رتبه قریب بخط ملا محمد[ا] حسین کشمیری ست ❊

میرزا محمد حسین شکسته نویس

صفاهانی الاصل است پدرش میرزا شکر[ا] الله* در زمان شاه طهماسپ مستوفی الملک بود و در عهد شاه اسمٰعیل ثانی بمنصب اعتماد الدوله امتیاز داشت - تعلیق را بمرتبهٔ اعلی می نوشت - لیکن[۲] هر چند سعی نمود خطش برتبهٔ ملا درویش نیافت مخترع[۳] شکسته تعلیق گشته دوران یگانهٔ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴: و شیرینی در تحریر که گویا تصویر است بکار برده از جناب بادشاه مخاطب بر زرین قلم شد (ورق ۱۳۵)

حاشیہ صفحہ ہذا: [ا] در محمد شاهی ندارد

[ا] اصل: سیف الله تصحیح از روی محمد شاهی و تذکرهٔ خوش نویسان ص ۱۰۳ - اسکندر منشی (عالم آرای عباسی ص ۱۲۶) پر لکھتا ہے: میرزا محمد حسین ولد میرزا شکر الله که پدرش مستوفی الممالک شاه جنت مکان (شاه طهماسپ) [بود] تعلیق نویس بی بدل و خوش نویس بی مثل و مانند بود بعد از میرزا احمد او ترقی عظیم کرده خط تعلیق را بسرحد کمال رسانید - او نیز تتبع روش مولانا درویش کرده - اما باعتقاد مسود اوراق اگرچه هر دو پایه خط بر سطح بنیان قلم درویش نهاده اند اما هر دو صاحب طرزند و هر کدام این خط را بطرزی علیحده نوشته اند که هیچ کدام کمتر از مولانا درویش نیست رطوبت طرز در خط میرزا محمد حسین ..... بیشتر از خط میرزا احمد است - او در زمان حضرت اعلی (شاه عباس) بجانب هند رفته در سلک ملازمان و منشیان فرمانروای هندوستان منسلک گردیده در آن سواد اعظم خط ممات بر صحیفهٔ زندگی نگاشت [۲] در محمد شاهی ندارد - در اصل مخترع ..... کرده" تصحیح قیاسی است -

آفاق گردید و منظور نظر حضرت جنت مکانی بود* ؛

تهوّرخان

در[1] سلک* امرای جنت آشیانی و اعلی حضرت فردوس[2] آشیانی انتظام داشت و خالی از سودای [سوادی؟] نبود و نستعلیق* جلی را خوب می نوشت[3] و لطایف و نکات از و سر می زد و نقل های رنگین و حکایات شیرین ازو نقل می کنند، گویند روزی مجلس بیاراست و مردمان را بضیافت طلبید، آقا[3] رشید* که در خط نستعلیق او هم رشد کمال دارد دران انجمن حاضر بود و جمیع اعزّه در ایوان خانه نشسته گرم حرف بودند که خان یکبارگی بحجره در رفته بعد از ساعتی شمشیر علم کرده بر سر آقا رسید که شنیده ام که تو از شاگردی من انکار می کنی. رعب تمام بر آقا استیلا یافته بالحاح گفت : خانم آخر چه می فرمائی ؟ گفت در حضور اعزّه بگواهی زبان خطی باعتراف شاگردی بنویس. آقا[4] بگفته اش کام ناکام خط اعتراف بر نگاشت و از ستم ظرفیتش[4] امان یافت ؛

امانت خان

برادر علامی افضل خان، نسخ[5] خط او خط نسخ بر خطوط

---

[1] در محمدشاهی نماند
[2] محمدشاهی میں تہور خان کا حال یہاں ختم ہوتا ہے۔
[3] اصل آغاز شد
[4] اصل ظرفیتش
[5] محمدشاهی: نسخ نویس صاحب کمال بود

نسخ نویسان روزگار کشیده مشاهدهٔ صورت آن اہل نظر و دیده وران معنی آفرین را جلای بصر می افزوده و کتابهٔ (ورق ۵۰۲) درون گنبد آسمان رفعت متبرکهٔ[1] مهد علیا مریم مکانی ممتاز الزمانی نگاشتهٔ کلک جواهر سلک اوست ـ و در سنه هزار و چهل و هفتم هجری فردوس آشیانی در جایزهٔ آن بانعام فیل و عنایت خلعت[2] آن نادرهٔ عصر را ممتاز فرموده بودند. و آن خان سعادت نشان رباط عالی بنای و باغ روح افزای نزدیک بدار السلطنت لاهور ساخته و بر دروازهٔ سرا بخط نسخ کتابهٔ نگاشته که بصر بصیرت از تماشای آن حظّ وافر می رباید ـ و او در سنه هزار و پنجاه ازین رباط فانی بسرای جاودانی رحلت نمود (و) در باغی که نزدیک سرای خود ترتیب داده مدفون گردید[3] ؛

ملا معزّ

از شاگردان ملا عبد الباقی تبریزی است ـ هفت قلم را خوب می نوشت ـ از خوش نویسان زمان شاه عباس ثانی است ـ شاگرد او

محمد نصیر

در ثلث و نسخ و رقاع خوش نویس است ـ نستعلیق را

[1] یعنی روضهٔ ممتاز محل آگره [2] در محمد شاهی ندارد

[3] در محمد شاهی ندارد

هم سابقاً خوب می نوشت [۱] درین خط اول شاگرد میر سید علیخان جواہر رقم بود ۔ در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ والا تبار محمد کام بخش است و اعیان دربار راغب صحبت او۔

آقا تزابا [۲]

اصفهانی است شاگرد میر عماد...... مشق کردہ [۳] در اوایل گاہی فکر شعر نیز می کرد۔ و در اواخر مدرس شیخ یحیٰی قسم دادہ بودش کہ شعر مگو کہ نا مشروع است و این چند بیت ازوست ؎

تاکہ عشقت بدلم رنگ ۰ وفا ریختہ است
شوق وصلِ تو بجان آبِ بقا ریختہ است
ہیچ دردی بتر از علتِ بیدردی نیست
درد نایاب بود ورنہ دوا ریختہ است [۴]

آقا رشیدا [۵]

شاگرد و ہمشیر زادۂ میر عماد بفنون [۶] دانش و خوش ذاتی

---

[۱] در محمد شاہی ندارد ۔ تزابا کے ترجمہ کا ایک حصہ محمد شاہی کے اس نسخہ میں ملا معز کے ترجمہ کے ساتھ مل گیا ہے۔

[۲] اصل: تزاباہی ؛ اصل میں یہ جملہ اسی طرح سے ناقص ہے

[۳] اس کے بعد محمد شاہی میں ہے: در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ محمد کام بخش است

[۴] محمد شاہی: رشید [۵] محمد شاہی: و با وصف نیک ذاتی خط نستعلیق خوب می نوشت۔

آراستگی داشت . از خط نستعلیق بقلم مانی رقم رقوم دلپذیر و نقوش نگاه فریب بر صحیفهٔ دهر می نگاشت[1] و در عهد حضرت فردوس آشیانی بهند آمده در[2] سلک ملازمان آنحضرت انخراط یافت و از جوهر کاردانی در خدمت آن پادشاه افاضل پناه ترقی کرده همواره بخدمات لایقه ممتاز بود و در عهد سعادت مهد که[3] بکبرسن رسیده[4] بخدمت بیوتاتی مستقر الخلافه اکبر آباد سرافرازی دارد[5] و در غایت رفاهیت بسر می برد[6] ؛

ملا محمد امین[7] مشهدی

در نستعلیق از شاگردان آقا رشید است در هفت قلم دیگر نیز مهارت داشت . بادشاه[8] نامهٔ حضرت فردوس آشیانی بغایت[9] خوب نوشته و بعنایات صله سرافرازی یافته ؛

اعتمادخان

که الآن[10] در عهد سعادت مهد بحسب شرافت سیادت و مناسبت[11] اسمی بخطاب اشرف خان امتیاز دارد . بجامعیت جمیع کمالات

---

[1] محمد شاهی : به ترقی رسیده [2] محمد شاهی : کبر سن

[3] محمد شاهی : یافته و مشمول تلطفات عالمگیری گشته [4] در محمد شاهی ندارد [5] محمد شاهی : شاهنامه

[6] محمد شاهی : را [7] محمد شاهی : از شرافت ذاتی به اشرف خانی امتیاز یافته مجمع جمیع کمالات انسانی بود

[8] دیکهو ۲۹ : نمبر ۳۰ [9] یعنی نامش میر محمد اشرف بود : رک به ۲۹ نمره ۹۳

نفسانیه موصوف و باحتواء فضایل انسانیه معروف* رتبهٔ خطوط نسخ و شکسته* تعلیق و نستعلیق بدرجهٔ کمال رسانده نقوش عواطف بر الواح خواطر اصاغر و اکابر می نگارد و بشمول عنایات خلیفة الرحمانی و وفور مهربانی حضرت ظلّ سبحانی مسند خانسامانی سرکار فلک اقتدار بذات ملکی ملکاتش زیب و زینت دارد* از بس که ذایقهٔ اش چاشنی گیر نعمت تصوف ست مثنوی مولوی را انتخاب نموده بشغف مطالعه آن شیرین کام است[1] و بصلاح و عبادت و پرهیزگاری و تقاوت ذخیره اندوز حسن اختتام* ؛

کفایت خان

ولد مقیم خان نبسهٔ[2] میرزا محمد حسین شکسته نویس. بکفایت و کاردانی یگانهٔ زمان است و بخوش نویسی بے نظیر دوران. خط تعلیق و شکسته* تعلیق را. درین[3] عصر کسی برابر او تواند نوشت و امروز در سلک امرای عظام انتظام دارد ؛

میر سید علی خان

بفضایل[4] نفسانی و کمالات انسانی اتصاف دارد و خط نستعلیق

---

[1] در محمد شاهی ندارد

[2] محمد شاهی: رسانیده بخدمت خانسامانی حضرت عالمگیر بادشاه سرافرازی یافته دبهای رسانده......دارد

[3] محمد شاهی: بود [4] در محمد شاهی ندارد (باقی صفحه ۲۲۱ پر)

را بکمال رسانیده شاگرد پدر خود* محمد[1] مقیم است . و میر مذکور شاگرد میر عماد بود . و خان مسطور* در اوان بادشاهزادگی[2] بتعلیم حضرت جهانبانی[3] افتخار اندوختند* . همدران[4] عهد مخاطب بجواهر رقم گردید و فی الواقع کلک جواهر سلکش قلم تنزئیف بر صحایف خط خطّاطان آفاق کشیده و قلم مانی رقم او نقوش دیده افروز و رقوم جلا بخش بر صحیفهٔ روزگار مثبت گردانیده . جادو رقمی که بخامه سحرکار نگه ربای خوشنویسان دیده ور و نظر فریب دانایان هنرگستر است و آن سید حسب* هزاری و[5] خطاب خانی و* داروغگی کتاب خانهٔ اعلیٰ[6] سرافراز و بعنایت خدیو خدا آگاه امتیاز داشت . پدرش پیش از مرحله پیمای زندگی گردید و آخرهای عمر مرضی از نوع سودا تا مدت یک سال برو طاری شد که بافراط خنده* بی اختیار از هوش می رفت تا در[7] زمانی که خطهٔ فیض بنیاد اورنگ آباد نزول موکب گیتی پیما رونق داشت

بقیه حاشیه صفحه ۲۲۰ : [8] محمد شاهی : برابر او کسی نمی تواند نوشت . در سلک و نزاری عظام حضرت خلد مکان است.

[9] محمد شاهی : خلف

حاشیه صفحه هذا : [1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی : شاهزادگی

[3] محمد شاهی : خلد مکان افتخار اندوخته [4] محمد شاهی : و در همان عهد بخطاب جواهر رقم معزز گردیده - اصل : بنظر فریب (بجای نظر فریب)

[5] در محمد شاهی ندارد [6] محمد شاهی : خلعت امتیاز پوشیده (باقی صفحه ۲۲۲ پر)

جهت استعلاج بدارالخلافه شاه جهان آباد رخصت یافت* این اشعار ازوست ؎

نفسی[1] سوخته فریاد خموشی دارم
ناله[2] در گروِ سرمه فروشی دارم

[؎]

عشقبازانِ تو از دل خون بداماں می کشند
هر نفس بر سینه طرح صد گریبان می کشند

در شبِ غم سوختم داغِ سیه مستانه[3]
کز سوادش سرمه در چشمِ غزالان می کشند

من نه آن برقم که خاشاکی ز من بیند زیان
خار ها از آتشم بیهوده[4] داماں می کشند

[؎] خوش آن روزیکه شوقت می کشید از دیده طوفانها
جنونم سکّه بر زنجیر می زد در بیابانها

حاجی قاسم

شاگرد ملّا فتح الله شیرازی۔ خط نسخ را غایتاً باسلوب ـ[5]

بقیه حاشیه صفحه ۲۲۱: در آخرهای عمر سودا زده به خندهٔ

* محمد شاهی: سن بیست و هفتم جلوس عالمگیری بعالم بقا یافت

حاشیه صفحه هذا: [1] محمد شاهی: نفسم [2] محمد شاهی: ناله ام

[3] اصل: بیهوده ـ تصحیح از روی محمد شاهی [4] محمد شاهی: نوشته

مناهی [تناسبی ؟] می نویسد* در[1] عهد بادشاهزادگی بادشاه خدا آگاه تعلیم این خط (ورق ۵۰۳) انو گرفته اند. پسرانش میرزا محمد و عبد الله خط نسخ را از پدر کسب نموده برتبه رسانیده اند و منظور نظر تربیت حضرت خلیفه الٰهی اند* ؛

حاجی عبد الله

ثلث و رقاع خوب می نویسد[2]. خصوصاً در نسخ طومار[3] یاقوت را بجای رسانیده که مسلم الثبوت است و در جلد نویسی طی قلم دارد. چنانچه* یک مرتبه در[4] خدمت* بادشاهزادهٔ والا گهر ستوده شیم محمد معظم از لاهور عازم[5] شاه جهان آباد بود در پانزده روز عرض راه* قرآنی بغایت خوب نوشته[6] از نظر عالی گذرانید ؛

سعید امرد[ع]

درویش مشرب است[7]. نسخ را خوب می نویسد* شاگرد کسی نیست در عراق و ماوراء النهر بخوش نویسی شهرت[8] داشت

---

[1] در محمد شاهی ندارد — [2] محمد شاهی : می نوشت

[3] محمد شاهی : طرفه جلد نویسی داشت — [4] محمد شاهی : بنا بر ملازمت

[5] محمد شاهی : بشاه جهان آباد معزم گشته در عرصه پانزده روز

[6] محمد شاهی : امر — [7] محمد شاهی : نسخ نویس

[8] محمد شاهی : مشهور در هندوستان آمد — ع بظاهر وی محمد سعید انصاری ست رک به ۲۹ نمره ۹۲

بهندوستان جنت نشان آمده در اوایل جلوس میمنت مانوس به بندگی سرافرازند* بنوشتن مصاحف و کتب ماثور بود۔ اکنون گوشهٔ عزلت گرفته در طلا نویسی ید بیضا دارد* ؛

میر محمد باقر[2]

ولد میر زین العابدین از مردم ایران دیار، جوان[3] مستعد خرد یاور است و بی مبالغه در خط نستعلیق همسر ندارد۔ بیاضی موسوم بگلشن فطرت و دیگر سفاین ترتیب[4] دادهٔ جامع این صحیفه بدیه اکثر بخط آن هنرور است۔ باید دید که چگونه نهال کمال را دران گلشن نگه فریب نشانده و چسان شاهد هنر را دران انجمن سراپا زیب بر صدر دلبری جا داده ؛

حاجی محمد اسمعیل

جوان مستعد و خطوط نسخ و تعلیق برتبه می نویسد۔ توفیق حج دریافته و وضع صلاح و شکستگی حال اصلاح و درستی بخش مآل او

---

[1] محمد شاہی: ملازم درگاه گشته بعزلت گزیده در طلا نویسی یکتا شده۔

[2] محمد شاہی: در خط نستعلیق نادره کار است و طبعش، (ظاہر است کہ ترجمہ محمد باقر این جا ترجمہ حاجی محمد اسمٰعیل مخلوط شده)

[3] بظاہر در ۲۹ نمره ۱۴۷ راوی نوشته است۔

[4] بیاضی مرتبہ بختاور خاں در موزهٔ دہلی موجود است کہ بظاہر بعد تالیف مرآة العالم مرتب شده رک بہ ۲۹ ص ۱۱

گردیده در زمرهٔ بندگان درگاهِ کیوان بارگاه انتظام دارد۔ و با راقم این نامهٔ اقبال اخلاص مند طبعش* بہ شعر گفتن نیز مایل است[1]۔ و این چند بیت از واردات قریحت آن غافل تخلص آگاه دل است* ؎

مایهٔ عیش دو عالم دل پُر درد بس است
وز بد و نیک جہان یک نفس سرد بس است
از نشان قدم عشق جبین[2] باز مگیر
آبروی رخ آئینہ دلان گرد بس است

[۹]

غم رفیق (و) در دیار و مایہ سودای جنون
غافل شوریده سر را خوش بسامان یافتم[3]

---

[1] محمد شاہی: آگاه دل تخلص داشت (کہ غلط ہے)، اصل میں "قریحت" بجای قریحت
[2] اصل: چنین باز بگیر۔ محمد شاہی: چین آتش گیر، تصحیح قیاسی ہے،
[3] اس کے بعد محمد شاہی میں زیادت ذیل ہے:

کمالات دستگاه کرامت نشان عزیز خان

اگرچہ در ذات خود افغان اند لیکن در صفات خوارق و عادات [صفات خوارق عادات] از شیخ و سادات سبقت بردہ اند در عین شباب خدمت درویشان را سعادت عظمی پنداشتند بطاعات و عبادات و تلاوت قرآن و صیام ماه رمضان مشغوف می بودند۔ و دران حالت چون جذبہ شوق رسید زاری و بےقراری بعمل آمدی۔ درین ایام حیرت انجام عصمت قباب اہلیہ ایشان نقابہ مغفرت بر رو کشیده و فرزند چون گوہر یکتا بدرجک خاک آرمیده (باقی صفحہ ۲۲۶ پر)

بقیهٔ حاشیه صفحه ۲۲۵:

ازان باز متاہل شده پرداخته بشادمانی جاودانی بسر بردند. این فقیر حقیر راقم این اوراق کبیر (کذا) در عهد حضرت خلد مکان یازده سال بخدمت ایشان استفاده نمود و تا امروز که بیست و ششم حضرت شاهنشاهی ظل الہی محمد شاهی و یک هزار و یک صد و پنجاه و شش هجری است مصاحبت ارباب دول اختیار نکرده به تربیت میان غربا و کاسبان مشغول اند. باوجود کبر سن نستعلیق نهایت خوب و زیبا می نویسند. ابیات

خطی چو عذار ماه رویان	مرغوب تر از جمال خوبان
خطی چو سواد قرة العین	هم روشن ودر سواد کونین
چون سبزهٔ نو خطان زیبا	بر صفحهٔ سیمگون هویدا
یک خط د ہزار حسن معنی	پر نور نگاه جاودانی

فائت حواشی:

ص ۱۷ س آخر- استادنا. رک به ۲۹ نمره ۴۲

ص ۲۹ س ۱۲- خواجه عبدالحی رک به ۲۹ نمره ۹ که احتمال دارد بخط اوست

ص ۳۶ س ۱- دربعضی از مولفات الخ- رک به حبیب السیر: ۳: ۵۶ بعد- که صاحب مرآة العالم غالباً از وی این عبارات نقل کرده است.

تکملہ

(۱) اقتباس از خلاصۃ المکاتیب[1]

مصنفہ منشی المناشی سجان رای بھنڈاری بٹالوی

سجان راے نے خلاصۃ التواریخ ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۰۷ھ میں مرتب کی پھر ۴۲ عالمگیری مطابق ۱۱۱۰ھ میں خلاصۃ المکاتیب تیار کی۔ دونوں کتابوں میں اس نے اپنا نام نہیں لکھا۔ مگر دونوں کتابوں کی عبارتیں جابجا مشترک[2] ہیں اور دونوں کے شروع میں وہ کہتا ہے کہ ملازمت صاحبان دولت اقبال اور ناظمان ملک و مال کی منشی گری میں اس کی عمر گذری۔ خلاصۃ المکاتیب کے دیباچہ میں اس نے لکھا ہے کہ اس کے لڑکے راے سنگھ نے اس سے تقاضا کیا کہ وہ ایک انشا ترتیب دے مگر وہ پہلو تہی کرتا رہا تاآنکہ اپنے دوست مولانا امان اللہ ساکن قصبہ سوہدرہ کے اصرار سے وہ مجبور ہوگیا۔ اور یہ مجموعہ اس نے فراہم کر دیا۔ اس کتاب

---

[1] نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی ۱۲۲۸ھ خلاصۃ المکاتیب خطی ورق ۳-۴-۳۲-۶۳-۶۴-۱۰۷

[2] مثلاً دیکھو مقامات ذیل علی الترتیب۔ خلاصۃ التواریخ ص ۶-۹-۱۰-۵۴-۲۰۷ ببعد و ۲۲۹ ببعد و ۱۷

کی ابتدائی فصلوں میں سے ایک کا عنوان ہے: "در بیان تعریف خط"۔ اس میں وہ ذیل کے معلومات کا افادہ کرتا ہے:

دربیان تعریف خط

. . . .

اگرچہ خطوط بسیار از نسخ و تعلیق و نستعلیق و عبری و قبطی و......وغیر ذلک است کہ دانشوران والا فطرت اختراع کردہ اند اما برای کتب عربی خط نسخ و برای کتب فارسی و مکاتیب خط تعلیق زیادہ بکار می برند۔ چنانچہ در ہندوستان نیز در بدایت حال خط تعلیق رواج داشت بعد ازان خط نستعلیق رائج گشت چنانچہ اکثر کتب برین خط کہ از ولایت توران و ایران آوردہ اند بنظر در آید۔ بہندوستان در زمان خلافت حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خط نستعلیق رائج گشت کہ تا حال فرامین مطالعہ و کتب بہمین خط می نویسند۔ بعد ازان خوشنویسان فیض گسترد منشیان دانشور از تعلیق و نستعلیق خط آمیز کہ آن را شکستہ ہم نامند استخراج کردند و در عہد خلافت حضرت قران ثانی ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی رواج یافت علی الخصوص در زمان وزارت علامی فہامی سعد اللہ خان[1] بمکتوب نگاری بیشتر رائج گشت[2]۔ این نوع خط را چندر بھان برہمن منشی شاہ جہانی و محمد جعفر المخاطب

---

[1] رک بہ تذکرۂ خوش نویسان ص ۵۵   [2] رک بہ تذکرۂ خوش نویسان ص ۱۰۵ و ۱۰۳

بکفایت خان دیوان تن عالمگیری و **شیخ احمد سهرندی** بکمال رسانیدند
و دولت مندان (و) سایر الناس و منشیان روشن قیاس آن را
بکار می برند و از بس که روشن و واضح است بسهولیت و
آسانی بی تشویش و تکلیف خوانده می شود الحق خوش نویسان
روشن قلم و زیبا نگاران عالی فهم بدایع صنایع بکار برده چهره آرای
این خط دل آویز و صوره پیرای این رقم فرحت انگیز شده اند ⁂

(ب) از مرآة الاصطلاح

مصنفہ رای رایان انند رام مخلص (م ۱۱۶۴ء)

مصنّف کا حال فہرست ریو ص ۹۹۷ پر ملاحظہ ہو۔ مرآۃ ۱۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی۔ اس میں بعض مصطلحات بہ ترتیب تہجّی مع تشریح مرتب کی گئی ہیں۔ ہر حرف کے آخر میں ضرب المثلیں بھی دی گئی ہیں۔ اس دلچسپ کتاب میں سے خط کے متعلق چند باتیں درج ذیل کرتے ہیں:

(۳۳ ب) **بستۂ نیشکر** ....

(۳۴ ا) **لطیفہ** بعضی خوشنویسان بقلم نیشکر جلی نوشتہ اند۔ چنانچہ روزی شیخ سعد اللہ دیوان تن کہ در خوش نویسی دعوی بلندی دارد و باعتقاد جمہور موافق قاعدہ کہ نزدیک اساتذہ این فن مقرر است حرفی نمی نگارد قطعہ چند از نظر نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ گذرانیدہ گذارش نمود کہ بقلم نیشکر نوشتہ ام گفتم ازین جاست کہ خط ایشان شیرینی دارد۔ چون سخن از سخن می خیزد لہذا قلم پریشان رقم رنگ تحریر ماجرای دیگر می ریزد:

احوال شیخ ہدایت اللہ خوشنویس عبدالصمد خانی

مشیخت پناه ہدایت اللہ که پیش ازین مدتی ممتد[1] در فرقهٔ خوشنویسان در سرکار نواب صاحب سیف الدوله عبد الصمد خان بهادر دلیر جنگ مغفور و مبرور بامتیاز ملازم بود از چندی بحسب قسمت بشاه جهان آباد رسیده با راقم حروف آشنا گردیده جوان دلچسپی است خالی از آدمیت و غربت نیست ـ خط نستعلیق خوب می نویسد ـ مشقش سر مشق زلف محبوبان است و قطعه اش قطعهٔ بهشت چون خط خوبان ـ چنانچه چند ورقی که بخطش در مرقع دارم گواه این دعوی و شاهد این معنی است ـ سحری دیگر بر روی کار می آرد که اگر جلی است و اگر خفی در کمال نازکیش برنگ نقاشان بقلم بی شگاف می نگارد ـ ع

تماشا مفت دیدن قدرت او رنگ ها دارد

(۸۲ ب) خط دیوانی عبارت است از خط شکسته که اهل دفاتر ایران می نویسند و آن پیچدار می باشد تا دیگری بآن وضع نتواند نوشت میرزا وحید گوید ـ

---

[1] ظاهرا ویست ہدایت اللہ لاہوری که ذکرش در تذکرهٔ خوشنویسان ص ۱۵۹ آمده است و او غیر ہدایت اللہ زرین قلم است که در ۱۱۱۸ھ وفات کرد.

زبیچ و تاب نگر وصفِ خطِ جانان را
درین بیاض نوشتم بخطِ دیوانی

(۱۸۳) خط شکستہ نوعی است از خط نوشتن کہ بیچدار باشد مرزا صائب علیہ الرحمۃ گفتہ ؎

مرا نہ تجربہ کاران نصیحتی باد است
کہ توبہ نامہ بخط شکستہ می باید

مذکور خط شکستہ

اقسام خط شکستہ بسیار است در ہندوستان کفایت خان و اشرف[1] خان این خط را خوب نوشتند چنانچہ قطعہ ہای ایشان سرمشق اہل این فن است و حالا کہ سن ہجری یک ہزار و یک صد و پنجاہ و ہفتم است مرید[2] خان خوب می نویسد و خان صاحب. عبد المجید خان کہ دیوان تن و از قدیم بر احوال راقم حروف اند نیز شوق باین خط دارند و خوب می نویسند قطعہای نوشتہ این ہر دو بزرگ در مرقع فقیر است ٭

---

[1] رک بذ ص ۷۱ بظاہر اعتماد خان مراد ہے، دیکھو ص ۷۰

[2] رک برای شرح احوالش بہ تذکرہ خوشنویسان ص ۱۰۷ و ۲۹ نمرہ ۱۰۰

خطّاطی کے دو نادر نمونے

اس مقام میں خطاطی کے دو نایاب نمونوں کے عکس شایع کئے جا رہے ہیں۔ ایک خط نسخ کا نمونہ ہے اور دوسرا خط نستعلیق کا۔

(۱)

نسخ کا نمونہ ارغون کاملی کی ایک وصلی کا عکس ہے۔ اصل انجمن ترقی اردو (ہند) کے کتاب خانے میں محفوظ ہے اور ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کے ہم مرہونِ منت ہیں کہ ان کی عنایت خاص ہے یہ عکس ہم کو میسّر آیا۔ اس میں صرف چار سطریں ہیں۔ پہلی سطر بظاہر عبارت ما سبق سے متعلق ہے جو اصل میں درج نہیں ہوئی۔ کاتب نے اس پر تاریخ کتابت درج نہیں کی، معلوم ہوتا ہے کہ اصل کی سطح سادہ تھی۔ ۱۳۴۴ھ = ۲۶-۱۹۲۵ء میں "محمد علی المعروف بمعمار زادہ" نے اس کی تذہیب کی۔ اصل کی زیارت ہم نے نہیں کی۔ دوست فاضل حافظ محمود شیرانی کے مشورہ سے انجمن مذکور نے اس وصلی کو خریدا تھا اور وہ اس کی قدامت سے مطمئن معلوم ہوتے تھے، اس کاتب کی تحریر غایت درجہ نادر ہے۔ ہم کو کوئی اور نمونہ اس کی تحریر کا معلوم نہیں کہ مقابلہ ہو سکے۔ مگر

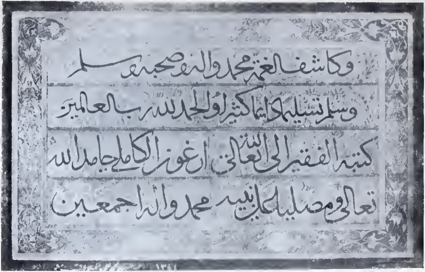
یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ "ارغون کاملی" کو چونکہ عام طور پر ارغون کابلی[1] لکھتے ہیں اور کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کی صحیح نسبت کاملی ہے۔ اس وصلی میں نام اور نسبت کی صحیح صورت وصلی کی قدامت پر دلالت کرتی ہے اور یہ نسبت جو اشتباہ سے خالی نہ تھی۔ اس وصلی کے ذریعہ صاف ہو جاتی ہے۔

ارغون کاملی کے متعلق بہت ہی کم اطلاعات ہم تک پہنچی ہیں، جو کچھ متفرق ماخذوں سے ملا ہے۔ وہ اس کے استاذ یاقوت مستعصمی کے ذکر کے بعد درج ذیل کیا جاتا ہے۔

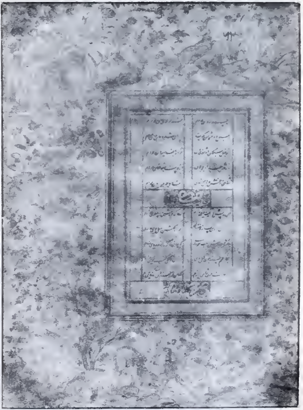
ساتویں صدی ہجری میں جمال الدین ابو الدرّ یاقوت مستعصمی نے خطّاطی میں کمال پیدا کیا، ایسی شہرت اس سے پہلے فقط ابن مقلہ وزیر راضی باللہ اور ابن البوّاب نے پیدا کی تھی، یاقوت ابھی لڑکا ہی تھا کہ غلام کی

---

[1] مثلاً دیکھیں حالات   از دوست محمد (۹۵۲ھ) طبع لاہور ۱۹۳۶ء ص ۱۲ آئین اکبری طبع ۱۲۷۲ھ ج ۱ ص ۸۔ مرآۃ العالم منسوب بہ بختاور خان (م۔ ۱۰۹۶ھ) (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۲ء ص ۳۸) ان سب میں اس کو ارغون کابلی لکھا ہے۔ خلاصۃ التواریخ (منقول در اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۲ء میں صفحہ ۲۴ پر اس کو ارغون کابلی لکھا ہے۔



کتبه ارغون کاملی (''از استادان ستة'') تلمیذ یاقوت مستعصمی



از دیوانِ شاہی بخط سلطان علی مشہدی

حیثیت میں بکا۔ اور خلیفہ مستعصم باللہ نے اس کو خریدا۔ اس طرح اس کی تربیت بغداد میں ہوئی اور خط کی تعلیم اس کو پہلے صفی الدین عبد المومن ارموی نے دی پھر مورخ ابن حبیب نے۔ جب وہ خطاطی میں ماہر ہو گیا تو بغداد میں عمائد کے بچوں کو خوش نویسی کی تعلیم دینے لگا۔ دور ضلالت ختم ہوا تو صاحب دیوان علاء الدین بن جوینی کی سرکار میں قدر و منزلت ہوئی اور صاحب دیوان کی اولاد اور اس کے بھتیجے شرف الدین ہارون نے یاقوت سے خط کی تعلیم پائی۔ علاوہ ماہر خطاط ہونے کے یاقوت ادیب، عالم و فاضل اور شاعر تھا۔ (الحوادث الجامعہ المنسوب بابن الفوطی طبع بغداد ص ۵۰۰) الحوادث میں اس کے اشعار دیئے ہیں اور شذرات الذہب

(۵ : ۲۲۳) ہیں دو. ان دونوں ہیں اس کی تاریخ وفات ۶۱۸ھ لکھی ہے اور یہی تاریخ براکلمن نے تاریخ گرٹکملہ تاریخ مذکور (۱ : ۵۹۸) میں اس نے لکھا ہے کہ مشہد کے کتاب خانۂ رضوی میں یاقوت کا لکھا ہوا قرآن مجید ۷۰۴ھ کا موجود ہے۔ اس لئے اس کا سال وفات ۷۰۴ کے بعد ہی ہوگا۔ یہ زمانہ سلطان محمد الجایتو کا ہے جو ۷۰۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ تکملہ میں براکلمن نے چھ سات مخطوطوں کا ذکر کیا ہے۔ جو یاقوت کے خط میں ہیں۔ اور افطار عام کے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اور تین رسالوں کا ذکر بھی کیا ہے جو یاقوت کی تصنیف سے اب تک موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ یاقوت کو چھ قسم کے خطوط کے لکھنے میں مہارت تھی۔ یعنی ثلث و توقیع و محقق، نسخ و ریحان و رقاع۔ گر نسخ کے لکھنے میں اس کو خصوصیت سے کمال حاصل تھا۔ اس کے شاگردوں میں سے چھ آدمیوں نے بہت نام پایا۔ اُن کے نام یہ ہیں[1]:

(۱) شیخ زادہ سہروردی (۲) ارغون کامل (۳) نصر اللہ طبیب (۴) مبارک شاہ زرین قلم (۵) میر یحییٰ صوفی (۶) یوسف مشہدی۔

---

[1] نیز دیکھیں کلیماں ایوار کی کتاب خطاطان و مصوران شرق اسلامی ص ۸۵۔

یہ فہرست خلاصۃ التواریخ (تصنیف حدود ۹۸۰ھ) میں درج ہے۔ دوست محمد (۹۵۲ھ) نے میر یحیٰی کی بجائے سید حیدر کا نام دیا۔ اور رسالہ قطبیہ میں اس کو میر حیدر گندہ نویس لکھا ہے۔ بعض اور مصنفوں نے ان میں سے بعض اور ناموں میں اختلاف کیا ہے[1]۔ اور میرزا سنگلاخ نے استادان ستہ کی بجائے استادان تسعہ کی فہرست بنائی ہے[2]۔ ان ماہران فن میں سے ارغون کے متعلق مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے اب وہ ملاحظہ ہو:

رسالہ خط و سواد مجنون رفیقی (۹۰۹ھ) میں ہے:

خواجہ ارغون رضوان اللہ علیہ شاگرد خواجہ یاقوت است گاہے

چناں تقلید او کردہ کہ مردم فرق نکردند

خلاصۃ التواریخ میں یاقوت کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

از شاگردان او شش کس مسلم اند و ایشان را استادان ستہ

می گویند، در بعض قطعہ ہا کہ خط نوشتہ اند رسم یاقوت را

---

[1] تصنیف قاضی احمد ابراہیمی بن میر منشی اس کا کچھ حال حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے شائع کیا تھا۔ اس نے غلطی پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا (دیکھیں بلیٹن آف دی سکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن ۱۹۳۹ء ص۱۹۹ بعد پر اس رسالہ کا حال ——— (اس مضمون کی طرف حال ہی میں محبی ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ نے میری توجہ منعطف کی)، قاضی احمد بن شرف الدین حسین حسینی مشہور بہ میر منشی کی خلاصۃ التواریخ جلد پنجم کے حالات فارس نامہ ناصری ج ۱ ص۱۰۹ بعد پر بھی ملتے ہیں

[2] دیکھیں کلیماں ایوار ص ۸۷ بعد

نوشتہ اند۔

سلسلۃ الخطاطان میں مناقب ہنروران سے منقول ہے کہ عبد اللہ ارغون خط محقق میں کامل تھا (کلیماں ایوار صہ۸۷)

مرزا سنگلاخ نے "تذکرۃ الخطاطین صہ۲۶ میں لکھا ہے۔ امیر زادہ ارغون مولد و محتد کے اعتبار سے عراق عجم کا باشندہ تھا۔ مگر وہ بغداد میں متوطن تھا اور قرآن کی کتابت کیا کرتا تھا۔ اس کی تحریر اتنی محکم و استوار تھی کہ ویسا لکھنا حیزّ قدرت بشری سے باہر ہے، ۲۹ قرآن مجید اس کے کتابت کئے ہوئے میں نے دیکھے ہیں۔

کلیمان (ایوار صہ۸۸) نے میرزا سنگلاخ کی طرح کہا ہے کہ عبد اللہ ارغون عراق عجم میں پیدا ہوا اور بغداد میں مقیم رہا۔ ارغون جو ترکی نام ہے اس کو یوں ملا کہ اس کی ماں ترک تھی، اور باپ عرب۔ وہ نہ صرف خط محقق میں بلکہ سب قسم کے خطوں میں ماہر تھا۔ اس نے ۲۰ مرتبہ قرآن مجید کی کتابت کی اور ۷۴۴ھ میں فوت ہوا۔ بغداد میں دو مدرسوں کے کتبے اس نے لکھے تھے۔ اسی مصنّف نے ہم کو بتایا ہے کہ ارغون کی اولاد میں سے مولانا مرتضیٰ بھی نامور نسّاخ تھا اور اس کی کتابت ممالک ترکیہ میں معروف ہے۔

یہ دیوانِ[1] شاہی کے قلمی نسخہ کے ایک صفحہ کا عکس

---

[1] آق ملک سبزواری بن جمال الدین فیروز کوہی المشہور بہ امیر شاہی کا (باقی صفحہ ۲۳۹ پر)

ہے جو مولانا سلطان علی مشہدی نے ۸۸۸ھ میں لکھا۔

اس نسخے کے بعض کوائف

یہ نسخہ کل ۵۳ اوراق پر شامل ہے، ۴۹ اوراق پر دیوان شاہی ہے۔ ورق کی تقطیع ½۱۱ × ½۸ انچ ہے۔ عریض حاشیے پر سنہری بیل بوٹے اور پرندے اور شکارگاہیں بنی ہیں، ایک صفحہ کی گل کاری دوسرے سے نہیں ملتی۔ کاغذ خان بالیغی، خط خفی نستعلیق۔ دیوان کے شروع میں ۲ ورق ہیں جن میں سے ایک بوستان کا ہے۔ اور ایک کلمات امیر المؤمنین علیؑ (یعنی مطلوب کل طالب) کا۔ آخر میں بھی دو ورق ہیں جن میں سے ایک گلستان کا ہے اور کلمات مذکورہ کا۔ ان اوراق کا خط دیوان کے خط سے جلی تر ہے، اُن کے حاشیے کا کاغذ رنگین اور زر افشان ہے اور کلمات میں رنگ آمیزی بھی ہے۔ دیوان کا سرورق رنگین اور منقش ہے اور متن کے شروع میں رنگین سرلوح ہے۔ دیوان شاہی کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے: تشرف بکتابتها العبد الفقیر سلطان علی المشهدی، بظاہر باقی چار ورق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸: سن وفات ۸۵۷ھ = ۱۴۵۳ء ہے۔ اسلامی شرق کے خطاط اور مصور از کلیمان ایلیار ص ۲۱۰۔ مشہور یہ ہے کہ شاہی نے اپنے دیوان سے ہزار شعر انتخاب کئے اور باقی دیوان "تلف کر دیا۔ سرسری شمار سے اس نسخے میں ۹۹۸ شعر شمار میں آئے۔

بھی کاتب مذکور کے قلم سے ہیں۔ کتاب کی جلد بھی قدیم اور چمڑے کی ہے جس پر اندر اور باہر سنہری گل کاری ہوتی ہے۔ دیوان کے آخر میں بعض مٹی ہوئی مہروں کے نشان ہیں۔ ایک مہر ۱۲۳۹ھ = ۲۴-۱۸۲۳ء کی ہے ؛

مولانا سلطان علی مشہدی

مولانا سلطان علی مشہدی ملقب بہ سلطان الخطاطین کی نسبت میرزا سنگلاخ نے لکھا ہے کہ وہ ملا اظہر ہروی کے شاگرد تھے اور سلطان حسین بایقرا کے زمانے میں دارالسلطنت ہرات میں خطاطی کرتے تھے۔ سلطان حسین ارباب فضل و ہنر کی قدر دانی میں ضرب المثل تھا اور بہت سے علما و حکما اور خطاط و شعرا اور دیگر صاحبان ہنر سلطان کے فیض و کرم

---

[1] میرزا سنگلاخ نے ملّا اظہر کو ہروی لکھا ہے، مگر ملّا اظہر کا لکھا ہوا "خمسہ نظامی" تحریر ۸۷۷ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (شیرانی کلکشن) میں موجود ہے اور جس کے ایک صفحہ کا عکس مطلع سعدین میں (ص۵۵) کے مقابل، چھپا تھا، اس میں وہ اپنے آپ کو تبریزی لکھتا ہے وہ مولانا جعفر تبریزی کا شاگرد تھا اور صاحب مطلع کا معاصر (دیکھو مطلع محل مذکور)، ممکن ہے سکونت کے اعتبار سے ہروی کہلاتا ہو۔ میرزا حیدر کے نزدیک مولانا جعفر نے اپنے استاد میر علی تبریزی (معاصر امیر تیمور) سے بہتر لکھا اور اس کے شاگرد ملا اظہر نے مولانا جعفر سے بہتر اور ملا اظہر کے شاگرد مولانا سلطان علی نے اظہر سے بہتر (دیکھو اورنیٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۲۶ء ص۳۳ بعد)

سے کمال کو پہنچے تھے۔ سلطان علی نے بھی سلطان حسین کے زیر عاطفت و عنایت و تربیت و حمایت بہت ترقی کی۔ سلطان حسین کے علاوہ اس کے نامور وزیر امیر علی شیر نوائی کی سرپرستی بھی مولانا کو حاصل تھی۔ میرزا سنگلاخ نے وہ قطعہ نقل کئے ہیں جن میں مولانا نے سلطان کو مخاطب کیا ہے۔ یہ قطعے میرزا نے استنبول کے ایک مرقع میں دیکھے تھے۔ تین اور قطعہ بھی میرزا نے دیئے ہیں جن میں نے مولانا نے امیر علی شیر کو مخاطبؔ کیا ہے۔ ان اشعار اور اس کی مثنوی رسالہ آداب خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ خطاطی کے مولانا

لہ ان قطعوں کے بعض اشعار نہایت عبرت ناک ہیں۔ کو کتابوں میں اس با کمال کی قدر دانی کے افسانے بہت دیئے ہیں۔ مگر کم سے کم ان اشعار سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا۔ ایک قطعہ میں وہ میر علی شیر کو کہتا ہے ؎

دستارم کہنہ دو سال است ۔۔۔ و اکنون ہم جبہ و ہم بہار است
پاریند گذاشتم و لکن ۔۔۔ امسال نہ برمزاج یار است
انعام کن از رہ بزرگی ۔۔۔ کامروز نہ روز انتظار است
تا پیش خدا و خلق گویم ۔۔۔ کاین خلعت صدرِ روزگار است

......ایک دوسرے قطعے میں وہ پہلے اپنی ہنروری کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

بہر ہنر کہ کسی نام برد در عالم ۔۔۔ چنان شدم کہ ندارم بعہد خود ثانی

پھر کہتا ہے

ز دست فاقہ چشیدم ہزار شربت زہر ۔۔۔ کہ کس مرا نہ عرق تر ندید پیشانی
مرا چنانکہ بود ہم معیشتے بایہ ۔۔۔ کہ بی غذا نتوان داشت روح حیوانی

کو فنونِ نظم پر بھی قدرتِ تامّہ حاصل تھی۔ ان کے معاصرین نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ امیر علی شیر مذکور نے اُن کی نسبت لکھا ہے:

امروز در خراسان و در اکثر بلادِ عالم قبلۃ الکتاب است۔ قلم نسخ نستعلیق او را یک قلم مسلّم شدہ و باخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ چنان آراستہ و پیراستہ است کہ قلم زبان از شرح آن عاجز است و طبعش نیز خوب واقع شدہ

(لطایف نامہ فخری صہ ۱۷)

توزکِ بابری میں ہے کہ سلطان حسین میرزا کے زمانے میں یوں تو خطّاط بہت تھے۔ گر نسخ نستعلیق میں سلطان علی مشہدی سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ میرزا اور علی شیر بیگ دونوں کے لئے اس نے بہت کچھ لکھا۔ ہر روز تیس[1] بیت علی شیر بیگ اور بیس بیت مرزا کے لئے لکھا کرتا تھا۔

(حوالہ در اوراق گذشتہ)

اسی طرح اس کے زمانے سے قریب کے دو مصنف

---

[1] معنی مشہور (یعنی دو مصرعے متحد الوزن) کے علاوہ اس کا اطلاق نثر کے جملوں پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مولانائے روم کی فیہ ما فیہ میں ۳ ہزار ابیات شامل ہیں (فیہ ما فیہ طبع اعظم گڈھ صہ ۳)۔ خلاصۃ التواریخ میں ہے کہ یاقوت ہر روز دو جزو قرآنی کتابت کرتا اور ۷۰ بیت عربی خلیفہ کے لئے اور ۳۰ بیت وزیر کے لیے لکھتا (دیکھو خلاصۃ التواریخ حوالہ در اوراق گذشتہ)

یعنی صاحب تاریخ رشیدی (تصنیف ۹۵۳ھ) اور صاحب تحفہ سامی (تصنیف ۹۵۷ھ) بھی اس کی تعریف میں تر زبان ہیں۔

تاریخ رشیدی میں ہے کہ قطعہ اور کتابہ خفی اور جلی بلکہ نسخ تعلیق تمامتر مولانا سلطان علی مشہدی کی مسلم ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی کی کتابت اس کے نزدیک بھی نہیں پہنچتی۔ یوں تو وہ سب اوصاف و لطائف میں بے نظیر تھا۔ مگر ملاحت اور مزہ جو خصوصیت کے ساتھ اس کے خط میں ہے کسی اور کو میسر نہیں آیا۔

جب اس نے مشق شروع کی تو اپنی طبیعت کی اپچ سے اپنے خط کو ایک صورت دی جو عوام فریب تو تھی مگر کاتب پسند نہ تھی۔ مولانا جعفر نے خمسہ شروع کر کے نا تمام چھوڑ دیا تھا۔ میرزا سلطان ابو سعید نے دریافت کیا کہ اس نا تمام خمسہ کو کوئی خطاط تمام کر سکتا ہے؟ لوگوں میں مولانا سلطان علی کی شہرت تو تھی ہی انہوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص اس وقت مشہور ہے تایید کر سکے۔ غرض مولانا کو لائے اور مولانا جعفر کی کتابت کا نمونہ دیکھ کر انہوں نے فوراً کتابت قبول کر لی اور ایک جزو لکھ کر لائے۔ مولانا اظہر گھر کے دروازے میں بیٹھے تھے۔ پہلے ان کو دکھایا۔ انہوں نے خفا ہو کر پوچھا کہ تم اس اسلوب سے مولانا جعفر کا خمسہ تمام کرنا چاہتے ہو؟ پھر

مولانا سلطان علی کو گھر میں لے جا کر لائیں لگائیں۔ اور دو دن بند رکھنے کے بعد کہا: بیٹا! تم قابلیت کے مالک ضرور ہو مگر تمہارا خط خود رو ہے۔ نسخ نستعلیق کا اسلوب یہ نہیں ہے۔" اس کے بعد ایک قطعہ ملّا کو لکھ کر دیا کہ یوں لکھو۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ میں نے قطعہ کو گھر لے جا کر مشق کی، تب معلوم ہوا کہ نسخ نستعلیق کا اسلوب کیا ہوتا ہے، اس سے پہلے اپنے خط کی بے اسلوبی سے میں واقف نہ تھا۔ اور اس کی پختگی اور صفائی اور محکمی پر نازاں تھا، حالانکہ بے اسلوب خط کو سرے سے خط ہی نہیں کہہ سکتے۔" آج اس قدر آثار ملّا کے باقی ہیں کہ عقل قبول نہیں کرتی۔ اکثر ملکوں میں کم کاتب ہوں گے جن کے ہاں ملّا کا قطعہ یا کتابہ نہ ہو۔ بادشاہان جہاں میں سے کسی کے کتاب خانے میں اگر دو تین کتابیں ملّا کی لکھی ہوئی نہ ہوں تو ایسے کتاب خانے کو کتاب خانہ نہ کہیں گے۔

(حوالہ در اوراقِ گذشتہ)

تحفہ سامی (تصنیف ۹۵۷ھ) میں سام میرزا نے لکھا ہے کہ نستعلیق میں مولانا سلطان علی اتنے مشہور ہیں کہ تعریف کی حاجت نہیں۔ ساٹھ سے زیادہ عمر ہو جانے پر بھی ان کے خط کی خوبی میں فرق نہیں آیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ؎

مرا عمر شصت و سہ شد بیش و کم
بنوزم جوان است مشکیں قلم

توانم ہنوز از خفی و جلی
نوشتن کہ العبد سلطان علی

مولانا سلطان علی کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ سنگلاخ نے علی اختلاف القولین لکھا ہے کہ ۹۰۹ھ یا ۹۱۹ھ میں ان کا انتقال مشہد میں ہوا۔ اور سرکار امامؒ کے کتابخانے کے جوار میں وہ دفن کئے گئے۔

حبیب السیر (۳ : ۳ : ۳۶۵) میں ۹۱۹ھ تاریخ دی ہے۔ اور یہی تاریخ ریو نے اور کلیمان ہوار (خطاطان و مصوران شرق اسلامی ص۲۲۲) نے اختیار کی ہے۔ مگر ۹۲۰ اور ۹۲۱ھ کی تحریریں ان کی موجود بتائی جاتی ہیں (دیکھیں مسلم ریویو کلکتہ ج ۱ نمبر ۲ پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون ص۵ حاشیہ ۱۵) اس حساب سے ۹۲۱ھ سے پہلے کی تاریخیں درست مانی نہیں جا سکتیں، جس نمونے کو شائع کیا جا رہا ہے۔ وہ مولانا کے عین شباب کے زمانے کی تحریر ہے۔

میرزا حیدر دوغلات صاحب تاریخ رشیدی ہمایوں بادشاہ کا ہم عصر تھا۔ اس زمانے میں اگرچہ مولانا سلطان علی کی تحریریں عام تھیں۔ مگر ہمارے زمانے میں وہ نہایت کمیاب ہیں۔ برٹش میوزیم میں صرف مخزن الاسرار ان کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ اس کا سن کتابت ۸۶۵ھ ہے ریو ص۵۷۳) اس کے علاوہ اسی کتاب خانے کے دو مرقعوں میں بھی ان کی تحریریں موجود ہیں (ریو ص۷۸۳ و ۷۸۵) پیرس کے قومی

کتب خانے میں دیوانِ سلطان حسین بایقرا اور متعدد قطعے ان کے لکھے ہوئے محفوظ ہیں۔ کتاب خانہ ویَنا اور یادولی میں بھی ایسے نمونے موجود ہیں۔

تیمور نامہ کا ایک نسخہ ان کے قلم سے لکھا ہوا ہمایوں کے پاس تھا۔ اس کو بہزاد نے مصور کیا تھا۔ یہ نسخہ گجرات کی لوٹ میں ہمایوں کے ہاتھ سے نکل گیا مگر کہتے ہیں کہ اکبر کے زمانے میں پھر شاہی کتاب خانے میں آگیا (کلیمان ایوار ص۲۲۲) باغ مراد ہرات کے کتابے بھی مولانا سلطان علی نے لکھے تھے (منہ ایضاً)

بعض اور نمونے جو مولانا سلطان علی کی کتابت کے ملتے ہیں۔ ان کے لئے پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون ملاحظہ ہو (اسلامک کلچر) نیز حکیم سید شمس اللہ قادری کا نفیس مضمون رسالہ تاریخ ج ۱ حصہ ۲ و ۳ میں جو سوء اتفاق سے ان سطور کے پروف پڑھنے کے وقت ملا۔

لہ اس میں تین تصویریں بھی ہیں جو بہزاد کی طرف منسوب ہیں۔

ٹہ پوپ کی پرشین آرٹ ۲ : ۱۷۳۵ پر اس کی دس کتابوں کی فہرست ہے جو نمایش لنڈن میں آئی تھیں

رسالہ آداب المشق از باباشاہ اصفہانی

کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی نے حال ہی میں ایک مختصر مگر نہایت دلچسپ قلمی رسالہ خریدا ہے یہ رسالہ جیسا اس کے نام سے ظاہر ہے خطاطی سے متعلق ہے۔ اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے مگر پہلے ان سطور میں مصنف رسالہ اور نسخہ منقول عنہا کا مختصر سا حال دیا جاتا ہے۔

باباشاہ اصفہانی

اس کے معاصر امین احمد رازی نے ہفت اقلیم میں جو ۱۰۲۸ھ میں تصنیف ہوئی (یعنی باباشاہ کی وفات سے صرف سولہ سال بعد) باباشاہ کے متعلق لکھا ہے:

کتابت نسخ و تعلیق را در غایت عذوبت تحریر می نماید و ہزار بیت را سہ تومان کہ صد روپیہ باشد می گیرد۔ فرد

مردم دیدہ ہمہ تن نور گردد ہمچو جان
تا کند بر طرہ ہای خط شیرینش نگاہ

و احیاناً شعری می گوید از آن جملہ است۔ فرد

چہ دیدہ اند گدایان عشق از در دوست
کہ ہر دو عالم شان در نظر نمی آید

(ہفت اقلیم، نسخہ کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی محررہ در ۱۰۶۵ھ۔ ورق ۳۵۶ ب بذیل اصفہان)

اسکندر بیگ منشی کی تاریخ عالم آرای عباسی (تصنیف[1] ۱۰۳۸ھ) نے شاہ طہماسپ صفوی (از ۹۳۰ تا ۹۸۴ھ) کے عہد کے خطاطوں کے ذکر میں لکھا ہے۔

مولانا باباشاہ اصفہانی

از نستعلیق نویسان عراق مفرد و در کتابت مشہور آفاق بود الحق کاتبی مثل او در عراق بہم نمی رسید و در آن حین در خراسان نیز نبود و اوقات بکتابت صرف می کرد و تحصیل وجہ معاش ازان ممر می نمود. اکابر و اعیان خواہان خط او بودند و رعایتہا می نمودند. کتابت او نزد مردم عراق بسیار بود اما درین حین کمتر بدست می آید اکثر باطراف و جوانب بردہ قیمت اعلیٰ فروختند۔

(عالم آرای طبع تہران ۱۳۱۴ھ ص۱۲۵)

بابا شاہ کا مفصل ترین ترجمہ میرے علم میں حبیب آفندی کی ترکی کتاب خط و خطاطان[2] (طبع قسطنطنیہ ۱۳۰۵ھ) میں دیا

---

[1] مصنف کا پہلا نسخہ ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوا۔ مگر ۱۰۳۸ھ میں اس نے مقصد ثانی کے اضافہ سے کتاب کو موجودہ صورت دی (فہرست ریو ص ۱۸۵)

[2] اس کتاب کے ماخذ چار ہیں (۱) مناقب ہنروران از مصطفیٰ دفتری (باقی صفحہ ۲۴۹ پر)

ہے۔ اس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:
بابا شاہ اصفہانی رئیس الرؤساء کے لقب سے ملقب تھا۔ ۸ برس کی عمر میں اس نے مشق و تعلیم خط شروع کی۔ اور میر علی ہروی کی خدمت میں بعجلت تمام پہنچا اور آٹھ برس تک ان کی خدمت میں شب و روز خامہ ران رہا۔ فی الواقع استعداد کے معاملے میں وہ عالم غیب سے موید تھا۔ کتابوں، مرقعات اور قطعات کی قسم کے آثار اس نے بہت چھوڑے ہیں۔ میر عماد کے خط کی روش اسی سے ماخوذ ہے۔

صاحب رسالہ قطبیہ نے لکھا ہے کہ وہ ۹۹۵ھ میں بابا شاہ کو اصفہان میں ملا، باوجود جوان سال ہونے کے اس کے خط کو خوش نویسوں کے خط پر ترجیح دی تھی۔ بیکس و بے نوا ہونے کے باوجود اُس کا اتنا بلند پایہ ہنرور بن جانا محض عطای

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸: مشہور بہ علی آفندی تصنیف ۹۹۵ھ

(ii) گلزار صواب از ابراہیم الحسنی مشہور بہ نفیسی زادہ جو سلطان مراد رابع (۱۰۳۲ تا ۱۰۴۹ھ) کے لیے تصنیف ہوئی (iii) تحفۃ الخطاطین از مستقیم زادہ ۱۲۰۲ھ تک کے خطاط اس تذکرہ میں شامل ہیں (iiii) سلسلۃ الخطاطین، تحفۃ الخطاطین کے مصنف ہی کی ایک دوسری تصنیف ہے۔

لے بابا شاہ کا اپنا بیان آگے آتا ہے۔ دیکھیں ص بعد

لے یعنی محمد قطب الدین یزدی شاگرد ملک دیلمی جس نے ۹۹۶ھ میں ۵۴ مشہور خطاطوں کا تذکرہ لکھا اور اس کو رسالہ قطبیہ کے نام سے شائع کیا دیکھان ایوار در خطاطان و مصوران شرق اسلامی ص ۲۳۵

الٰہی کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ زیادہ عمر پاتا تو سلطان علی اور میر علی ہروی سے مطلقاً کم نہ رہتا۔ تعلیم خط کے متعلق اس نے ایک بے نظیر رسالہ نظم کیا تھا۔ یہ تین بیت اس رسالے میں سے ہیں:

از واضع خط نسخ تعلیق بشنو سخنی ز روی تحقیق
بالای الف سہ نقطہ باید اما بہمان قلم کہ آید
یک نقطہ بس است گردن یا
شش نقطہ درازی تن یا

حروف مقطعہ کے قواعد کو اس نے اسی طرح نظم میں تمام کیا۔ اس کے علاوہ بعض لوازم خط کو بھی اس میں شامل کیا۔ وہ مشہد رضوی میں مدفون ہے۔ سنہ وفات[1] اس کا ۱۰۱۲ھ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بغداد میں مدفون ہے۔

گریہم پوپ نے سروے آف پرشین آرٹ (جلد ۲ صفحہ ۱۳۷۸) میں ان معلومات میں دو باتوں کا اضافہ کیا ہے کہ بابا شاہ صرف خطاط ہی نہ تھا بلکہ مصوّر بھی تھا۔ دوسرے یہ کہ لندن کی مشہور نمائش میں جامی کی سلسلۃ الذہب کا ایک نسخہ آیا تھا جس کی کتابت بابا شاہ نے ۹۷۷ھ میں تمام کی تھی۔

---

[1] گریہم پوپ نے سروے آف پرشین آرٹ ۲: ۱۷۳۸ میں لکھا ہے کہ وہ حدود ۱۰۱۲ھ میں فوت ہوا۔

[2] تک یہ صفحہ س ۳ از آداب المشق

رسالہ آداب المشق کا موجودہ نسخہ

اب ہم آداب المشق کے پیش نظر نسخہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ نہایت خوشخط نسخہ ہے۔ گو آب رسیدہ اور قدرے فرسودہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے اس کی آب و تاب میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اوراق ۲۰ تقطیع ۷″ × ۲/۱ ۴″ (تقریباً)، سطح محررہ ۴″ × ۴/۳ ۲″ (تقریباً)، سطور ۹۔ خط نستعلیق نمونہ تحریر کے لئے ملاحظہ ہو عکس۔ رسالہ کے آخر میں عبارتِ ذیل درج ہے:

کتبہ و مصنفہ بابا شاہ الاصفہانی غفر اللہ ذنوبہ

رسالہ کے پہلے صفحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً یہ بیجاپور کے کتاب خانہ میں تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ عالمگیر بادشاہ نے بیجاپور کو ۱۰۹۷ ھ میں فتح کیا۔ اس وقت بیجاپور کی کتابیں مغلوں کے شاہی کتاب خانہ میں منتقل ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلوس عالمگیری کے سنہ ۴۲ (=۱۰۹۹ ھ) میں ان کتابوں کی چہرہ نویسی ہوئی۔ کم از کم دو بیجاپوری کتابوں سے جو اس وقت میرے سامنے ہیں یہی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کے صفحہ اوّل پر رجحال متعدد عرض دیدے اور ناخوانا مہروں کے نشان بھی موجود ہیں، یہ عبارت درج ہے:

آداب المشق بخط نستعلیق مشق بابا شاہ اصفہانی سر لوح و

د جدول طلا رنگ آمیز حاشیہ گلگون من جملہ کتب (؟) بیجا پور۔ غرہ ذی حجہ سنہ ۴۴ بتحویل محمد فاضل شد ۔ العبد محمد صادق مشرف۔

اس سے ذرا نیچے لکھا ہے : فتح بیجاپور

اسی محمد صادق مشرف نے ایک اور کتاب اسی طرح کی چہرہ نویسی کے بعد اسی محمد فاضل کی تحویل میں دی تھی اور اس میں لکھا تھا:

"بابت فتح بیجاپور غرہ ذی حجہ سنہ ۴۲"

اسی صفحہ اول کے نچلے حصے میں "غرہ جمادی الاول سنہ ۴۹ مطابق ۱۱۱۶ھ" کی ایک اور تحریر ہے ۔ اس موقعہ پر یہ رسالہ محمد منصور کی تحویل میں دیا گیا۔ ایک اور تحریر ۶ ربیع الاول ۱۱۲۳ھ کی ہے ۔ یہ زمانہ شاہ عالم بہادر شاہ کا ہے ۔ اس وقت بھی یہ رسالہ کسی اور کی تحویل میں آیا۔ مشرف کی چہرہ نویسی کے عین مطابق سر لوح اب بھی موجود ہے اور جدول طلائی اور رنگ آمیز بھی ہے ۔ البتہ یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ پہلے دو صفحوں کا بین السطور سنہری اور گل کار ہے۔ صفحہ کے بالائی کونے میں ایک مٹی سی قدیم تحریر ہے :۔

رسالہ موسومہ بہ آداب المشق مصنفہ کاتبہ بابا شاہ اصفہانی عفی اللہ عنہ ...... خط نسخ تعلیق ؛

رسالہ کے محتویات

مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ خط نسخ تعلیق کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اور" شاہد حقیقی کے انوار جمال کی جستجو میں تماشای خط کی راہ پر چل رہا تھا" کہ اتفاق سے قبلۃ الکتاب مولانا سلطان علی کے لکھے ہوئے چند بیت نظر پڑے ۔ ان کو دیکھ کر تحصیلِ خط کا شوق بحد کمال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اور وہ "بعضی از عزیزان" کی خدمت میں جو اس فن میں مقام عالی حاصل کر چکے تھے یا ارباب فن سے سماع رکھتے تھے ۔ مدت تک بندہ وار حاضر رہا اور جو کچھ حاصل کر سکتا تھا ان سے حاصل کیا ۔ اب اس نے چاہا کہ "صحبت عزیزان" میں جو کچھ حاصل کیا اور کثرت کتابت اور مشق سے جو کچھ تجربہ میں آیا اس کو منضبط کرے تاکہ مبتدیوں کو کارآمد ہو ۔ چھ فصلوں میں یہ رسالہ مرتب ہوا اور اس کا نام آداب المشق رکھا گیا ۔ وہ چھ فصلیں یہ ہیں:

۷۔ در ترتیب کردن کاغذ (ص ۱۸)

رسالہ کا متن تمام و کمال صفحات آیندہ میں دیا گیا ہے۔ قارئین کرام اس کو ملاحظہ فرمائیں گے، مگر جو چیز راقم سطور کو اس رسالہ میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر معلوم ہوتی ہے وہ وہ مرتبۂ بلند ہے جو مصنّف نے اخلاقی اور روحانی اور جمالیاتی اعتبار سے خوش خطی کو دیا ہے۔ اس باب میں ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

این فقیر...... بحسب اتفاق بمطالعۂ خط نسخ تعلیق مشغول بود و بجستجوی انوار جمال شاہد حقیقی راہ تماشای خط می پیمود (ص ۷ س ۱۳)

کاتب باید کہ از صفات ذمیمہ بکلی منحرف گردد و کسب صفات حمیدہ کند تا آثار انوار این صفات مبارک از چہرۂ شاہد خطش سر زند و مرغوب طبع ارباب ہوش افتد. (ص ۸ س ۱۹ نیز رک بہ ص ۱۲ س ۱۷)

و آن (یعنی صفای خط) حالتیست کہ طبع را مسرور و مروح می سازد و چشم را نورانی می کند و بی تصفیۂ قلب تحصیل آن نتواند کرد۔ چنانکہ مولانا فرمودہ اند۔ مصرع

کہ صفای خط از صفای دلست

(ص ۱۱ س ۲۴)

اما شان (یعنی شان خط) و آن حالتیست کہ چون در خط موجود شود کاتب از تماشای آن مجذوب گردد و از خودی فارغ

شود. و چون قلم کاتب صاحب شان شود از لذات عالم مستغنی گشته روی دل بسوی مشق کند و پرتو انوار جمال شاهد حقیقی در نظرش جلوه نماید (ص ۱۲ س ۶)

نیز رک به ص ۱۲ س ۱۱ تا ص ۱۳ س ۲ و ص ۱۴ س ۷۔

اب متن رسالہ ملاحظہ ہو

آدابُ المشق

ذکر و سپاس خداوندی را که مفردات و مرکبات عالم آفرید و آدم را بشرافت قابلیت معرفت از جمله موجودات برگزید و بر صفحه ردای مبارک او از قلم قدرت چند حرف رقم فرمود که لمعهٔ از اشعهٔ انوار آن رقم از آفتاب جمال یوسف بر دل زلیخا پرتو انداخت و او را در عشق مشهور جهان ساخت ۔ و بوی از گلزار آن رقم (ورق ۲ ب) از گل روی لیلی بمشام مجنون راه یافت که سراسیمه بصحرای رسوای شتافت ۔ و حرفی از دفتر حسن آن رقم از لب شیرین بگوش فرهاد رسید که در کوهسار دیوانگی لباس حیات درید ۔ و درود نا محدود بر مرقد منور پیغمبری که اگر مقصود ظهور مصحف وجود او از عالم غیب بعالم شهادت نبودی لوح و قلم پیدا نشدی و اگر غرض حصول اجزای خط آن

مصحف نبودی در آسمان صورت وور و در زمین صورت (۲ ب)
سطح بویدا نشدی اعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و تحیات
زاکیات نثار روح پر فتوح اہل بیت او کہ نقطۂ دائرہ ولایتند
باو!

اما بعد بر رای مدققان جہان صنائع و موی شگافان عالم
بدایع پوشیدہ نماند کہ روزی این فقیر حقیر فانی بابا شاہ اصفہانی
بحسب اتفاق بمطالعہ خط نسخ تعلیق مشغول بود و بجست وجوی
انوار جمال شاہد تحقیق راہ تماشای خط می پیمود کہ چند بیتی از
کتابت شریف رورق ۳ ا) قبلۂ الکتاب مولانا سلطان علی
المشہدی علیہ الرحمۃ در نظر آمد و در نظر از ہر چہ گوئی
خوب تر آمد ۔ الفاتش چون قامت شمشاد قدان آرام جان و
چشمہای صادش چون چشم دلبران فتان ۔ دال و لامش چون
زلفین محبوبان دل آویز و دایر ہای نون چون ابروان خوبان
فتنہ انگیز ۔ ہر نقطۂ آن چون مردم دیدۂ سیہ چشمان و ہر
مد آن چون آب حیات در ظلمت مداد روان ۔ چون دل
اطلاع بر وجود آن آب حیات پیدا کرد (۳ ب) و لذت
آن در مذاقش جا کرد تشنگی را بر خود غالب دید و صدای
العطش العطش او در حجرۂ سینہ بپیچید۔

چو آرد آب بر لب تشنہ جانی
بسوزد گر نہ تر سازد زبانی

القصہ کمال میل تحصیل خط از نہاد این خاکسار سرزد

و اسباب تحصیل ہر فن دیگر بہم برزد. مدتی در خدمت بعضی از عزیزان کہ درین فن بجای رسیدہ بودند و یا از لب مبارک ارباب این فن حکایتی شنیدہ بودند بندہ وار رونق ۱۴۳ (الف) بسر کرد و آنچہ توانست بدست آورد. بیت:

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنی خوشۂ یافتم

اکنون می خواہد کہ آنچہ بیمن صحبتِ عزیزان فراہم آوردہ و بکثرت کتابت و مشق تجربہ کردہ سمت التیام و صورت انتظام یابد. شاید کہ مبتدی را شاد کند و آن مبتدی این خاکسار را بدعای خیر یاد کند. بنا بر این در آن باب اتفاق شش فصل افتاد و آن را آداب المشق نام نہاد:

فصل اول

دربیان آنکہ کاتب را (۱۴۳ب) از صفاتِ ذمیمہ احترازمی باید کرد

زیرا کہ صفاتِ ذمیمہ در نفس علامت بی اعتدالیست و حاشا کہ از نفس بی اعتدال کاری آید کہ درو اعتدال نہ باشد. ع

از کوزہ ہمان برون تراود کہ دروست

پس کاتب را باید کہ از صفات ذمیمہ بکلی منحرف گردد و کسب صفات حمیدہ کند تا آثار انوار این صفاتِ مبارک از چہرۂ شاہد خطش سر زند و مرغوب طبع ارباب

ہوش افتد:

فصل دوم

دربیان اجزای خط

بدانکه اجزای خط بر دو قسمت (ورق ۵ ا) تحصیلی و غیر تحصیلی، تحصیلی آنست که کاتب بہ ممارست و مداومت حاصل می باید کرد و پخته ساختن، و غیر تحصیلی آنکه چون تحصیلی حاصل شود آن نیز حاصل شود، اما تحصیلی و آن دوازده جزو ست.

اول ترکیب	دویم کرسی	
سیم نسبت	چهارم ضعف	
پنجم قوت	ششم سطح	
هفتم دور	هشتم صعود مجازی	
نهم نزول مجازی	دهم اصول	
یازدهم صفا	دوازدهم شان	

اما ترکیب و آن دو قسمت: جزوی و (۵ ب) کلی و جزوی نیز بر دو قسمت۔ قسم اول آنست که اجزاے حرف مفرد را چنان ترکیب کنند که باعتدال اصول در آید چون حرف قاف وغیره که مرکب اند از ضعف و قوت و سطح و دور و تناسب و مانند اینها۔ و قسم دوم آنست که چند حرف مفرد را مرکب ساخته کلمۂ سازند

بنوعی که واضع وضع کرده، چون لفظ قلم که مرکب ست از قاف و لام و میم، و کلی آنست که چند حرف مفرد یا مرکب و یا مفرد و مرکب را ترکیب کرده سطری سازند (ورق ۶ ا)، بنهجی که مرغوب طبع سلیم باشد چون عبارت این حدیث الخط نصف العلم که مرکب از حرف مفرد و مرکب ست و اگر سطر بقدر مصرعی بوده باشد درو یک مد تمام و یا دو و نیم مد و یا سه و دو دانگه مد و یا دو دانگه مد و یک نیم مد و یا یک دو دانگه مد و یک چهار دانگه مد قرار باید داد و اولی آنست که مد در اول و آخر مصرع نباشد و اگر در آخر مصرع بر بالای حرفی واقع شود بد نیست و مصرعی چون در زیر مصرعی (۶ ب) نویسند باید که مدات آن برابر یکدیگر نباشد مگر آنکه چلیپا نویسند که آنجا برابر هم نوشتن محسن است.

اما کرسی و آن آنست که چند هیآت که در مصرعی واقع باشد که آنها را بقدر مشابهتی باهم باشد برابر هم نویسند چون دائرهٔ نون وی و شین درین مصرع

من دوستدار روی خوش و موی دلکشم

و دال و واو و ری دوستدار و روی و مد دوستدار و شین خوش گاهی که مدید باشند و (ورق ۷ ا)، در صعود و نزول حقیقی نیز همین مرعی باید داشت، اگر مجموع هیآت

مشابه یکدیگر که در مصرعی واقع شود برابر هم توان نوشت تو بهم آنکه در ترکیب قصوری بپیدا شود آنچه میسر شود - هم چنانکه داو خوش و داو عطف هم دران مصرع که اگر این هر دو را با دال و واو دوستدار کرسی سازند ترکیب باریک می شود و دست و یا دراز ، و این معیوبست ، و البته این هر دو را بالاتر می باید نوشت ، بهر حال تا تواند بود هیاتی را که مشابه موجود باشد (۷ ب) بی قرینه ننویسند ، و درین مصرع داو خوش و داو عطف قرینهٔ یکدیگر می توانند بود و ترتیب در کرسی نگاه دارند ، گر آنکه در ترکیب قصوری پدید آید و در هر خط که کرسی بدین طریق بعمل نیاده باشد مرغوب نخواهد بود هم چنانکه دو ابروی آدمی یا دو چشم که اگر برابر هم واقع نباشند دلکش نخواهد بود و اگر در آخر مصرع یا سطری از کرسی تجاوز کرده حرف بالاتر نویسند مجوز ست بلکه محسن ، اما

نسبت

و آن آنست که هر حرف را دورق ۸ و ، چنان نویسند که نسبت بقلم کوچک و بزرگ نباشد ، و چون این صفت در خط بفعل آید هر دو هیات که مثل یکدیگر باشند کمال مشابهت خواهند داشت و اگر خلاف این باشد مطبوع نخواهد بود هم چنانکه دو ابروی یا دو چشم او که اگر یکی

بزرگتر از دیگری بود ہیچ کس را بدیدن آن میل نشود ، اما

ضعف

و کمال آن آنست که در نهایت دوائر بفعل می آید و مراتب آن تا کمال قوت بسیار ست و حفظ آن می باید کرد ، اما

قوت

و کمال او (۸ ب) آنست که در نهایت مدات بفعل می آید و مراتب آن تا کمال ضعف بسیار ست و ضبط آن می باید کرد ، اما

سطح

و آن آنست که چون ناظر نظر در آن کند حالت خشکی دریابد چون اوایل مدات و غیر آن ، اما

دور

و آن آنست که چون بنظر در آید طبیعت حالت رطوبت دریابد چون نهایت مدات و مثل آن ، و اعتدال سطح و دور را از خط استاد نقل باید کرد ، اما

صعود مجازی

و آن آنست که قلم از زیر ببالا حرکت کند اما حرکت او

مستقیم نباشد' (و و)، چون نهایت دوائر که آن را ثمره نیز گویند و مراتب آن بسیار ست و بطریق موضوع محافظت می باید کرد که فواید آن بسیار ست' اما

نزول مجازی

و آن آنست که قلم از بالا بزیر حرکت کند اما حرکت او مستقیم نباشد چون اوایل مد و امثال آن' و مراتب این نیز بسیار ست و بطریق موضوع ضبط باید کرد' اما

اصول

و آن کیفیتی ست که از اعتدال ترکیب اجزای تسعه که مذکور شد حاصل می شود و در هر خط که این صفت اندکی باشد (و ب) آن خط نفیس می باشد و اگر ز جواهر عزیزتر دارند میسر' و چون کمال این صفت در خطی جلوه گر شود اگر از جان دوستر دارند بجای خود ست' و مخفی نماند که اجزای تسعه در خط بمنزلهٔ جسم ست و اصول بمنزل جان مصرع

ذوق این باده ندانی بخدا تا نچشی' اما

صفا

و آن حالتیست که طبع را مسرور و مروح می سازد و چشم را نورانی می کند و بی تصفیهٔ قلب تحصیل آن نتوان

کرد چنانکہ مولانا فرمودہ اند ۔ مصرع (ورق ۱۰ ا)

کہ صفای خط از صفای دلست

و این صفت را در خط دخل تمام ہست چنانکہ روی آدمی ہرچند کہ موزون باشد و صفا نداشتہ باشد مرغوب نخواہد بود و پوشیدہ نماند کہ چون اصول و صفا بشان بپیوندد بعضی آن را مزہ گویند و بعضی اثر نیز گویند ۔ اما

شان

و آن حالتیست کہ چون در خط موجود شود کاتب از تماشای آن مجذوب گردد و از خودی فارغ شود و چون قلم کاتب صاحب شان شود از لذات عالم مستغنی گشتہ روی دل (۱۰ ب) بسوی مشق کند و بپرتو انوار جمال شاہد حقیقی در نظرش جلوہ نماید ۔ ع

ہر جا کہ ہست پرتو روی حبیب ہست

و سزد کہ چنین کاتبی چون صفحہ بیاضی از جہت مشق بدست آرد و حرفی بر آن رقم کند از غایت محبت بآن حرف آن کاغذ را بخون دیدہ گلگون سازد و این کیفیت ہمین صفات حمیدہ عارض نفس انسانی می شود و بدستیاری قلم صورت آن بر صفحہ کاغذ کشیدہ می شود و ہمہ کس را ادراک این صفت در خط دست ندہد با آنکہ مشاہدۂ آن کنند ہمچنانکہ (ورق ۱۱ ا) اگرچہ ہمہ کس لیلی را می دید اما آنچہ

مجنون ی وید کسی دیگر نمی دید. و اگر کسی را آرزوی این مقام باشد او را در جوانی از بعضی لذات نفسانی احتراز باید کرد. چنانکه قبلۂ الکتاب مولانا سلطان علی فرماید - شعر

ای که خواهی که خوشنویس شوی
خلق را مونس و انیس شوی
خطۂ خط مقام خود سازی
عالمی پر ز نام خود سازی
ترکِ آرام و خواب باید کرد (الاب)
دین بعد شباب باید کرد
سر بکاغذ چو خامه فرسودن
روز و شب زین عمل نیاسودن
خط نوشتن شعار پاکانست
هرزه گشتن نه کار پاکانست اما

غیر تحصیلی

آن پنج جزو است:

اول: سواد دوم: بیاض
سوم: تشمیر چهارم: صعود حقیقی
پنجم: نزول حقیقی

اما سواد و بیاض. چرا کاتب را تحصیل اینها نمی باید کرد؛ از جهت آنکه هر کس هر هیاتی که بر کاغذ بکشد آن را سوادی

و بیاضی خواہد بود ، و کسب آن را حاجت بمارستی نیست و
تشمیر را بحث آن حاجت بمداومت نیست کہ چون اجزای
تحصیلی بنقل آید ذکر چیزی نمی ماند کہ کسب آن باید کرد و
صعود و نزول را نیز ازینہا قیاس می توان کرد - و چون
زبدۃ المتقدمین جمال الدین یاقوت علیہ الرحمۃ ابن بنیح را
اجزای خط شمرده ذکر کرده شد و چون قبلۃ الکتاب مولانا سلطانعلی
می فرمایند کہ در خط نسخ تعلیق ارسال نیست اگرچہ اعتقاد ارباب
قلم این زمان (۱۲ ب) آنست کہ ارسال درین خط نیز موجود ست
اما بفرمودہٴ ایشان - ظ) متوجہ ذکر این نشد کہ ترک ادب می نمود؛

فصل سیم

در تعریف مشق و آداب آن

بدانکہ مشق بر سہ قسمت است : نظری و قلمی و خیالی - اما
مشق نظری و آن مطالعہ کردن خط استاد ست و فایده
او آنست کہ کاتب را بکیفیات روحانی خط آشنا کند و نقل
فاسد از کتابت کاتب زایل کند و سرعت کتابت ازان بحصول
پیوندد و اولی آنست کہ مبتدی را یکچند این مشق بفرمایند
تا طبع او بلذات (ورق ۱۳ ﻫ) روحانی متعلق شود - بعد ازان
مشق قلمی فرمایند ، و در ایام مشق قلمی ہم این مشق می باید
کرد - اما

مشق قلمی

و آن نقل کردنست از خط استاد - بدانکه مبتدی را ناچار ست ازانکه اوّل مفرداتی کبیر از خط استاد بدست آورد و نقل کند و بر هیات هر حرف بوضع واضح واقف شود. و اگر نقل میسر نشود فایده علی در مفردات کبیر کافیست بهر حال - و بعد ازان از مرکبات مختصری پیدا کند که کمتر از صد بیت نباشد و اول درو مشابده اجزای هفده گانه (۱۳-ب) بکند و استمداد بهمت از ارواح پاک ارباب این فن کند و قلم را بنوعی که درین رساله قرار یافته تبراشد و مداد بنهجی که ذکر رفته و کاغذ بطریق مشروط بدست آورد و ازان نقل کند در کمال تامل چنانکه مولانا فرموده - شعر

حرف حرفش گو تامل کن
نه که چون بنگری تغافل کن

و باید که بخطی که روش آن مخالف روش منقول عنه باشد نظر نکند که مضرتِ عظیم دارد و یکچند بغیر از مشق قلمی مشتغل دگر نکند تا خط او آشنای منقول عنه (ورق ۱۴ ا) شود و دیگر هیات که در منقول عنه نباشد از قوت آن مشق بذہن در آید بهمان روش - و این بکمتر از یک سال نتواند بود - و بعد ازان هر روز یک نوبت

ازان نقل کند و متوجه مشق خیالی شود و بسیاری که قابل باشد باندک فرصتی ترقی او ظاهر شود و ممتاز گردد - و هر روز بیش از پنجاه بیت کتابت نتوان کرد که زتبهٔ آن عالی باشد گر پیش ازان چند روز مشق قلمی کرده باشد و متوجه مشق خیالی نبوده باشد - باوجود این بیش از یک روز یا دو (۱۵ ب) روز نتوان نوشت و البته بی مغز شود - و اگر کسی بی این بشیتر خوب بنویسد موید بنفس قدسی خواهد بود - و فواید مشق قلمی بسیار ست و بی این مشق خوش نوشتن محالست و اگر منقول عنه چنان باشد که صلاحیت آن داشته باشد که مرکز دیگر قلمها شود اولی است ، و الا مرکزی قرار باید داد که فایده این بسیار است - و مخفی نماند که اگر منقول عنه کمتر از صد بیت باشد بی مشق طرفین کتابت برتبه نشود - امّا

مشق خیالی

و آن آنست (ورق ۱۵ ب) که کاتب کتابت کند نه بطریق نقل بلکه رجوع بقوت طبع خویش کند و هر ترکیب که واقع شود نویسد - و فایدهٔ این مشق آنست که کاتب را صاحب تصرف کند و این مشق چون بسیار بر مشق قلمی غالب شود کتابت بی مغز شود - و اگر کسی مشق قلمی عادت کند و از مشق خیالی گریزان باشد بی تصرف شود و او چون خوانندهٔ

باشد که تصنیف دیگران فرا گیرد و خود تصنیف تواند کرد. و در مشق قلمی تصرف کردن مجوز نیست (۱۵ ب) و پوشیده نماند که در تهیهٔ اسباب مشق کمال سعی باید کرد و الا فایده ندهد چنانکه افضل الکتاب مولانا میرعلی می فرمایند. **قطعه**

پنج چیز است که تا جمع نگردد باهم
هست خطاط شدن نزد خود امر محال
دقت طبع و وقوفی ز خط و قوت دست
طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال
گر ازین پنج یکی راست قصوری حاصل
ندهد فایده گر سعی نمایی صد سال

فصل چهارم

دربیان قلم تراشیدن

اول باید که قلم سرخ و سفید که سختی آن متوسط بود بدست آورد و دو قلمتراش که یکی باریک و تنک و تیز باشد از جهت خانهٔ قلم خالی کردن و یکی ثقیل و تیز باشد از جهت قط کردن قلم تا در وقت قط نلرزد. و نی قط رسیده چنانکه ناخن درد فرو نرود. و بعد ازینها در قلم تراشیدن شروع کند. و اجزای ستهٔ را بعمل آورد و اجزای ستهٔ فتح ست و شق و انسی و وحشی و (۱۶ ب) مغز و قط و شرط فتح قلم نسخ تعلیق آنست که محرف باشد چون بر

پهلوی چپ فتح قلم گردند از چهار دانگ اول فتح قط محرف
بنظر آید. و اگر قلم خفی و اگر جلی باشد بقدر ده نقطهٔ
آن قلم درازی فتح قرار دهد و بعضی نقطهٔ محرف دانسته
اند و بعضی نقطهٔ جزم. و قلمی که بسیار جلی باشد اگر فتح
کوته تر باشد مجوز است. و شرط شق آنست که چون فتح
بر گیرد پشت قلم بر روی نی قط نهد و بانگشت چنان
زور کند که وسط دورق ۱۷ و) حقیقی آن بشگافد و نهایت
شق تا چهار دانگ فتح باشد و این شق بهترین شقوقست
و انسی و وحشی آن برابر باید چنانکه مولانا فرماید. بیت

انسی و وحشیش برابر کن
چار دانگ و دو دانگ گشته کن

و شرط مغز آنست که بقدر یک دانگ قط قلم باشد و تا یک
دانگ و نیم نیز نوشته اند و زیاده ازین خطاست و شرط
قط آنست که وسط باشد چنانکه مولانا فرموده. شعر

گر محرف کنی خطا باشد
متوسط کنی رد(۱) باشد

و طریق دانستن قط (۱۷ ب) محرف و متوسط و جزم آنست
که مربعی متساوی الاضلاع وضع کنند و از زاویهٔ خطی بکشند
چنانکه دو مثلث ظاهر شود و آن خط را قط محرف فرا گیرند
و ازان زاویهٔ که اول شروع کرده در قط محرف تا بیان
قائمهٔ برابر در مثلث زبرین خطی بکشند و این را قط متوسط

دانند و طرف بالای این خط را مائل بحرف، و طرف زیر را مائل بجزم و صورت آن اینست۔



و چون قلم تراشند خاک بر ورق ۱۸ و)، پشت آن بمالند تا اگر چربی داشته باشد جذب کند و بعد از آن قلم را بنقطه تجربه نمایند ◆

فصل پنجم

در آداب مرکب ساختن

چون ده مثقال دوده، چربی گرفته بدست آورد باید که چهل مثقال صمغ را در آب کند تا چون عسل شهد شود و آن دوده را در کاسه کند و چهار دانگ صمغ را هم در کاسه کرد و آن مقدار کف بمالد که آن دوده کشته شود و بعد از آن آن دو دانگ صمغ را یک مقابل آب اضافه کند تا روان تر شود و آن را (۱۸ ب)، نیز در آن کاسه ریزد و بآن دوده بیامیزد چنانکه آن را در شیشه توان

کرد۔ پس آن را در شیشه یا در ظرفی که مثل آن باشد کند
چنانکه تا نصف آن بشود و سر آن را محکم گیرد و آن را
بجنباند تا کمال آمیختگی پیدا کند و هر چند بیشتر بجنباند صلابه
بیشتر خواهد یافت و اقل مرتبه ده روز باید جنبانید و بعد
ازان چهل مثقال زاج سیاه را در آب کند تا گداخته شود
و صاف کند و بعد ازان هشتاد مثقال مازو را خرد کرده با نیم
(ورق ۱۹ ل) مثقال زعفران و دو دانگ صبر و دو مثقال
افتیمون و ده مثقال پوست گردگان سبز و دو مثقال نیل را
در نیم من آب بجوشاند تا بنصف آید و آن را صاف کند
و ازان آب زاج اندک اندک درو ریزد و قلم برانجا
زده نویسد و تجربه کند تا رنگ آن قریبهٔ شود و این را
نیز اگر اندک صمغی اضافه کند۔ مرکبی قریبهٔ خواهد بود غرض
که اعتدال او آنست که قریبهٔ اعلی شود و واقف باشد
که زاج زیاد نباشد که مرکب را می سوزد۔ و بعد ازان
(۱۹ ب) مرکب را از شیشه بدر آورد و ازین آب زاج
و مازو اندک اندک برو ریزد و تجربه کند تا باعتدال درآید؛
اما باید که صمغ و دوده که در شیشه می کند که بجنباند
چنان نباشد که قبول لت نکند یعنی خیلی غلیظ باشد و الا
چندانکه بجنباند صلابه نخواهد یافت و این نوع مرکب ساختن
چند فایده دارد که آن نوع که در بازار می سازند ندارد۔
یکی آنکه چون در اندرون شیشه است از گرد و خاک محفوظ

ست - دیگر آنکه همهٔ آن مرکب بیک نوع صلایه می یابد (ورق ۲۰ ۶) برخلاف ماون که بعضی صلایه می یابد ❊

فصل ششم

در ترتیب کردن کاغذ

بدانکه کاغذ عادل شاہی کہ کم دانہ باشد بہترین کاغذ ہا ست و یکی از ارباب این فن در تعریف آن می گوید۔ نظم

جذا کاغذ عادل شاہی کہ ہنرور گل بنجارش خواند
قیمت آن قلم من داند کہ نثارش در شہوار افشاند

و بعد ازان دولتا بادی بلتہ کہ آن را سلطانی گویند ہم خوبست و بہترین رنگہا خطاییست چنانکہ مولانا فرماید :

ہیچ رنگی بہ از خطایی نیست (ورق ۲۰ ب)
حاجت آہکہ آزمایی نیست

و مصالح آن رنگ حنا و مداد و زعفرانست و باید کہ سازالمار از نشاسته[1] کنند و در وقت اہار کردن آنقدر دست بمالند کہ در جسم کاغذ نفوذ کند و در وقت مہرہ کردن کاغذ را نم کنند تا از گرمی مہرہ نسوزد و خوبی مہرہ آنست کہ چنان روشن شود کہ عکس روی دروی نماید ❊

واللہ اعلم بالصواب
کاتبہ و مصنفہ بابا شاہ الاصفہانی غفر اللہ ذنوبہ

---

[1] اصل : نساستہ

فهرست اول

مصطلحات کتابت

فہرست دوم

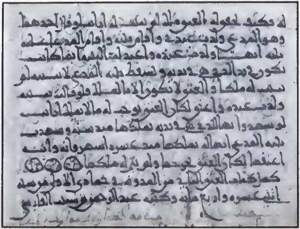
اعلام

خطاطی کے نمونے

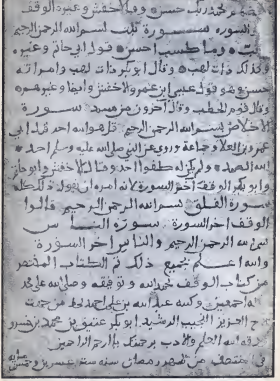
پانچویں صدی سے دسویں صدی ہجری تک کے نمونے جو اس کتاب میں شایع کئے جا رہے ہیں ان سے غرض یہ ہے کہ ارتقائے خط عربی کے مدارج معلوم ہو سکیں۔ اور مختلف ادوار کی خصوصیات خطی کا غائر نگاہ سے مطالعہ کیا جا سکے اور اس مطالعہ سے ایسے نسخوں کی نسبت جن پر تاریخ کتابت ثبت نہ کی گئی ہو صحیح قیاس کی بنیاد قایم ہو سکے۔ اس مطلب کے لئے متعدد کتاب خانوں کے بہت سے نسخوں کو دیکھ دیکھ کر چند مستند نسخوں کو نمونوں کے لئے منتخب کیا گیا۔ جن اصحاب نے اپنے نسخے مستعار دیئے انہوں نے علم و فن کی خدمت کی اور ہم کو شکر گذاری کا موقعہ دیا۔ ذیل میں ان نسخوں کے متعلق بعض اشارے درج کئے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری

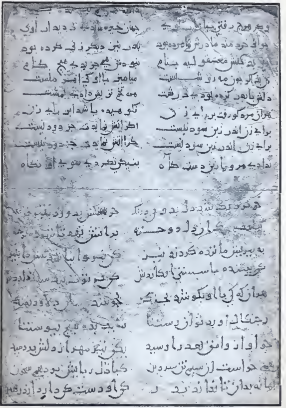
۱۔ کتاب المدونۃ الکبری؛ للامام مالک بن انس الاصبحیؒ (بروایت امام سحنون) کے ۱۹۔ اوراق خط کوفی میں رق پر لکھے ہوئے حافظ محمود شیرانی صاحب کے کتاب خانے میں



٣٣٢هـ ـ المدونة (الفروع المالكية)


عز محمد بك حسن وقال الاخفش وغيره الوقف
السوره سورة تبت بسم الله الرحمن الرحيم
تبت • وما كسب احسن • قول ابي حاتم وغيره
وكذلك ذات لهب • وقال ابو بكر ذات لهب وامراته
حسن هو قول عيسى ابن عمرو والاخفش وايضا وغيرهم •
وقال قوم الحطب وقال آخرون من مسد سورة
الاخلاص بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد قال ابي
عمرو بن العلا وجماعة وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد •
الله الصمد • ولم يكن له كفوا احد وقال الاخفش وابو حاتم
وابو بكر الوقف آخر السورة لانه امره ان يقول ذلك كله
سورة الفلق بسم الله الرحمن الرحيم قالوا
الوقف اخر السورة سورة الناس
بسم الله الرحمن الرحيم والناس اخر السورة
والله اعلم بجميع ذلك تم الكتاب المختصر
من كتاب الوقف بحمد الله وتوفيقه وصلى الله على محمد
واله اجمعين وكتبه عبد الله بن علي احمد لخط من جهة
ح العزيز النجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسرو
رزقه الله العلم والادب برحمتك يا ارحم الراحمين
في منتصف من شهر رمضان سنه ستة عشرين وخمس مايه

٥٢٦ـ المختصر من كتاب الوقف



حدود ۴۵۰ هـ (؟) وامق و عذرا العنصری

ہیں۔ اور کتاب التنق الثانی من المدونہ پر مشتمل ہیں۔ جس حصے کا عکس شائع ہوا ہے۔ وہ نسخہ مذکورہ کے خاتمہ کی عبارت ہے اور مطبع خیریہ قاہرہ کی طبع ۱۳۲۴ھ کی ج ۲ ص ۲۰۲ س ۲۶ تا ۳۰ کے مطابق ہے۔

پانچویں (؟) اور چھٹی صدی

۲۔ المختصر من کتاب الوقف : یہ نسخہ ۵۲۶ھ میں لکھا گیا اور کوفی خط کے آخری دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں خط کوفی کے کچھ اثرات باقی ہیں مگر نسخی کی خصوصیات غالب ہیں۔ اول الذکر میں کسب، الناس وغیرہ میں الف کی درازی المختصر کی خ اور لا (جس کو ہمیشہ ٧ لکھا گیا ہے) شامل ہیں۔ اصل نسخہ کی تقطیع ۹ × ۶½ انچ ہے اور عکس کی ۶⅔ × ۵½ انچ۔

۳۔ کتاب مذکور کی جلد بھی قدیم اور تحریر کتاب کے ساتھ معاصر معلوم ہوتی ہے۔ باریک چمڑے کے اندر کی جانب پرانے ردی کاغذ لگاکر اس کو دبیز بنانے کے لیے ان اوراق کو گوند سے باہم چپکایا گیا ہے۔ گوند چھڑانے اور ورق علیحدہ علیحدہ کرنے سے معلوم ہوا کہ عنصری کی وامق عذرا کے منتشر اوراق ہیں (اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچہ وامق و عذرا مرتبہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع) قیاس ہے کہ یہ خط حدود ۴۵۰ھ کا ہے۔ یہ

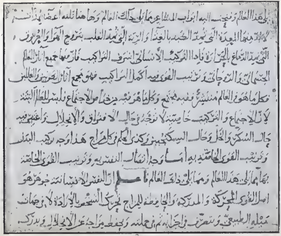
کتاب اس وقت میرے کتاب خانہ میں ہے۔

۴۔ **کتاب الملل و النحل للشہرستانی**۔ یہ نسخہ جو عبد المجید جیلی نے ۵۹۳ھ میں ایک ایسے نسخہ سے نقل کیا جس کا مقابلہ مصنف کے نسخہ سے کیا گیا تھا، ۲۰۹ ورق پر ختم ہوا ہے۔ تقطیع ۹ $\frac{۷}{۱۰}$ × ۶ $\frac{۱}{۵}$ انچ سطور ۱۹۔ ورق ۹۷ ب کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے۔ یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانے میں ہے۔

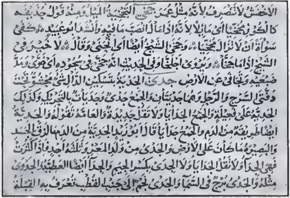
ساتویں صدی

۵۔ **الصحاح للجوہری** (م۔ ۳۹۳ھ) یہ نسخہ صحاح کی آخری جلد ہے۔ اس کا آغاز باب الغین کی فصل الصاد مادۂ صیغ سے ہوتا ہے اوراق ۳۸۸ ورق ۱۹ تا ۹۸ کاتب اصل کے سوا کسی اور نے لکھے ہیں عکس میں ورق ۲۹۹ وس ۱۳ تا ۲۲ اور ورق ۳۸۸ کی آخری سطر شامل ہیں۔ یہ نسخہ کتاب خانۂ حافظ محمود شیرانی صاحب میں ہے۔

۶۔ **تحفۃ الاریب من تاریخ الخطیب**۔ تاریخ بغداد مصنفہ ابن الخطیب (م۔ ۴۶۳ھ) کا یہ انتخاب امام عز الدین عبد العزیز بن ابی القاسم بن عثمان بن عبد الوہاب البغدادی معروف باباصری نزیل دمشق نے مرتب کیا۔ امام عبد العزیز نے تاریخ مذکور کی اجازت اپنے استاذ قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالفرج عبد الرحیم بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی سے لی جو

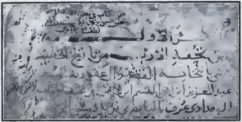

إلى هذا العالم وتنجذب إليه أبواب المشاعر بما يلي ذلك العالم وههنا ثلثه أعضاء يمدان
كل البدن منها المعدة التي تمد الكبد بالغذا والرئة التي تمد القلب بترويح الهوا والعروق
التي تمد الدماغ بالحرارة فإذا التركيب الإنساني أشرف التراكيب فإن منها جميع آثار العالم
الجسماني والروحاني وترتيب القوى فيه أكمل التراكيب فهو مجمع آثار العرشين والعالمين
فكل ما هو في العالم منتشر ففيه مجتمع وكل ما هو فيه من خاص من الاجتماع فليس للعالم البتة
لأن الاجتماع والتركيب خاصية لا توجد في حال الافتراق والانحلال واعتبر فيه
حال السكر والخل وحال السكنجبين وكذلك الحكم في كل مزاج هذا وجه تركيب البدن
وترتيب القوى الخاصة به أما وجه اتصال النفس به وترتيب القوى الخاصة
بها بما يلي هذا العالم ومما يلي ذلك العالم فاعلم أن النفس الإنسانية جوهر هو
أصل القوى المحركة والمدركة والحافظة للمزاج تحرك الشخص بالإرادة لا في جهات
ميله الطبيعي وتتصرف في أجزائه ثم في جملته وتحفظ مزاجه عن الانحلال وتدرك

٥٩٣ هـ الملل والنحل للشهر ستانى

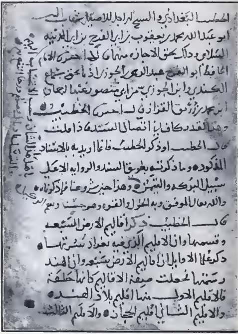


الاخفش لا تنصرف لانه مثل عمر جخى التجخية الميل ومنه قول جذيفه
كالكون مجخيا اى مايلا لانه اذا امال انصب ما فيه وانشد ابو عبيد ؞ كفى
سواة ان لا تزال مجخيا ؞ وجخى الشيخ ايضا اى انحنى وقال ؞ لا خير في
الشيخ اذا ما جخا ؞ ويروى اجلخا وفي الحديث انه جخى في سجوده اى خوى ومد
ضبعيه وتجافى عن الارض جدى الجدية بتسكين الدال شى محشو تحت
دفتى السرج والرحل وهما جديتان والجمع جدى وجديات بالتحريك وكذلك
الجديه على فعيلة والجمع الجدايا ولا تقل جديدة والعامة تقوله والجدية
ايضا طريقة من الدم والجمع جدايا قال ابو زيد الجدية من الدم ما لزق بالجسد
والبصيرة ما كان على الارض والجدى من ولد المعز وثلثة اجد فاذا كثرت
فهى الجدا ولا تقل الجدايا ولا الجدى بكسر الجيم والجدا ايضا العطية والجدوى
مثله والجدى برج في السما والجدى نجم الى جنب القطب تعرف به القبلة

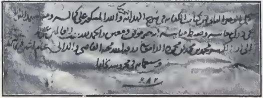
٨ ٦٢٣هـ الصحاح للجوهري



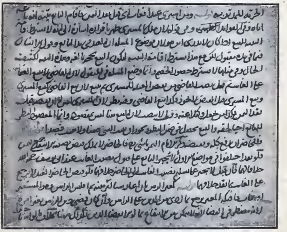
حدود ٤٠٠هـ تحفة الاريب لتاريخ الخطيب


الخطيب البغدادي والسبب لراجل للاصفهاني الشيخ
ابو عبد الله محمد بن يعقوب بن ابي الفرج بن ابي الجرتيه
الصيلاني وذلك بحق الاجازه منهما لنا اخبرنا الامام
الحافظ ابو الفرج عبد الرحمن الجوزي اذنا اخبرنا شماع
الكندي وابن الجوزي من ابي منصور عبد الرحمن
بن محمد بن زريق القزاز قال اخبرنا الخطيب
وهذا القدر كاف في اتصال السند اذا قلنا
قال الخطيب او ذكر الخطيب فانا نريد به بالاسناد
المذكور وما ذكرته بطريق المسند والروايه الا على
سبيل البركه والتيمن وهذا حين شروعنا فيما ذكرناه
والله تعالى الموفق وبه الحول والقوه وهو حسبنا ونعم الوكيل
قال الخطيب ذكر اقاليم الارض السبعه
وقسمتها وان الاقليم الذي فيه بغداد سرتها
ذكر علماء الاوايل ان اقاليم الارض سبعه وان الهند
وسمتها جعلت صفة الاقاليم كانها حلقة
فالاقليم الاول منها اقليم بلاد الهند
والاقليم الثاني اقليم الحجاز والاقليم الثالث

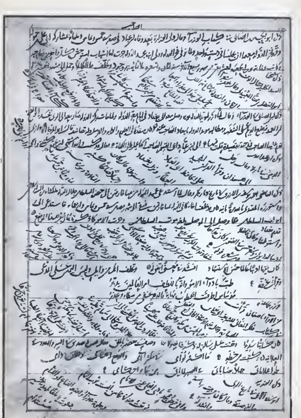
حدود ٧٠٠هـ ـ تحفة الاريب لتاريخ الخطيب



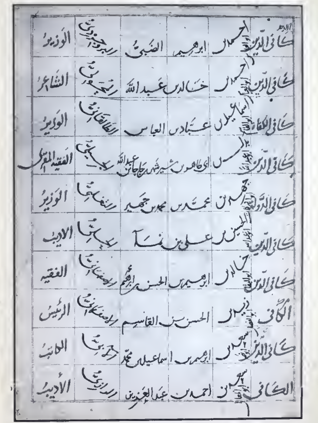
٧٨٢هـ الكفاية في شرح الهداية



٧٨٢هـ ــ الكفاية في شرح الهداية



لابن الفوطي (بخطه)



كافي الدين	أحمد بن	ابرهيم	الضبي	[illegible]	الوزير
كافي الدين	أحمد بن	خالد بن عبد الله		[illegible]	الشاعر
كافي الكفاة	إسماعيل بن	عباد بن العباس		الطالقاني	الوزير
كافي الدين	الحسن بن	أبي طاهر بن شيرشهر	جاجان عبد الله	[illegible]	الفقيه المقرئ
كافي الدولة	محمد بن	محمد بن	محمد بن جهير	[illegible]	الوزير
كافي الدين	الحسين بن	علي بن	[illegible]	[illegible]	الأديب
كافي الدين	خالد بن	ابرهيم بن	الحسن بن ابرهيم	الاصفهاني	الفقيه
الكافي	زبير بن	الحسن بن	القاسم	الاصفهاني	الرئيس
كافي الدين	سعد بن	ابرهيم بن	اسماعيل محمد	[illegible]	الكاتب
الكافي	سعد بن	أحمد بن	عبد العزيز	الرازي	الأديب

حدود ٧٢١هـ تلخيص مجمع الآداب فى معجم الالقاب

۷۸۲ھ میں فوت ہوئے (براکلمن ۱ : ۲۹۹)
کتاب کے سرورق کی پہلی چند سطروں اور ورق ۲ ا کا عکس دیا گیا ہے۔ یہ نسخہ الحسن بن محمد البورینی الشافعی (م۔۱۰۲۴ھ) کے قبضے میں بھی رہ چکا ہے۔ ان کے دستخط کتاب کے نام کے اوپر درج ہیں۔ دیکھئے عکس۔ اصل کی تقطیع ۷×۴⅘ انچ ہے۔

آٹھویں صدی

۷۔ ۱ و ب تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب لابن الفوطی (م۔ ۷۲۳ھ) اس کتاب کا مفصل اور نہایت دلچسپ حال فاضل دوست پروفیسر محمد اقبال نے مئی ۱۹۳۵ء میں اسی رسالہ میں دیا ہے وہاں دیکھئے۔ یہ نسخہ بخط مصنف ہے۔ اور عکس اس کے ورق ۲ ب اور ۳ ا کا ہے۔ پہلے صفحہ پر ہر شخص کا لقب نام نسب وغیرہ دیا ہے اور دوسرے پر اس کا حال۔

۸۔ کتاب الکفایہ فی شرح الہدایہ۔ ہدایہ مرغینانی (م۔۵۹۳ھ) کی ذیل میں حاجی خلیفہ (۲ : ۲۲۹) نے لکھا ہے:

قیل ان الکفایة شرح الهدایة لمحمود بن عبید بن محمود تاج الشریعة مؤلف الوقایة اس نسخہ میں جس کو محمد بن محمود دامغانی نے ۷۸۲ھ میں بخارا میں لکھا۔ ۱۷۹ ورق ہیں۔ عکس ص ۷۵ ب س ۱۷ تا ۳۱ اور ص ۷۹ ب ص آخر س ۱۹ تا ۲۳ شامل ہیں۔ شروح و حواشی کے خط کا یہ اچھا نمونہ ہے از کتاب خانۂ حافظ محمود شیرانی صاحب۔

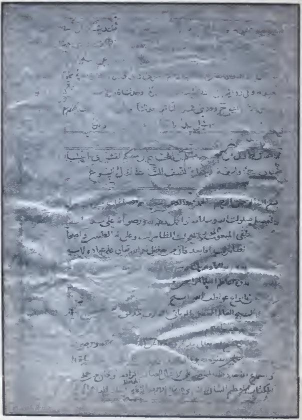
۹۔ صحیح مسلم نصف اول ۔ اس نسخہ کے آخر میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے خود ۷۸۹ ہجری میں اجازت نامہ لکھا ہے ۔ اس وقت وہ شیراز میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اس تقریب سے انہوں نے مجلس سماع حدیث منعقد کی تھی۔ کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی مصدقہ فہرست ہے جو مجالس میں شریک ہوئے ۔ یہ فہرست غالباً کاتب کتاب کے قلم سے ہے۔ تقطیع اصل ۹ × $\frac{1}{5}$۶ انچ ہے۔

نویں صدی

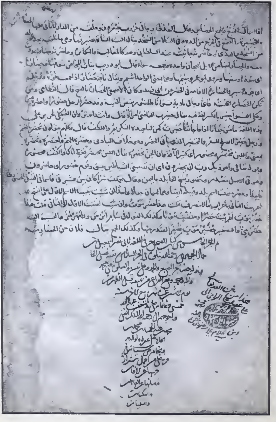
۱۰۔ صحاح جوہری کا یہ نسخہ بھی جو شیراز کے نواح میں لکھا گیا۔ شیرانی صاحب کے کتاب خانہ سے لیا گیا۔ یہ نسخہ جلد ثانی پر مشتمل ہے ۔ ورق ۲۲۳ میں عکس ص ۱۱۱ سے لیا گیا ہے جس میں مادہ حضر کا آخری حصہ آیا ہے۔

۱۱۔ کتاب المسایرۃ فی العقاید لابن الہمام : یہ نفیس نسخہ جو بظاہر شام میں لکھا گیا۔ صحاح جوہری کی طرح ۸۵۰ھ میں تحریر ہوا۔ لیکن ایرانی اور عربی خط کا فرق ملاحظہ ہو ۔ اس نسخہ کے آخر میں علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی کا تصدیق نامہ مورخہ ۸۵۳ھ موجود ہے ۔ انہوں نے جس نسخہ کو مصنف سے سنا تھا۔ یہ نسخہ اس کی نقل ہے ۔ علامہ قاسم نے مقابلہ اور تصحیح اس نسخہ کی کرائی اور اسی کی تصدیق کی ہے۔

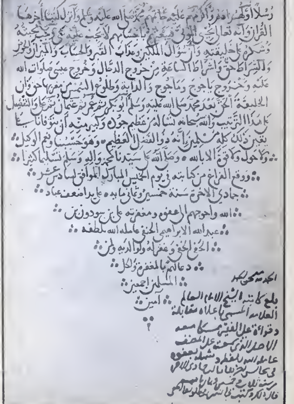
۱۲۔ ۱۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ : یہ نسخہ ۸۸۴ھ میں بلدہ طبس از


بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله ... [illegible]
و ... صلوات الله وسلامه ... على سيد
خلق المبعوث ... الطاهرين وعلى آله الطاهرين وأصحا
... فإن من ... الله تعالى على عباده ...

حدود ٥٦٨٩ — صحيح مسلم

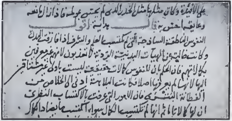


٨٥- الصحاح للجوهري

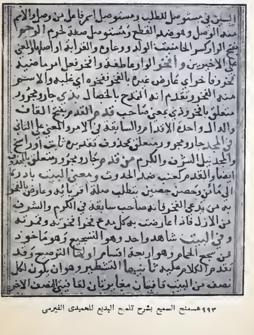

رسلا أولهم آدم وآخرهم وأكرمهم عليه خاتمهم محمد صلى الله عليه وسلم وأنزل الكتب آخرها
القرآن وأنه تعالى يحيي الموتى فيبعثهم بأجسامهم لا يجب عليه شيء ويجب محبته
وشكره على خليقته وأن سؤال الملكين وعذاب القبر والحساب والميزان والحوض
والصراط حق وأشراط الساعة من خروج الدجال وخروج عيسى صلوات الله
عليه وخروج ياجوج وماجوج والدابة وطلوع الشمس من مغربها حق وأن
الخليفة الحق بعد محمد صلى الله عليه وسلم أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي والتفضيل
على هذا الترتيب والله سبحانه نسأله من عظيم جوده وكبير منته أن يتوفانا سيما
يقين ذلك كله مسلمين إنه ذو الفضل العظيم وهو حسبنا ونعم الوكيل
ولا حول ولا قوة إلا بالله وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم تسليما كثيرا
ووقع الفراغ من كتابته في يوم الخميس المبارك الموافق لسادس عشر
جمادى الآخرة سنة خمسين وثمانمائة على يد أضعف عباد
الله وأحوجهم إلى عفوه ومغفرته علي بن سودون بن
عبد الله الإبراهيمي الحنفي عامله الله بلطفه
الخفي وغفر له ولوالديه ولمن
دعا لهم بالمغفرة ولكل
المسلمين أجمعين
آمين

الحمد لله ...
بلغ كاتبه الشيخ الإمام العالم
العلامة المسمى بأعلاه مقابلة
وقراءة على الفقير ... معه
الأصل الذي نسخه على المصنف
عامله الله بلطفه وشمله بعفوه
في مجالس آخرها ... جمادى الأولى
سنة ثلاث وخمسين وثمانمائة
قال ذلك وكتبه ...

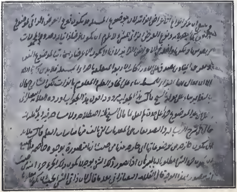
٨٥٠ هـ ـ كتاب المسايرة في العقائد لابن الهمام


على الاذية وكان مثلها مثل الخدر الذي لم يحس بوطئه فاذا زال العائق
وعايقها احس به قال هداية اقول
النفوس الناطقة الساذجة التي لم تكتسب العلم والشرف اذا فارقت البدن
وكانت خالية عن الهيئات البدنية الردية لا تعذبون لانهم غير معرفين
بكمالاتهم فان الحكم بان للنفوس كمالات حقيقية ليست باولى غير مشتاقين
اليها لانها لم يعرفوها اصلا فكانت البلاهة ادنى الى الخلاص من
الفطانة البتراء فان الامور التي عرفت بالاكتساب النظري
ان لها كمالا تاما انها لم تكتسب الكمال سواء اكتسب ضدها الكمال

٨٨٣هـ شرح هداية الحكمة


البيت في مستوصل للطلب ومستوصل اسم فاعل من وصل والاسم
منه الوصل وهو ضد القطع ومستوصل صفة لحرم الوحم
بفتح الواو وكسر الحا منبت الولد ووعاوه والغرابة او اصلها والمعنى
على الاخيرين والفخر الواو عاطفة وافخر فعل امر ماضيه
فخر وفاخر اي عارض غيره بالفخر ففخره اي غلبه والاسم
منه الفخر وتقدم انه المدح بالخصال بذي جار ومجرور
متعلق بافخر وذي بمعنى صاحب قدم القدم بفتح القاف
والدال واحد الاقدام والسابقة في الامر والمعنى على الثاني
في المجد جار ومجرور ومتعلق بمحذوف تقديره ثابت او راسخ
والمجد نيل الشرف والكرم من قدم جار ومجرور ومتعلق بالمحذوف
ايضا والقدم كعنب ضد الحدوث ومعنى البيت بادر
الى مائن وحصن حصين بتطلب صلة اقربائه وعارض بالفخر
به من يدعي الفخر فانه صاحب سابقة في الكرم والشرف
من الازل فاذا عارضت به كل مدع فخرا فخرته وقهرته
وفي البيت شاهد واحد وهو التسجيع وهو ماخوذ
من سجع الحمام وهو اربعة اقسام اولها الترصيع وقد
تقدم الكلام عليه ثانيها التشطير وهو ان يكون لكل
نصف من البيت قافيتان مغايرتان لقافيتي النصف الاخر

٩٩٣هـ منح السميع بشرح تلميح البديع للحميدى الفيرمى



۸۳۹ه‍ـ حاشیه قطبی از غیاث الدین

ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ومات رحمه الله وهو على مثل تلك الحالة
فسالت عنه ما كان اسمه قالوا كان اسمه خيرا فقلت والله لم تخب التسمية
وقلت لهم هذا البس منكم ونحن احق به ان نتولى امره قالوا نعم فاخذته وجهزته
هو واخي معا وصلينا عليهما وواريناهما التراب جميعا ثم فكرت في امر اخي كيف
احتوت عليه الدنيا حتى انسى الشهادة عند الحاجة فقلت والله لا اخذت
من مال هذا شيا وعاهدت الله على ذلك ثم قلت يا رب اشهدك علي اني لا التمس
من هذا المال ولا من غيره شيا ولي عليك شرط وهو اني اذا جعت تطعمني ما
اشتهي واذا عريت تكسوني واذا اعييت تحملني ووفى لي بما اشترطته
عليه وها انا اسير معه على هذا السير، وختم الكتاب بخير ..
اللهم توفنا مسلمين، والحقنا بالصالحين، وامنن علينا بخاتمة خير اجمعين.
وكان الفراغ من هذا المجموع المبارك من خط
جامعه الشيخ الامام العلامة شهاب الدين
احمد بن محمد بن علي بن الحجازي الشافعي
عفا الله عنه وعن والديه يوم
الثلاثا حادي عشر جماد
الاول سنة ست وتسعين
وثمان ماية
وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم، وغفر الله لكاتبه وجامعه والمسلمين اجمعين.

٨٩٦ هـ ــ روض الآداب للحجازي

بلاد خراسان میں نقل ہوا۔ اوراق ۱۶۵۔ سطور ۲۱۔ تقطیع ۷ × ۵ انچ۔ عکس آخری ورق کی پہلی ۸ سطروں کا ہے۔ یہ کتاب بھی شیرانی صاحب کے کتاب خانہ کی ہے ‪:‬

۱۲۔ ب۔ **روض الآداب للحجازی:** حجازی کا مفصل حال ماہ مئی ۱۹۳۶ء میں اسی میگزین میں شایع ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھیں یہ نسخہ مصنف کے اصل سے بظاہر مصر یا شام میں نقل ہوا۔ اصل کی تقطیع ۱۰½ × ۷⅘ انچ ہے۔ عکس میں آخری صفحہ کی ۳۱ سطروں میں سے صرف ۱۸ لی گئی ہیں ‪:‬

دسویں صدی

۱۳۔ **حاشیہ غیاث الدین بر میر قطبی در علم منطق:** محشی کا حال معلوم نہیں۔ اصل کی تقطیع ۷ × ۵½ انچ۔ ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں۔ آخری صفحہ کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے ‪:‬

منح السمیع: یہ کتاب بھی بخط مصنف ہے۔ جس کا حال کشف الظنون ج ۱ ص ۴۳۰ پر ملاحظہ ہو۔ مصنف کا نام عبدالرحمٰن بن شہاب الدین المعروف بالمجیدی الفیومی ہے۔ اصل کے ۲۰۲ ورق ہیں۔ تقطیع ۸½ × ۶½ سطور ۲۳۔ عکس ص ۱۲۹ کی پہلی اٹھارہ سطروں کا ہے ‪:‬

خطاطانِ سندھ

اقتباس از تحفۃ الکرام تالیف میر علی شیر قانع شکر اللہی ٹھٹوی

ذیل کا اقتباس سندھ کے خطاطوں کے متعلق تحفۃ الکرام سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب جو ۱۱۸۱ھ میں تصنیف ہوئی چھپ چکی ہے۔ دوسری جلد کے آخر میں سن طباعت ۱۳۰۴ھ دیا ہے اور تیسری جلد کے شروع میں لکھا ہے: در مطبع ناصری واقع دلہائی (؟) طبع شد۔ اقتباس مندرجہ ذیل مطبوعہ ایڈیشن کی جلد ۳ ص ۲۲۱ پر موجود ہے۔ مگر اس کو یہاں درج کرنے کی جہت یہ ہے کہ اگلے دن راقم کو کتاب مذکور کا ایک نسخہ بخطّ مصنّف نظر آیا جس میں مولف کے بعض زیادات بھی ہیں۔ سطور ذیل اسی نسخہ سے منقول ہیں۔ زیادات کو میں نے خطوط وحدانی سے محدود کیا ہے۔ اور سہولت مراجعت کے لئے خطاطوں کے اعلام کے ساتھ عدد مسلسل دے دیئے ہیں۔ ٹھٹہ کے کتبات کے سلسلے میں بھی جو اسی کتاب کے آخر میں درج ہیں۔ یہ اقتباس کارآمد ثابت ہوگا۔

طبقهٔ خوشنویسان سندھ

هرچند در مذکورات سابق برخی وجوه اہل این فن ہم سمت تحریر یافته اما اینجا مراد بذکر معارف این ہنر والا است۔

۱۔ حافظ رشید خوشنویس

در عهد جام نظام الدین و جام فیروز[1]* در خوش نویسی علم مہارت می افراشته و در سلک اجلّ مشاہیر زیسته۔

۲۔ سید حسن خوشنویس

در عهد[2] ترخانیه بفنون خوش نویسی ماہر وقت زیسته۔ پسرش سید محمد طاہر ایضاً جامع ہفت قلم معروف انام گشته۔

۳۔ مخدوم الیاس خوشنویس بن مخدوم یوسف

در خط[3] نسخ و تعلیق مہارت کامل* داشته باستادی وقت مشہور

---

[1] جام نظام الدین نے ۸۶۶ سے ۸۹۷ھ تک اور جام فیروز نے ۸۹۷ سے ۹۳۲ھ تک حکومت کی (زامباور ص ۲۹۰) اس کی حکومت کے آخری سالوں میں شاہ بیگ ارغون سندھ پر قابض ہوا [2] ترخانیوں کی حکومت سندھ کا زمانہ ۹۶۲ تا ۱۰۰۱ھ ہے (زامباور ص ۲۹۱) [3] نسخه مطبوعه بنستعلیق و نسخ مہارت کل

[۲ ۳ ۳ و] شاگردانِ رشید مثل سیّد علی ازو بهره فن کمال شدند۔

۴۔ سیّد رحمت اللہ ولد سیّد ابوالقاسم بیگ لار

در خط نستعلیق از معروفان روزگار گشته۔

۵ [سید عبدالله حسنی نازک رقم]

۶۔ شیخ محمد فاضل ولد شیخ محمد

معاصر عهد شاه جهان پادشاه در کتبه نویسی خط ثلث نادرهٔ زمان زیسته۔

۷۔ شیخ محمد ولد شیخ محمد فاضل مذکور

ایضاً در کتبه نویسی مثل پدر مهارت می افراشت

۸۔ شیخ عبدالواسع خوشنویس

در خط نستعلیق معروف روزگار بوده در حضرت شاه جهان پادشاه بار ور شده منشی تحریر فرامین و نشانها گشت وی را هفت پسر است - شیخ عبدالسمیع و شیخ عبدالشکور و شیخ عبدالغفور و شیخ محمد معین و شیخ عبدالحق و شیخ محمد شریف و شیخ عبدالرؤف هر یک مثل پدر بزرگوار بفن خوشنویسی ماهر اظهر زیسته و بجای پدر منشی گری آن درگاه سلاطین سجده گاه رسیدند۔

۹۔ سید علی

استاد بانام صاحب دستگاه کامل جامع فنون خوشنویسی زیسته۔

ـــه دیکهو نمبر۹ ـــه مطبوعه نسخه: بوده

شاگردانش اکثری بکمال رسیدند [نبیره اش سید مهدی مرحوم که بعد فوتش جا گرم داشته و سید احمد ساکن محله خواجه می باشند]

۱۰- شیخ محمد علی

در خط نستعلیق شهره آفاق بر آمده بحضور عالمگیر هنر بوجه اتم داده سرافراز گردید۔

۱۱- میاں شیخ محمد

شاگرد سید علی مذکور است ۔ در هفت قلم اشهر انام[1] آمده۔ از پسرانش شیخ ابو الفضل در خوشنویسی اظهر[2] وفت گذشته۔

۱۲- شیخ محمد پناه

جامع کمالات خوشنویسی بر اکثر خوشنویسان علم سبقت بر افراشت ۔ قضا را در عین جوانی بگذشته پسرش محمد عالم اکنون بیادگاری[2] آبا خوش نویس بے بدل ماہر فنون غریبہ آن ہنر است[3] ؛

---

[1] مطبوعہ نسخہ : ایام

[2] مطبوعہ نسخہ میں یہ لفظ نہیں ہے۔

[3] مطبوعہ نسخہ : بفنون ہنر ماہر است۔

۱۳-سید نعمت الله

خوش نویس بے بدل گذشته است[۱]؛

۱۴، ۱۵، ۱۶-خواجه میر محمد بزرگ رضوی

که ذکرش گذشته شاگرد پدر خود[۲] و محمد شفیع خوشنویس شاه بندر و هدایت الله زرین رقم از استادان بزرگ فن خوشنویسی معروف است[۳]؛

۱۷-خواجه میر شریف

اولاد خواجه میر شهاب الدین که مذکور شدند خوش نویس معروف شاگرد سید علی است۔ پسرش خواجه میر مرتضیٰ که وصفش گذشته اکنون در استادان این فن نامی وقت [میر محمد فاضل رضوی پسرش]

۱۸-میاں حبیب الله

شاگرد سید علی مذکور است در هر هفت خط استاد کامل

---

[۱] مطبوعہ نسخہ: معروف گذشتہ [۲] مطبوعہ نسخہ میں یہ لفظ نہیں ہے

[۳] مطبوعہ نسخہ میں ہے: پدر خود محمد فاضل۔ مگر مصنف نے اپنے نسخہ میں محمد فاضل کو قلمزن کر دیا ہے۔ [۴] نسخۂ مطبوعہ: معروف وقتست۔

گذشته۔ پسرش میاں[1] تاج محمد خوش نویس معروف وقت یادگار[1] ہ

۱۹- درویش علی بیک

از طایفه مغل خوش نویس نامی است نبیره اش درویش علی بیک[2] ایضاً ہمچون جد از ناموران آن بود۔

۲۰- سید میر محمد

از شاگردان سیدعلی[3] خط ثلث بوضع خاص می نوشته[4]۔ و در نسخ [ہم خوشنویس مدتی طرف حجاز و یمن گذرانیده به ٹھٹه آمده و باز آن طرف رفته حالا ہم در مدینه منوره سکونت دارد]

ا۔ نسخه مطبوعه : تاج محمد یادگار پدر خوش نویس باقی

۲۔ نسخه مطبوعه : علی بیک

۳۔ نسخه مطبوعه : میاں محمد پناه

۴۔ نسخه مطبوعه : نیکو می نویسد

سندھ کے بعض کتبے

راقم سطور کو ایک بار تعطیلات کرسمس میں سندھ کی سیر کا اتفاق ہوا۔ اور ٹھٹہ سے جیکب آباد تک مختلف مقامات ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ دیکھے گئے۔ ٹھٹہ اور سہوان میں دو دو دن قیام ہو سکا۔ اس لئے ان مقامات کو نسبتاً زیادہ توجہ سے دیکھا گیا۔ سندھ کو صوبہ بمبئی کے ساتھ ملحق رہنے سے بعض فواید بھی حاصل ہوئے ہوں گے۔ گر آثار سندھ کی مناسب نگہداشت شاید ان فواید میں شامل نہیں۔ اس لیے ان آثار کی حالت جیسی چاہیے ویسی نہ تھی۔ بعض کتبات جو ٹھٹہ اور سہوان یا ان کے قریب نظر پڑے ان کی نقلیں عجلت اور بے سامانی کے باوجود اتاری گئیں۔ اور ان کو صفحات آیندہ میں شایع کیا جاتا ہے۔ اگر کیمرہ یا اس قسم کا اور سامان ہمراہ لے کر عکس لیے جاتے تو زیادہ دلچسپ نتایج حاصل ہوتے۔ گر امید ہے کہ قارئین کرام ایک تیز تگ مسافر کی ان عاجلانہ مساعی کو دلچسپی سے خالی نہ پائیں گے:

ٹھٹھ[1]

جنگ شاہی ریلوے سٹیشن سے اس قدیم شہر کی طرف جائیں تو قریباً دو میل اس سے ورے کوہ مکلی کے مقابر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ زرد پتھر جن سے بعض شاہان سندھ کے مقابر بنے ہوئے ہیں اور جن کو نہایت نازک اور خوشنما سنگتراشی سے مزین کیا گیا ہے وہ تمازت آفتاب اور باد و باران کے اثر سے رُو بخرابی ہیں۔ کئی پتھر اپنے مقام سے ہل گئے ہیں اور مجموعی حالت ان مقبروں کی ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ زیادہ دیر تک ان کے نشانات باقی رہیں۔ یہ کتنا مشکل ہے۔ کہ محکمہ آثار قدیمہ کہاں تک ان مقبروں کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ تاہم اس محکمہ کو جلد سے جلد ادھر متوجہ ہونا چاہیے۔ کہ جو کچھ ممکن ہے کیا جائے۔ کاش کہ سندھ کی رائے عامہ بیدار ہوسکے اور حکام متعلقہ کو ادھر متوجہ کر سکے قبل اس کے کہ یہ قیمتی آثار عرضۂ فنا ہو جائیں۔

ٹھٹھ کی جامع مسجد کو اس کے سب سے زیادہ

---

[1] ٹھٹھ کے بعض حالات کے لیے دیکھو تحفۃ الکرام مطبوعہ ج ۳ ص ۱۸۵ بعد

جاذبِ نظر آثار ہیں سے سمجھنا چاہیے۔ مسجد میں چار جگہیں تاریخی قطعہ دیتے ہیں۔ ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ان میں سے ایک کی تاریخ ۱۰۵۴ھ اور دوسرے کی ۱۰۵۷ھ ہے۔ غالباً انہیں سے "آرکیولوجیکل سروے آف وسٹرن انڈیا" کی رپورٹ نمبر ۸ (طبع بمبئی ۱۸۷۹ء) ص ۷ میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مسجد کی عمارت ۱۰۵۴ھ میں شروع اور ۱۰۵۷ھ میں ختم ہوئی یعنی بزمانہ شاہجہان۔ ۱۰۵۷ھ والے کتبے میں بادشاہ کا نام بھی موجود ہے۔ ایک کتبہ میں تصریح موجود ہے کہ ۱۰۶۸ھ میں میر جلال رضوی وزیر کے اہتمام سے مسجد میں فرش لگایا گیا۔ یہ شاہ جہان کی حکومت کا آخری سال ہے اور اس کا نام اس کتبے میں موجود ہے۔ آخری کتبے کی تاریخ ۱۱۰۶ھ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اورنگ زیب (م - ۱۱۱۸ھ) میں بھی اس مسجد میں بعض ترمیمیں ہوئیں۔ رپورٹ مذکورہ میں ہے کہ مسجد پر ۹ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ مسجد کی بنیادیں اور کرسی پتھر کی ہے اور باقی عمارت پختہ کاشی کار اینٹوں کی ہے۔ چھت میں ۹۲ گنبد اور گنبدیاں ہیں جن میں سے تین بہت اہم ہیں۔ ان کے اندرونی جانب پر رنگین ٹائلیں لگی ہیں۔ جن کے رنگ کاریگروں نے نہایت خوش مذاقی سے ملائے ہیں۔ وسطی عمارت کا رقبہ ۳۰۵ × ۱۷۰ مربع فٹ ہے"۔

اکثر کتبے جو مسجد میں ہیں ان پر کاتبوں کے دستخط موجود

ہیں ۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ عبد اللہ ۱۰۶۸ھ ۔ اس کے ذکر کے لئے دیکھو یہی کتاب ص نمبر ۵

۲۔ شیخ محمد فاضل ۔ اس کے ذکر کے لئے دیکھو یہی کتاب ص نمبر۶

۳۔ عبد الغفور ۱۰۵۷ھ

۴۔ سید علی بن سید عبد القدوس ۱۱۰۴ھ دیکھو تحفۃ الکرام مطبوعہ ج ۳ ص ۲۰۰۔

صفحہ کا نمبر غلطی سے اس نسخہ میں ۱۰۰ چھپا ہے۔

۵۔ بنبو بن حسن

۶۔ طاہر بن حسن کاتب۔ دیکھو یہی کتاب ص نمبر۲

اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جامع شاہجہانی ٹھٹہ کے کتبے

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ مسجد میں چار جگہ قطعات تاریخ دیئے ہیں یہ قطعات درج ذیل ہیں۔ ان میں مادۂ تاریخ کے نیچے خط میں نے لگایا ہے ۔ مگر تاریخوں کے عدد اصل سے منقول ہیں۔ علاوہ ان کتبوں کے آیات کلام اللہ بھی جابجا درج ہیں۔ اکثر کتبے جو نظر پڑے ۔ نقل کئے گئے مگر ایک دو جگہ جہاں صرف آیات شریفہ درج تھیں ان کی نقل نہیں لی گئی۔

مشرقی ایوان

اس ایوان کے مغربی دروازے کے اندرونی اور بیرونی دونوں طرف کتبے ہیں۔ اندرونی طرف کا یہ کتبہ طاق کے ساتھ ساتھ تین ٹکڑوں میں بخط نستعلیق لکھا ہوا ہے۔

بادشاه زمانه شاه جهان جامع تته دل کشا پرداخت
مرتفع جامعی که گنبد او سایه برقبهٔ سما پرداخت
خاصه بهر خدای ظل خدا خانه رحمت خدا پرداخت
فرش جامع بحکم شاه جهان زبدهٔ آل مصطفیٰ پرداخت
رضوی انتساب میر[1] جلال که وزارت از و صفا پرداخت
بست فرشی که سنگ آن زصفا رشک جام جهاں نما پرداخت
سال تعمیر آن دبیر خرد
فرش مطبوع و دلکشا پرداخت

۶۸ ۱۰ ھ

مشقه عبدالله

بیرونی طرف طاق کے اطراف میں بخط ثلث لکھا ہے

تبارک الذی نزل الفرقان..................[؟] انه غفور رحیم

صدق الله صدق الله العلی العظیم شیخ محمد فاضل

طاق کے دائیں اور بائیں طرف بخط نستعلیق لکھا ہے:

---

[1] میر جلال وزیر کا پتہ نہیں مل سکا

دائیں طرف — بائیں طرف

چون ز صاحب قرآن شاہ جہان — ہاتفم گفت سال اتمامش
یافت ترتیب مسجد اعلے — گفت زیبا چو مسجد اقصے

۱۰۵۷ھ
مشقہ عبد الغفور

مغربی مسقف حصّہ

بیرونی طرف کا کتبہ بخط ثلث

لقد صدق اللّٰه رسوله الرویا.......... [تا] مغفرة و اجرا عظیما

کتبه سید علی بن سید عبد القدوس

۱۱۰۴ھ

محراب کے اوپر کا کتبہ بخط ثلث

اقم الصلوۃ.......... [تا] زھوقا

مشقه العبد الفقیر بنو بن حسن

اس حصے کے بڑے گنبد کے نیچے کی عمارت مثمن ہے۔ اس مثمن کے پہلوؤں پر بخط ثلث لکھا ہے:

سبحان الذی اسریٰ.......... [تا] عذاباً الیما

کتبہ فقیر طاہر بن حسن کاتب

صحن کے شمالی اور جنوبی اطراف کے وسط میں بھی ایوان ہیں۔ شمالی ایوان کے بیرونی طرف بھی آیات شریفہ لکھی ہیں۔ جن کو میں نے درج نہیں کیا۔ جنوبی ایوان کے اندر مغربی دیوار میں ذیل کا کتبہ بخط نستعلیق پتھر میں کندہ ہے:-

ندیده چشم فلک مسجدی بدین خوبی
که آمدند ملایک برای دیدن فیض
بجستم از خرد و عقل سال تعمیرش
بدیده کرد اشارت که ہست معدن فیض
۱۰۵۴

مسجد مظفر خان

علاوہ مسجد شاہ جہانی کے ٹھٹہ میں ایک مسجد عہد جہانگیری کی بھی ہے۔ یہ مسجد مظفر خان میر عبد الرزاق معموری نے بنوائی۔ میر کا حال مآثر الامراء ج ۳ ص ۳۷۷ و ۴۳۸ پر دیا ہے۔ وہیں سے معلوم ہوا کہ "معمور آباد موضعی است از نجف اشرف"۔ میرزا غازی بیگ ترخان ۱۰۰۸ھ میں فوت ہوا۔ تو صوبہ ٹھٹہ ضبط بادشاہی میں آیا۔ ۱۰۲۱ھ میں میرزا رستم صفوی کو والی بنا کر مظفر خان کو تشخیص جمعدامی کے لئے بھیجا گیا۔ یہ مسجد اس نے اسی زمانہ میں بنوائی۔ نہایت با موقعہ اور خوبصورت مسجد ہے۔ حال ہی میں کسی کاریگر رنگ ساز نے اس رنگ کو بہت خوشنما بنا دیا ہے۔

محراب میں پہلے کلام پاک سے ایک آیت درج کی ہے آخر میں لکھا ہے:

خاک آستان نبوی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد الرزاق

الحسینی المموری الملقب بمظفر خان بتاریخ ۲۲ ۱۰۲۲ھ اتمام شد؂

نواح ٹھٹھہ

خانقاہ بوترابی

ٹھٹھ کے راستے میں صوبہ سندھ کا گزیٹیر (بزبان انگریزی، مرتبہ ای۔ ایچ ائیکن (طبع کراچی ۱۹۰۷ء) دیکھ رہا تھا کہ ص ۹۱ پر یہ مضمون نظر پڑا:

"ایک بڑے شیخ نے جس کا نام ابوتراب تھا بھکر کا اہم قلعہ فتح کیا اور کئی بہادری کے کام کئے۔ یہ بزرگ ہمارے لئے دلچسپی کا موجب ہے۔ اس لئے کہ اس کی قبر موضع گجو (متعلقہ میرپور ساکرو) سے قریباً دو میل کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔ اس قبر پر ۱۷۱ھ* مطابق ۷۸۸ء کا کتبہ ہے۔ اور سندھ میں اس کو قدیم ترین تاریخی تحریر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔"

راقم سطور اس عبارت کو پڑھ کر پھڑک اٹھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عہد خلیفہ ہارون الرشید کی ایک تحریر تھوڑے فاصلے پر موجود ہے۔ اور اس کا دیکھنا آسانی سے میسر آئے گا۔ ٹھٹھ میں موٹر سے اسباب اتارنے کے بعد راقم نے سیدھا گجو کا رخ کیا اور وہاں سے خانقاہ شیخ ابو تراب پر پہنچا۔ گر

* تحفۃ الکرام میں بھی ہے کہ ۱۷۱ھ مکتوب ہے۔

اس کا کیا علاج کہ غایت تفتیش اور تفحص کے بعد وہ ۱۷۱ھ کی تحریر نظر نہ آنی تھی نہ نظر آئی۔ یہ خانقاہ ایک فرسودہ سے قبرستان کے اندر اچھی حالت میں موجود ہے۔ قبر کا گنبد قدیم معلوم ہوتا ہے مگر نقش و نگار حال ہی کے زمانہ کے ہیں۔ مشرقی دیوار میں ایک پرانا کتبہ نعلیق میں درج ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ موسی بن شمجان کے اہتمام سے ۳ صفر ۷۸۲ھ کو جام علاؤ الدین کے زمانہ میں ولی اللہ شیخ حاجی بو ترابی کا قبہ تعمیر ہوا۔

اگر کبھی اس جگہ ۱۷۱ھ کا کوئی کتبہ تھا تو وہ اب موجود نہیں ہے۔ لیکن راقم کو شک گذرتا ہے کہ اس کتبہ ہی جس کا خط آسانی سے پڑھا جانے والا نہیں ہے (دیکھو عکس جس پر نمبر الف لکھا ہے) کسی نے شاید غلطی سے "ہفصد و ہشتاد و دو" کو "ہفصد و ہشتاد و نہ" پڑھ لیا ہو اور اس کو بجائے ہجری تاریخ کے عیسوی تاریخ قرار دے دیا۔ بہر حال یہ کتبہ بہت دلچسپ ہے۔ یہ اس زمانہ کی یادگار ہے۔ جبکہ ٹھٹھ میں جاموں کی حکومت تھی۔ اگر زامباور (ZAMBAUR) کے بیبوئل ص ۲۹۰ کی تاریخیں درست ہیں۔ تو یہ زمانہ جام صلاح الدین کا ہے۔ جس نے ۷۸۱ تا ۷۹۳ھ ٹھٹھ میں حکومت کی۔ جس جام علاؤ الدین کا ذکر کتبہ میں ہے۔ وہ بظاہر شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کیونکہ نہ صرف حاکم تتہ بلکہ اس کے گھرانے کے افراد بھی جام کہلاتے تھے۔ اس

جام علاء الدین کا حال کہیں نظر نہیں آیا۔ کتبے کا نقش کوئلہ سے لیا گیا اور اس کا عکس دیا جاتا ہے۔ مگر پہلے اس کتبہ کا متن درج کیا جاتا ہے:

کتبہ کا متن

بعہد شہریار دہر سلطان جہان داور (کذا)
شہ فیروز منصور و مظفر در صف میدان
بامر سرفراز سند خاص حضرت عالی
کہ پای قدر او اعلا زفر فرقد تابان
ستودہ جام جم سیرت علاء الدین دریا دل
کہ از مہانی لطفش جہان شد جملہ آبادان
بر آمد این چنین گنبد معلا کز صفا گوئی
بسان بیت معمور آمد است از بار این ایوان
مقام شیخ حاجی بو ترابی آن ولی اللہ
کہ بر درگاہ او گردد روا حاجات خلق آسان
بسال ہفصد و ہشتاد و دو از ہجرت احمد
ز عون ایزد ذو المن والافضال و الاحسان
بناشد ثالث ماہ صفر این روضۂ میمون
بسعی کمترین بندگان موسیٰ بن شہجان

سہوان

سندھ کے قدیم ترین قصبوں میں سے ہے۔ کوٹری سے جو لائن دریائے سندھ کے دائیں طرف لاڑکانہ سے ہوتی ہوئی شمالی سندھ کو گئی ہے۔ اس پر واقع ہے۔ کوٹری سے سہوان ۸۴ میل شمال مغرب کو ہے اور لاڑکانہ سے ۹۵ میل جنوب مغرب کو۔ اس علاقہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ شیخ میر محمد المشہور بہ میاں میر مدفون نواح لاہور ۹۵۷ھ میں اس شہر میں پیدا ہوئے (تحفۃ الکرام ۳ : ۱۳۸) اور ذیل جس میں ابوالفضل علامی کا پانچواں جد شیخ موسی نویں صدی میں اس میں آکر بسے وہ بھی سیوستان کے علاقہ میں تھا۔ دیکھو مکاتبات ابوالفضل (طبع لکھنو ۱۲۸۶ھ) ص ۳۳۱

تحفۃ الکرام (ج ۳ بذیل سیوستان) میں ہے:

سہوان و سیوان نیز خوانندش داخل اقلیم پنجم طولش قدٌ عرضش اوّل۔ شہر قدیم موسوم باسم سہوان از اولاد سند مسموع حصنش از جملہ قلاع ستہ مذکور است و ازان بعد بکرات ترمیم یافتہ حاکم نشین علیحدہ بودہ از قدیم بانہ اول متعلق رایان الور و سپس زیر فرمان سلاطین ننتہ ماندہ۔ شاہ بیگ

لہ مطبوعہ ایڈیشن (۳ : ۱۳۵) بانہ

تہ نسخہ مطبوعہ اول

آن را از جام فیروز کشیده مرزا شاه حسن باز داخل تته نمود.
در وقتی که سند تحت فرمانروایان درگاه جلال الدین محمد اکبرپادشاه
رسید مجددا حاکم نشین علیحده شده. از عهد ایالت نواب خدا یار
خان بطریق اصل داخل سایر سند است. بر کوهش چشمه داهی
از عجائبات است. اکثر ارباب امراض بغسلش شفا یابند. همواره
بر یک قرار آبش پُر و جای[1] آمد آب محسوس نه. هنود آنجا به
پرستش در ایام معهود هجوم کنند و دیگر جای یک ستون است
که صفحهٔ بزرگی [در کوه[2]] بیک ستون باعتقاد مردم قدرتی متکون.
مردم بسیر و صفا آنجا روند و بر سقفش نظاره کنند. گویند آنجای
چهار یار اعنی مخدوم[3] عثمان و شیخ بهاء [الدین] و شیخ فرید و سید[4]

---

[1] نسخهٔ مطبوعه: پرو چاهی (که معنی ندارد)

[2] از روی نسخهٔ مطبوعه

[3] نسخهٔ مطبوعه: شیخ عثمان مروندی

[4] نسخهٔ مطبوعه: مخدوم جلال جهانیان. مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ اخبار الاخیار (طبع ۱۲۷۰ھ) ص ۱۶۴ پر ہے. کہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کا سن ولادت ۷۰۷ اور سن وفات ۷۸۵ھ ہے وہ عہد محمد تغلق میں "منصب شیخ الاسلامی و سند خانقاہ محمدی درسیوستان با مضاف مخصوص گشت". ظاہر ہے. کہ متن میں یہ مراد نہیں ہو سکتے. البتہ ان کے جد سید جلال سرخ مرید شیخ الاسلام بہاءالدین مراد ہوں گے. جو بخارا سے بھکر آئے اور وہاں سے اُچ گئے (اخبار الاخیار ص ۷۴) شیخ فرید الدین کا سن وفات محرم ۶۶۴ھ ہے (اخبار الاخیار ص ۶۳)

جلال بمکاشفات نشستہ اند۔ خطہ نامی و بقعہ گرامی است۔

ضلع لاڑکانہ کے گزیٹیر (طبع بمبئی ۱۹۱۹ء) میں صفحہ ۴۶ تا ۵۲ پر بعض حالات اس قصبہ کے دیئے ہیں۔ تفصیل وہاں دیکھنی چاہیئے۔ چند باتیں وہاں سے لے کر یہاں درج کی جاتی ہیں۔

سہوان اَرَل ندی کے دائیں کنارے ایک بلندی پر واقع ہے۔ جس کے دامن میں دلدل ہے۔ یہ ندی جھیل منچھر سے نکل کر دریائے سندھ میں گرتی ہے۔ پہلے دریا بستی کے قریب بہتا تھا۔ اب اس کا فاصلہ اغلباً تین میل ہوگا۔ ریلوے سٹیشن سہی سے میل بھر کے فاصلے پر ہے۔

بستی میں عملاً کسی قسم کی دستکاری یا تجارت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی خوشحالی اس بستی کو حاصل ہے وہ لال شہباز [رح] کی خانقاہ اور سالانہ میلے کی وجہ سے ہے۔

سہوان تاریخی اعتبار سے نہایت قدیم جگہ ہے۔ بعض کے نزدیک "سندیماتا" جس کے بادشاہ سامبوس نے سکندر اعظم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے یہی جگہ ہے۔ بستی بلندی پر واقع ہے۔ پانی سے قریباً گہری ہوئی ہے۔ درہ لکی کے عین سامنے ہے۔ اس لئے لازم تھا کہ سندھ کا ہر فاتح جو اپنے قدم اس ملک میں جمانا چاہتا۔ سہوان پر قبضہ کرتا۔ اور اس کو اپنے قبضہ میں رکھتا۔ ساتویں

لہ مآثر الامرا ۳: ۶۹۷ پر ہے: قلعہ سیہون .... کہ بر ساحل دریاے سندھ است۔

(باقی ص ۳۰۲ پر)

صدی میں جب کہ سندھ میں ہندو بادشاہوں کا راج اور ملک پانچ صوبوں میں منقسم تھا۔ سہوان ایک صوبہ کا صدر مقام تھا۔ محمد قاسم نے ۷۱۱ء میں دیبل کو فتح کرنے کے بعد سیدھا ادھر کا رُخ کیا اور آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور گو راجہ داہر کا لڑکا یہاں کا والی تھا مگر باشندے بدھ مت کے پیرو تھے اور لڑنے پر رضامند نہ تھے۔ جب سندھ کو شاہان دہلی نے فتح کیا تو اس زمانے میں بھی عموماً سہوان میں ایک والی (گورنر) رہا کرتا تھا۔ پھر جب سمّوں نے زور پکڑا تو انہوں نے بھی فوراً سہوان پر قبضہ کر لیا۔ اور جب سمّوں کے آخری بادشاہ سے شاہ بیگ ارغون نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱ : لے جلال الدین خوارزم شاہ نے بھی سہوان پر قبضہ کیا۔ دیکھو جہان کشای جوینی ۲ : ۱۴۷ ج ۵ - چند صدی بعد ۹۹۹ھ میں خانخانان نے بھی سندھ کو فتح کرنا چاہا تو پہلے سیوستان کا قصد کیا۔ ماثر الامرا میں محل مذکور پر ہے :

"خانخانان بچالاکی و تیز دستی از پایان قلعہ سہوان کہ سیوستان گویند گذشتہ لکھی را کہ دروازۂ آن ملک است .... بدست آورد۔"

میرزا جانی حاکم ٹھٹھ نے جنگ ہائے سخت کے بعد شکست کھائی اور سال ۳۷ اکبری میں صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ شرط یہ ہوئی کہ قلعہ سہوان خانخانان کے حوالہ کرے اور میرزا ایرج بن خانخانان کو دامادی میں قبول کرے۔

حاشیہ صفحہ ۳۰۲ :

لے دیکھو فتوح البلدان ص ۴۳۸ بلاذری نے قصبہ کا نام سیہان لکھا ہے۔

حکومت چھین لی تو سہوان پر قبضہ کرنے کے لئے اس نے ایک اور لڑائی لڑی۔ شاہ بیگ کے لڑکے میرزا شاہ حسین کے زمانہ میں ہمایوں (شیرشاہ سے شکست کھا کر) سندھ میں آیا اور پورا زور لگایا کہ سہوان پر قبضہ کرے۔ مگر یہ فتح اس کو میسر نہ ہوئی۔ آخرجس زمانے میں داؤد پوترے کلہورے اور پنوار دریاے سندھ کے داہنے کنارے کے علاقہ میں باہم لڑنے بھڑنے لگے تو سہوان کی اہمیت کم ہوگئی۔ کلہوروں نے سہوان سے بیس میل شمال کی طرف خداباد کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔ پھر حیدر آباد صدر بنا۔ اور پولیٹیکل اعتبار سے سہوان کی اہمیت کم ہو گئی۔ تاہم تیرھویں صدی عیسوی سے اس کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس میں سندھ کے سب سے بڑے ولی شیخ عثمان مروندی معروف بہ لال شہباز قلندر [رحمۃ اللہ علیہ] کی خانقاہ ہے۔ پہلے صحن ہے جس میں پختہ فرش ہے۔ اور ایک نہایت بلند مستول پر جھنڈا لہرا رہا ہے[1] جو ریلوے سٹیشن سے بھی نظر آتا

---

[1] بقول صاحب لاڑکانہ گزیٹیر ص ۶۸ - بعد مخدوم عثمان مرندی لال شہباز ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲ برس کی عمر پا کر ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ اس کے قول کے مطابق یہ کسی کتبے پر خانقاہ میں لکھا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میری نظر سے کوئی ایسا کتبہ نہ گزرا۔ بخلاف اس تاریخ کے مخدوم صاحب کی تاریخ وفات تحفۃ الکرام میں ۶۷۳ھ دی ہے۔ دیکھو ص ۱۴۸

ہے۔ پھر ایک ڈیوڑھی ہے جس کے بیرونی دروازے پر رنگین ٹائیلیں لگی ہیں [دروازے کے دونوں جانب وہ کتبہ ہے جو صفحہ پر دیا گیا ہے] یہ ڈیوڑھی غلام[1] شاہ کلہوڑہ نے بنوائی۔ ڈیوڑھی سے آگے وسیع صحن ہے جس کے [مغربی] سرے پر وہ کمرہ ہے جس میں قبر ہے۔ اس حصہ کی چھت گنبدی ہے [اس کمرہ سے کچھ ادھر صحن کے دائیں طرف کچھ جگہ کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ اس مسجد کے ستون لکڑی کے ہیں بائیں طرف قد آدم سے قدرے بلند تر ستونوں پر پرانی وضع کا گنبد کھڑا ہے جس کا محل معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے] ڈیوڑھی کے جس دروازے سے اندرونی صحن میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے بے شمار زنگولے لٹک رہے ہیں [معتقدین جو صحن میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ کسی زنگولہ کو ہلاکر گویا اندر آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ جس کمرے میں قلندر صاحب کا مزار مبارک ہے اس کے روکار پر سربسر نفیس کاشی کاری ہوئی ہے دروازے کی چوکھٹوں اور] قبر کے کٹہرے پر چاندی چڑھی ہے کٹہرے کے ساتھ ایک بڑا سا پتھر لٹک رہا ہے اور مغربی دیوار میں ایک دو پتھر طاق میں گڑے ہوئے ہیں جن کے متعلق مجاور بعض حکایتیں بیان کرتے ہیں اور جن کو زائرین معتقدانہ طور پر چھوتے ہیں۔ قبر کے اوپر

---

[1] دیکھو صفحہ حاشیہ

تو بو کسوہ ہے جس کی نسبت ہم کو بتایا گیا کہ اس کو کبھی اٹھایا نہیں جاتا] [پاس کے ایک مکان میں ایک سے زیادہ] چیتے پنجرے میں رکھنے کا دستور چلا آیا ہے۔ بقول صاحب گزیٹیر ہزاروں ہندو خانقاہ میں زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم زمانے میں شاید یہاں کوئی مندر یا یا کسی سادھو کی مڑھی تھی اور وہ اس مقام کو راجہ بھرتری کہتے ہیں۔

اوپر کا بیان گزیٹیر سے ماخوذ ہے اور اس میں بعض زیادات جو راقم حروف نے کی ہیں وہ خطوط وحدانی سے محدود ہیں۔ ذیل میں وہ امور درج کئے ہیں جو راقم حروف نے اپنے دو دن کے قیام میں سہوان میں مشاہدہ کئے۔ ان امور کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ قلعۂ سہوان
۲۔ خانقاہ حضرت لال شہباز قلندر اور اس کا نواح
۳۔ مقابر سہوان

۱۔ قلعہ سہوان

اس وقت کھنڈر بچا ہے۔ کوئی عمارت اس کی قایم نہیں ہے۔ لیکن ملبہ سے اس کے دَور کے حدود متعین ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک حصہ کو ہموار کرکے دو ڈاک بنگلے بنادیئے گئے ہیں۔ ایک بلند دروازے کا ڈھانچ کھڑا ہے جس سے اس

کی بلندی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ بارش نے جابجا گہرے غار بنا دیئے ہیں۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے کاشی کار اینٹوں اور برتنوں کے ٹکڑے قلعہ کے ہر حصے میں سطح کے اوپر ملبے کے نیچے دبے ہوئے ملتے ہیں۔ بڑی بڑی قدیم اینٹوں کی قطاریں پوری گہرائی تک جابجا نظر آتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کئی دفعہ پختہ بنا اور ویران ہوا۔ بظاہر عہد اورنگ زیب تک قلعہ اچھی حالت میں تھا۔ تھوڑی سی تلاش سے دو تین تانبے کے سکے بھی ملے۔ مگر ان کے نقوش زنگ سے بالکل مٹ چکے تھے ؛

۲۔خانقاہ مخدوم لعل شہباز قلندر

تحفۃ الکرام ج ۳ میں بذیل سیوستان مخدوم صاحب کے متعلق لکھا ہے:

شیخ عثمان مروندی عرف مخدوم لعل شہباز بن سید کبیرؓ الدین محمد بن سید صدر الدین اولاد اسمٰعیل بن امام جعفر صادق علیہ

---

[۱] یہ نسب نامہ درست نہیں ہو سکتا۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے (ص ۴۱۷ پر) بحوالہ اخبار الاخیار ان کا شجرہ یوں دیا ہے: لعل شہباز بن سید حسن کبیرالدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نور الدین بن سید اسمٰعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد بن امام زین العابدین علی بن امام حسینؓ۔ مگر اخبار کے مطبوعہ نسخہ اور ایک پرانے خطی نسخہ میں یہ نسب نامہ باوجود تلاش کے نہیں ملا۔

السلام یکی از چہار یار مذکور بود کہ یکجا بیاحت کردند در حدود اثنی (کذا) و ستین و ستمایہ چون بملتان رسید سلطان محمد ولد سلطان غیاث الدین [بلبن] صاحب دہلی کہ جوان مرتاض بود و با شعرا و صلحا و علما اکثرہا صحبت می کردید و شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ فرید شکر گنج از متقربانش بودند و امیر خسرو و امیر حسن دہلوی بخدمتش انخراط داشتند تکلیف سکونتش فرمود اقدام نمودہ بخدمت شاہ شمس[1] (کذا) بو علی قلندر رسیدہ وی گفت سہ صد قلندر در ہندوستان اند بہتر ہمیں کہ باز بسند تشریف برید بران اشارہ در بلدہ بیوستان آمدہ خواست اقامت نماید [اس کے بعد ان کی ایک کرامت کا تذکرہ کیا ہے اور پھر کہا ہے] خوارق و کراماتش زیادہ از احصا است درین مختصر چہ قدر گنجد وفاتش[2] ثلث و سبعین و ستمایہ مجرد و محصور گذشتہ۔

---

[1] شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی کی تاریخ وفات صاحب خزینۃ الاولیا نے (ص ۳۱۳) پر ۷۲۴ھ دی ہے۔

[2] خزینۃ الاصفیا محل مذکور میں ان کی تاریخ وفات ۷۲۴ھ دی ہے۔ اور ان کا شمار سہروردیہ میں کیا ہے۔ مگر دیکھو

(A Glossary of The Punjab Tribes)

ج ۱ ص ۵۴۳ و ج ۳ ص ۲۵۷۔ گو اس کتاب کے بیانات قلندر صاحب کے متعلق پریشانی سے خالی نہیں ہیں۔

خانقاہ کے کتبے

چار تاریخی کتبے اس عمارت کے اندر نظر پڑے۔ ان میں سے دو آٹھویں صدی ہجری کے ہیں اور دو گیارہویں صدی کے۔ آٹھویں صدی والے دونوں کتبوں کے نقوش کوئلے سے کاغذ پر لئے گئے۔ اس لئے کہ اور کوئی سامان موجود نہ تھا۔ ان کے عکس دیئے جاتے ہیں (دیکھو نمبر ب و ج) اور ان چاروں کتبوں کا حال اور ان کا مضمون اگلے صفحوں پر درج ہے۔

کتبہ ب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعہد فیروز شاہ [تغلق] ۷ رجب ۷۵۹ھ کو ملک اختیار الدین والی سیوستان نے ولی اللہ شیخ عثمان "مرندی" کے مزار پر یہ روضہ بنوایا۔ جس میں سات طاق اور چھ گنبد تھے۔

دوسرے کتبہ کا مضمون یہ ہے کہ سید جلال الدین [والی؟] سیوستان نے شاہ فیروز تغلق کے زمانہ میں، صفر ۷۵۸ھ کو ولی اللہ علاء الحق علی بغدادی کی قبر پر ایک بلند گنبد بنایا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ تحفۃ الکرام

ابن بطوطہ جو ۷۳۴ھ میں قلندر صاحب کے مزار پر پہنچا ہے شیخ محمد بغدادی کا ذکر کرتا ہے جو اس مزار پر زاویہ نشین تھا مگر معلوم نہیں ان کو جناب علی بغدادی سے کچھ علاقہ تھا یا نہیں (دیکھو عجایب الاسفار طبع یورپ ج ۳ ص ۱۰۵)

کی سرسری ورق گردانی سے ان کا حال نہ ملا۔ یہ دونوں کتبے
مزار والے کمرے کی بیرونی دیوار میں لگے ہوئے ہیں۔

اب ان دونوں کتبوں کا متن درج کیا جاتا ہے اور ان
کا عکس بھی ب اور ج کے نشان سے شامل کیا جاتا ہے۔

کتبہ ب کا متن

یہ کتبہ دو پتھروں پر لکھا ہوا ہے ہر ایک کا طول ۱۶ انچ
یعنی کل طول ۳۲ انچ عرض ۱۸½ انچ۔ پہلا مصراع پہلے
پتھر پر دوسرا دوسرے پتھر پر۔ کل سطور ۹ خط تعلیق۔ آخری
دو شعروں میں ایک لفظ ٹوٹ گیا ہے۔

بعہد دولت فیروز شہ سلطان دین پرور
کہ خاک درگہش سازند شاہان جہان افسر
ازانگاہی کہ بر تخت شہنشاہی نشست این شہ
سراسر گشت گیتی از شعاع دولتش انور
عمارت شد مقام شیخ عثمان مرندی کو
ولی اللہ باز اسفید میر بجسہ بود و بر
اگرچہ اولیا اندر زمان شیخ بس بودند
ولیکن در کرامت بود او از ہمگنان برتر
چہ زیبا بارگاہی شد بھفت رکند؟) طاق شش گنبذ
کہ رنگ نہ فلک گشتہ ز رشک بام او اخضر

بروز ہفتم از ماہ رجب مبنی شد این روضہ
بسال ہفصد و پنجاہ و ہفت از ہجرت منتر
بنائش کرد والی اختیار الدین ملک ارشد
امیر عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر
کہ تا بودست بیوستان بود ست این چنین والی
تقی و مشفق و کرم سخی و پاک دین دیگر
امید آنست کہ یابد جزای این چنین خیری
ہزاران قصر در جنت بفضل ایزد اکبر

حواشی

۱۔ **فیروز شاہ۔** ٹھٹھ سے ۱۴ کوس کے فاصلہ پر دریاے سندھ کے کنارے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو تخت نشین ہوا (تاریخ فیروز شاہی طبع کلکتہ ۱۸۶۲ء ص ۵۳۶)

۲۔ **عثمان مرندی۔** ان کی نسبت غلط طور پر مروندی مشہور ہے۔ حکیم بصردین صاحب سہون بلکہ تمام سندھ کے فضلا میں سے ایک معمر بزرگ ہیں۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوا، فرماتے تھے کہ میونڈی صحیح نسبت ہوگی۔ مگر اس کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ درست نسبت مرندی ہے، بقول یاقوت (معجم البلدان ۴ : ۵۰۳، مرند آذربیجان کا مشہور شہر ہے اور تبریز سے دو دن کی راہ پر ہے، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں (بذیل مرند) اس فاصلہ کو چالیس میل بتایا ہے۔ بقول یاقوت قد تشعثت الآن و بدا فیھا الخراب منذ نھبھا الکرج و اخذوا جمیع اھلھا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں گرجیوں کے حملہ کی تاریخ ۶۰۵ھ تا ۶۰۷ھ دی ہے اور لکھا ہے کہ ۶۲۲ھ میں مرند کو علی اشرفی صاحب اخلاط

کتبہ ج کا متن

یہ کتبہ نمبر ب کے نیچے لگایا گیا ہے، طول و عرض ½۲۲ × ½۱۵ انچ سطور ۸، خط تعلیق، آخری یعنی آٹھویں شعر کے لفظ اکثر ٹوٹ گئے ہیں اور ساتویں شعر کے بعض الفاظ۔

شد بنای گنبد عالی بعہد شہر یار
شاہ فیروز آنکہ بگرفتہ است گیران زو قرار
می سزد مر بندۂ درگاہ شاہ دہر را
کو کند در سر فرازی بر سلاطین افتخار
بر سر قبر ولی اللہ علاء الحق علی
بود از بغداد و اندر صفّ نیکان در شمار
بس بزرگ و با کرامت ہست این پیر عزیز
ہر زمان بادا بقبرش رحمت ایزد نثار

حواشی بقیہ صفحہ ۳۱۰: نے فتح کیا۔ مگر شرف الملک (خوارزم شاہ کے گورنر) نے اس کو دوبارہ فتح کرکے بہت لوگوں کو قتل کیا۔ شاید انہی اسباب کی وجہ سے مخدوم صاحب نے اپنا وطن چھوڑا ہو، ابن بطوطہ نے جو ۷۳۴ھ میں اس خانقاہ پر پہنچا ان کو عثمان المرندی ہی لکھا ہے۔ دیکھو عجایب الاسفار ۳: ۱۳۵

ایک اور مرند دریائے جیحوں سے پرے علاقۂ خُتّل میں تھا مگر بظاہر مخدوم صاحب آذر بیجان والے مرند سے تھے۔ فرہنگ اقوام (مذکورہ بالا) ج ۲ ص ۲۵۷ پر ان کو خراسانی الاصل بتایا ہے۔

ہفتم از ماہ صفر مبنی شد این مرقد بسال
ہفصد و پنجاہ وہشت از ہجرت احمد شمار
کرد بنیادش ملک سید جلال الدین کی او
ہست اندر عدل و بذل و خلق و احسان یادگار
چون کی .... بیسوستان رسید
تازہ گردیدہ بیسوستان بدیفسان نو بہار
بانی این گنبد .... حساب
ا ...... ماہ .... چار

دیندار خان کے کتبے

کتبہ ب اور ج کے درمیان ایک اور کتبہ بخط نستعلیق موجود ہے۔ جس کو بہوہ عرف دیندار خان نے لگایا۔ سید بہوہ بخاری (متوفی ۱۰۲۵ھ) کا جو حال ماثر الامراء ا ص ۴۲ بعد میں دیا ہے۔ اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ موصوف کبھی سہوان میں رہا ہو مگر کم از کم تین کتبے اس کے آج بھی سہوان میں موجود ہیں۔ وہ کتبہ جو کتبہ ب اور ج کے درمیان لگا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت مخدوم کا روضہ جب سلطان فیروز کے عہد میں بنا تو دو پتھروں پر تاریخ لکھ کر لگائی گئی، پھر میرزا جانی ترخان کے زمانے میں بڑا گنبد بنایا گیا تو یہ پتھر ایک طرف کو ڈال دیئے گئے، جب سید بہوہ نے شاہ جہان کے زمانہ میں روضہ کے صحن کو ترتیب

دیا اور دو مسجدیں بنائیں تو ان پتھروں کو دیوار خانقاہ میں لگا دیا کہ اگلے بادشاہوں کی یادگار باقی رہے۔

اس کتبے اور اس کے بعد کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۴۰ اور ۱۰۴۱ھ میں سید بھوہ نے اس خانقاہ میں بعض ترمیمیں کیں اور صفحہ ۱۷۱ پر جو کتبہ درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۴۲ھ میں اس نے چھٹہ امرانی کا مقبرہ بنوایا۔ بظاہر ان سنوں میں وہ خود سہوان میں موجود تھا۔ گر معلوم نہیں صاحب مآثرالامرا نے اس امر کا کیوں ذکر نہیں کیا۔ اب ان دو کتبوں کا متن درج کیا جاتا ہے جو خانقاہ قلندر صاحب کے اندر ہیں۔

دیندار خان کے کتبے کا متن

یہ کتبہ نمبر ب د ج کے درمیان انہی کی طرح دو پتھروں پر لکھا گیا ہے، وہی طول و عرض یعنی ۳۲ انچ × ۱۸½ انچ خط نستعلیق، سطریں چار آخری سطر کے آخری دو لفظ غیر واضح۔

چون در عہد سلطان فیروز مرحوم روضہ قدیم حضرت
کردہ بودند آخر چون گنبد کلان در عہد میرزا[1] جانی
کہ این فقیر سید بھوہ عرف دیندار خان باشند
روضہ را ترتیب دادہ دو مسجد راست می ساختند این دو سنگ را

مخدوم بنا شدہ و[2] این دو سنگ تاریخ نوشتہ نصب
ترخان بنا یافتہ این سنگہا برہم افتادہ بودند الحال
در عہد دولت حضرت صاحبقران ثانی صحن
ہم در دیوار خانقاہ نہادہ تا یادگار سلاطین گذشتہ می باشند

لے و لے صفحہ ۳۱۴ پر دیکھیں۔

دیندار کا ایک اور کتبہ نستعلیق ہی میں اس کتبے سے قریب

۱	الٰہی عاقبت محمود گردان	بدوران شہاب الدین جہان شاہ / جہان از عدل او خورسند و آباد
۶	الٰہی عاقبت ... گردان	یکی باشد ز فرش مسند شاہ (۱۰۴۰) / دگر باشد ز فرش جنت آباد (۱۰۴۱)
۴		چگویم وصف آن صحن مقدس / بجای خشت انجم چیدہ استاد
۵	اللہ کافی	چو خواہی سال را (؟) با چشم دانش / بقطع بین کہ آمد سال شبیاد
۲	اللہ کافی	شدہ تعمیر فرش عرش مسند / حسینی صاحب شہباز آزاد
۳		قبول آمد نیاز خان دیندار / در آنحضرت زعون طالع [شاد؟]

حاشیہ صفحہ ۳۱۳: لہ کذا

لہ میرزا جانی بیگ ارغون حاکم ٹھٹہ کا حال مآثر الامرا ج ۳ ص ۳۰۲ تا ۳۱۲ دیا ہے ۔ ۹۹۳ھ میں باپ کا جانشین ہوا۔ ۹۹۹ھ میں خانخاناں نے سندھ پر چڑھائی کی تو اس نے سیوستان

(باقی صفحہ ۳۱۵ پر)

ہی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ مگر اس کی ترتیب درست نہیں ہے۔ یہ کتبہ ٹائلوں پر ہے جو لگانے میں بے ترتیب ہو گئی ہیں۔ کتبہ اسی کتاب میں درج ہے۔ ہر حصے کے اوپر جو عدد ہے وہ میرے قیاس میں اس حصّے کی صحیح ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔

میاں غلام شاہ[1] کلہوڑہ کا ذکر ص ۱۲۵ پر آ چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۱۱۷۳ھ میں خانقاہ کو نشان پیش کیا اور بعض ترمیمیں کیں۔ مشہور یہ ہے کہ موجودہ ڈیوڑھی اسی نے بنوائی اور اس کے روکار پر ذیل میں کتبہ اسی نے لگوایا:

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴: کے قریب سخت مقابلہ کیا مگر ۱۰۰۰ھ میں اس نے شکست کھا کر صلح کر لی اور ۱۰۰۱ھ میں اکبر کے پاس لاہور میں حاضر ہوا، بادشاہ نے پہلے تو منصب اور تیولداری صوبہ ملتان عنایت کی، مگر آخر میں اس کو دوبارہ حاکم سندھ مقرر کیا۔ البتہ بندر لاہری کو خالصہ میں لے لیا اور سرکار سیوستان جو میرزا نے سابقاً پیشکش کی تھی وہ کسی اور کو جاگیر میں دے دی۔ صاحب مآثر کی رائے اس کے متعلق یہ ہے:-

میرزا بفراست و دانائی آراستہ و درستی و راستی از گفتار و کردار او نمایان و شناسائی و آہستگی از نشست و برخاست او پیدا بود، از صغر سنی بشیفتۂ بادہ شد اما تا ہنجار اندر صبر بر نزدے و درکار کرد و گفت پاسبان خود بودے از می فراوانی رنجور شد و رعشہ بسرسام کشید"۔ میرزا ۱۰۰۸ھ میں برہان پور میں فوت ہوا۔

[1] میاں غلام شاہ کے حال کے لئے دیکھو صوبہ سندھ کا گزیٹیر ص ۱۱۲

خانقاہ کے بیرونی دروازے کے کتبہ کا متن

دروازے کی دائیں طرف

چہ خوش جناب مبارک کہ نور حقانی
ز روضہ است عیان ظاہری و پنہانی
قلندر و سخی و کام بخش اہل یقین
ولی و سیّد عثمان پیرِ نورانی
بخاص و عام کہ مشہور لعل شہباز است
بپادشاہ گدا باز داد سلطانی
باین جناب ہر آن کس ارادتی دارد
بکام می رسد از دولت فراوانی
غلام شاہ میان صاحب سعادتمند
نشان حضرت عباس کان احسانی
سخی و غازی و فیاض معدن الطاف
چو سرفراز شد از لطفِ وجود ربانی

دروازے کی بائیں طرف

ز خاص نیت خود کرد تازہ خوش تعمیر
کہ فرش و صحن در روضہ شد گلستانی

قبول حضرت مخدوم شد نشانی کو
ز رحمت نبوی و علی عمرانی
ہر آنکہ دید و بہ بیند ز شوق نور ظہور
شود دو چشم و دلش روشن و درخشانی
ہزار و یک صد و ہفتاد و سہ ز ہجری بود
ز گّار داری باقر نشان شد ارزانی
قبولیت کہ ز تعمیر جستم از ہاتف
ندا بگوشش من آمد ز لطف سبحانی
زمین مصرع تاریخ خوش بگو صابر
قبول باد نشان در جناب شاہانی

۳ ۷ ۱۱

عقب خانقاہ حضرت قلندرؒ صاحب کے دو اہم کتبے

خانقاہ کے باہر مگر اس سے متصل مغربی جانب میں ایک کاشی کار قبہ ہے۔ اسی احاطہ میں قلندروں کی سکونت کی جگہیں اور ایک مسجد ہے۔ قبہ اور مسجد وغیرہ کے درمیان کچھ قبریں ایک چبوترے پر ہیں۔ ان میں ایک قبر پر کندہ ہے: مرحومہ مغفورہ بی بی جادو روز پنج شنبہ بتاریخ ۲۵ شہر شوال برحمت حق پیوست ۱۱۱۳۔

ان قبروں سے چار پانچ گز جنوب کی طرف اور ان سے ذرا کم بلند چبوترے پر کچھ ہموار جگہ جو ایک قبر

کے برابر ہوگی قریباً ۱½ فٹ دیوار سے گہری ہوتی ہے۔ قلندروں نے ہم کو بتایا کہ یہ حضرت قلندر صاحب رح کا مقتل ہے۔ اس مزعومہ مقتل کی شمالی اور مغربی دیواروں میں دو سنگی کتبے نصب ہیں جو بنہایت دلچسپ ہیں۔ دونوں کا خط تعلیق ہے۔

کتبہ (۱) شمالی کتبہ کا متن

جس پتھر پر یہ کتبہ نصب ہے وہ طول میں ۲۹ ½ انچ عرض میں ۱۸ انچ ہے۔ اس میں کل ۷ شعر درج ہیں۔ آخری شعر کے بعض الفاظ ٹوٹ گئے ہیں۔

جہان مردم کش است اے دل مباش از جان وفادارش
کی جز کین و جفا نامد زبیدادی دگر کارش
تو از حال محمد شاہ برگیر اعتبار از دی
کی چون اورنگ شاہی در ربود این دور غدارش
شہنشاہیست این ای خواجہ کش بینی بخاک اندر
کی ہم چون بندگان بودند شاہان جہاندارش
اگرچہ پیش ازین صد بار در بارش چنان دیدی
کنون چشم خرد بکشا درین جا بنگر این بارش
جہان بکشاد از مردی و بخشید از جوان مردی
بدہر از کوشش و بخشش فراوان بود کردارش

[بُد از؟] ماه محرم [بیست و یک؟] کاندر شب شنبہ
گذشتہ ہفصد و پنجاہ و دو شد عزم آن دارش

مغربی جانب کا کتبہ

[جس کا عکس نہ لیا جاسکا]

یہ کتبہ بھی شمالی کتبہ کی طرح سفید پتھر پر لکھا ہے۔
پتھر طول میں ۲۸½ انچ اور عرض میں ۱۲½ انچ ہے۔

بعہد دولت فیروز شاہ خسرو گیتی
کہ یزدان بر سریر سلطنت بادا نگہدارش
بر آن سلطان دین پرور برآمد اینچنین گنبد
کی آمد پیش پای گنبد گردون دوارش
بسال ہفصد و پنجاہ و چہار از ہجرت احمد
قبول بنـــدہ درگاہ او سرمست معمارش
.... گنبد ....
کی باد از حضرت یزدان ہزاران.....

سُلطان محمد تغلق کی قبر کہاں ہے؟

کتبہ د کا حاصل یہ ہے کہ محمد شاہ شہنشاہ اسی خاک
میں مدفون ہے۔ وہ محرم میں شنبہ کی رات کو ۷۵۲ھ میں

فوت ہوا۔

دوسرے کتبہ کا مضمون یہ ہے کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں ۷۵۴ھ میں اُس سلطان دین پرور (کی قبر) پر گنبد بنایا گیا جو سرمست معمار نے بنایا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ محمد شاہ کون ہے جو محرم ۷۵۲ھ میں فوت ہوا اور جس کی قبر پر ۷۵۴ھ میں قبہ بنایا گیا۔ تاریخ فیروز شاہی سے ہم کو معلوم ہے کہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو سلطان محمد تغلق ٹھٹھ سے ۱۴ کوس پر دریائے سندھ کے کنارے فوت ہوا اور ۲۴ محرم کو فیروز شاہ وہیں تخت نشین ہوا اور دوسرے دن لشکر کو لے کر روانہ ہوا اور سیوستان پہنچ کر چند روز ٹھہرا۔ عام لشکر پر اس نے مراحم کئے۔ ملوک و امرا و معارف و اکابر کو خلعت دیئے۔ علماء و مشائخ کو فتوحات اور مستحقوں کو صدقات دیئے۔ منچھر کی چراگاہ میں گھوڑے چھوڑے جو ہفتہ بھر میں فربہ ہو گئے۔ سیوستان والوں پر نوازش ہوئی اور ادرارات مقرر انعامات دیئے گئے۔ فیروز شاہ نے مزاراتِ بزرگ کی زیارت کی اور مساکین کو صدقے دیئے۔ اس کے بعد وہ بھکر کو روانہ ہوا (برنی ص ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۳۵ بعد)، مگر برنی نے یہ نہیں بتایا کہ محمد شاہ کی لاش کیا ہوئی۔ سراج عفیف بھی اس بارے میں خموش ہے۔ ہاں تاریخ مبارک شاہی (طبع کلکتہ) میں جو ۸۳۸ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے

ص ۱۱۸ بعد پر اس سلسلے کے بعض واقعات دیئے ہیں۔ جن کا حاصل یہاں درج کیا جاتا ہے۔ گر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ صاحب مبارک شاہی ان واقعات کا معاصر نہیں ہے اور ان سے قریباً ۸۷ سال بعد لکھ رہا ہے۔

۲۳ محرم [۷۵۲ھ] کو دریاے سندھ کے کنارے فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔

"روز دوم عزیمت جانب دہلی اختیار شد ......سلطان سلامت بکوچ متواتر در سیوستان رسید۔ روز جمعہ خطبہ بنام مبارک سلطان خواندند۔ ہم دریں محم (کذا) شغل نایب یا رکی ملک ابراہیم یافت....... ہم ازین جا قمرالدین..... بر [فلان و فلان] با خلعت ہای خاص و مراحم فراوان نامزد شدند [فلان و فلان] در دہلی بر خواجہ جہان تعین گشتند و فلان و فلان بر والی سندھ و ٹھٹھ بر طغی رفتند........ و بعضی در خطط و قصبات دیگر رفتند و فرمان عام در کل بلاد بر مضمون مرحمت و شفقت و لطف و تربیت صادر گشت و خود تابوت سلطان محمد بالای پیل داشتہ و چتر بران زہ کردہ بکوچ متواتر برسمت دارالملک دہلی روان شدہ"

جس ترتیب سے یہ عبارت مبارک شاہی میں درج ہوئی ہے۔ اس سے ضرور گمان یہ گذرتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی لاش سیوستان سے آگے روانہ ہوئی گر مصنف نے اس کے بعد پھر لاش کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ کہ وہ کیا ہوئی۔ اور صفحہ ۱۲۳

پر فقط یہ کہا ہے کہ ۲ رجب ۷۵۲ھ کو بادشاہ دہلی میں داخل ہو کر قصر ہمایوں میں فروکش ہوا، مگر اس سے معتبر تر بیان صاحب فیروز شاہی کا سمجھنا چاہیئے جو معاصر ہے اور جو صفحہ ۵۲۶ پر لکھتا ہے کہ اواخر ماہ جمادی الآخر میں "رایات اعلیٰ درون دارالملک در آمد و بر طالع سعد....... آفتاب خسروان .... ابو المظفر فیروز شاہ السلطان....... بر تخت جمشیدی....... در کوشک ہمایوں جلوس فرمود"

بہر حال ان دونوں مورخوں کے نزدیک محمد تغلق کی وفات سے پانچ ماہ اور کچھ دن بعد فیروز شاہ دہلی پہنچا۔ اگر مبارک شاہی کا بیان درست ہے کہ لاش سیوستان سے آگے روانہ ہوئی تو گویا فیروز شاہ ۵ ماہ تک لاش ہاتھی پر ہمراہ رکھ کر دہلی کی سمت کوچ کرتا رہا۔ جبکہ خواجہ جہان دہلی میں ایک بچے کو محمد تغلق کے تخت پر بٹھا کر فیروز شاہ کے خلاف آمادہ جنگ تھا اور فیروز شاہ اور خواجہ جہان کے درمیان اندیشہ جنگ کا قوی تھا

آثار الصنادید (طبع دہلی ۱۲۷۰ھ) میں مقبرۂ تغلق شاہ کی

۱؎ اس مقبرے کی تصویر اور حال کے لئے دیکھو شارپ کی کتاب دہلی (طبع آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۲۱ء) صفحہ ۵۸ اور ہرن کی کتاب سیون سٹیز آف دہلی (لندن ۱۹۰۶ء) ص ۱۹۳۔ یہ دونوں حوالے لالہ لبھورام صاحب لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے از راہ کرم میرے لئے تلاش کئے تھے۔

ذیل ہیں سر سید احمد خان مرحوم نے لکھا کہ مقبرہ میں تین قبریں ہیں ۔ ایک غیاث الدین تغلق شاہ کی ۔ ایک مخدومہ جہان اس کی بیوی کی ۔ تیسری سلطان محمد عادل تغلق شاہ اس کے بیٹے کی جو ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء کے رود سندھ کے کنارے مرا تھا۔ لیکن آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کی چار رپورٹوں کے مجموعہ بابت ۶۵-۱۸۶۲ء طبع شملہ ۱۸۷۱ء، کی ج ۱ ص ۲۱۶ پر ہے کہ " مقبرے کے اندر تین کتابیں ہیں جو کہتے ہیں کہ تغلق شاہ اس کی بیوی اور ان کے بیٹے جونہ خان کی ہیں جس نے تخت نشینی پر خود کو محمد کے نام سے موسوم کیا" کننگھم کے اس بیان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے قبریں متعین ہوسکیں ۔ بلکہ کسی زبانی روایت پر یہ بیان مبنی ہے کہ محمد شاہ اور فلان اور فلان کی قبر اس مقبرے میں ہے اور اس کو قطعی سمجھا نہیں جا سکتا۔

اوپر کی سطروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں یہ روایت سر سید کے زمانہ میں ضرور موجود تھی کہ محمد تغلق کی قبر دہلی میں ہے ۔ اور مبارک شاہی سے بھی گمان گذرتا ہے کہ لاش سیوستان سے آگے دہلی کی طرف روانہ ہوئی ۔ مگر ان کتبوں سے جن کا متن اوپر درج ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق سیوستان میں دفن ہوا ۔ کتبے اسی خط میں ہیں جس میں آٹھویں صدی کے متعدد کتبے اسی کتاب میں

شائع کئے جارہے ہیں اور مہینہ اور سنہ محمد شاہ کی وفات کا اس میں درج ہے بلکہ وفات کی رات بھی درج ہے جو مؤرخوں نے نہیں دی۔ پہلے کتبہ میں مہینے کے ساتھ تاریخ بھی غالباً تھی جو مٹ گئی ہے۔ یہ قرین قیاس بھی ہے کہ ان حالات میں جن کا اوپر ذکر ہوا، بجائے اس کے کہ فیروز شاہ دشمن کے خلاف لشکر کو لے جاتے ہوئے محمد تغلق کے جنازے کو ۵ ماہ تک ساتھ ساتھ لئے پھرتا، اس نے جنازے کو سیوستان ہی میں دفن کر دیا ہو جو اس کے اپنے قبضے میں تھا اور جہاں ایک قلعہ بھی تھا۔ محمد شاہ جہاں فوت ہوا۔ وہاں سے چونکہ ٹھٹہ جو دشمن کے قبضہ میں تھا قریب تھا۔ اس لئے وہاں لاش کو دفن کرنا مناسب نہ تھا۔ سیوستان نواح ٹھٹہ سے بدرجہا بدرجہا محفوظ تر جگہ تھی اور وہاں متوفی بادشاہ کی لاش کی بے حرمتی کسی طرح متصوّر نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پہلے کتبہ کے ساتھ ایک دوسرا کتبہ دو سال بعد لگایا جاتا ہے جو گنبد کی تعمیر کی تاریخ کا پتہ دیتا ہے۔ پہلے موقعہ کی نزاکت اور عجلت میں تعمیر گنبد کے تکلفات کی فرصت نہ تھی۔ بعد میں جب اطمینان حاصل ہوا تو گنبد بھی قبر پر تعمیر کر دیا گیا۔ غرض راقم سطور کے

---

[1] دیکھو صبح الاعشیٰ ۵ : ۷۷ و عجائب الاسفار محل مذکور

نزدیک جب تک مذکورہ بالا شہادت سے قوی تر شہادت ہاتھ نہ لگے یہ ماننا پڑے گا کہ محمد تغلق سہوان میں مدفون ہے نہ کہ دہلی میں۔ گو ابھی تک کسی تاریخ میں یہ بات نظر نہیں آئی ✤

۳۔ مقابر سہوان

ریلوے سٹیشن اور شہر کے درمیان ایک طویل و عریض میدان میں قبرستان ہے۔ کہیں کہیں کوئی قبہ سلامت کھڑا ہے اور چند قبریں جو نسبتاً قریب کے زمانہ کی ہیں۔ اچھی حالت میں ہیں مگر اکثر پرانی قبریں اور پرانے قبے جو کچھ بنے ہوئے تھے کھنڈر بن چکے ہیں۔ اور نہایت خستہ حالت میں ہیں۔ البتہ پرانی قبروں کے سنگ مزار موجود ہیں۔ جو اس میدان میں جا بجا مٹی کے ڈھیروں کے اوپر سیدھے یا ان کے اندر دبے ہوئے ٹیڑھے ترچھے پڑے ہیں۔ میرے اندازے میں پچیس کے قریب ایسے پتھر اس میدان[1] میں موجود تھے جن پر آیات کلام اللہ اور کلمہ طیبہ کندہ تھا۔ ان میں سے بعض پر تاریخیں اور نام بھی درج تھے۔ پتھر اکثر وہی ہے جو مکلی کے مقابر میں استعمال ہوا ہے، یعنی زرد رتیلا پتھر مگر کہیں کہیں اور قسم کا سخت پتھر بھی ہے۔

---

[1] اس اندازے میں وہ پتھر بھی شامل ہیں جو چھٹہ مرانی کی خانقاہ میں پڑے ہیں۔

جو تجے سلامت ہیں ۔ ان ہیں "چھتّہ حمرانی" کا قبر ہے ۔یہ اس وقت کا مقامی تلفظ ہے ۔ تحفۃ الکرام (مطبوعہ) ج ۳ ص ۱۳۲ میں اس کو "چھوتہ امرانی" لکھا ہے اور کہا ہے:

"چھوتہ امرانی از برادران بنی اعمام دلو رای تمتہ رایان الوّر روہڑی است آنچنانکہ در خرابی الور و بھانبرا ذکر رفتہ یعنی ج ۳ ص ۵۱ پر وی ازانجا کوچیدہ بلیوستان متوطن و مدفون گردید تا اکنون مرجع اہل اللہ است (مصنف نے اپنے خود نگاشتہ نسخہ میں پہلے لکھا تھا: چتہ امرانی از برادران بنی اعمام دلو رای الخ پھر اس کو کاٹ کر بنایا ہے: چھوتہ امرانی ای ولد آمرہ مادر دلو رای)

قبر کے صحن میں نیلی ٹائلیں لگی ہیں اور بعض دیواروں کے ساتھ مصطبے بنے ہوئے ہیں ان پر بھی یہی ٹائل لگی ہوئی ہے ۔ مغربی دیوار پر یہ کاشی کار کتبہ ہے۔

بدور شہنشاہ شاہ جہان
خدیوی خردمند صاحب قران
چون خلد برین روضہ شاہ چھٹ
بنا کرد نواب دیندار خان
ز سال بنایش طلب داشتند
بہشتی بردی زبین گفت عثمان (کذا)
۱۰ ۳۲

لے بلاذری کا

۱۲۰۴۱۰ کا عدد کتبے پر لکھا ہوا نہیں ہے، آخری مصرعہ وزن سے ساقط ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اکثر سنگ ہائے مزار پر آیات قرآن مجید اور کلمہ طیبہ کے علاوہ اور تاریخیں بھی درج تھیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض درج کی جاتی ہیں۔ یہ وہ پتھر ہیں جن تک پہنچنا آسان تھا یا جو مٹی میں اس طرح نہ دبے ہوئے تھے کہ پڑھنا ممکن نہ ہو یا جن سے نام مٹ نہ گئے تھے۔ عموماً ان پتھروں کے اوپر کی طرف آیات قرآنی لکھی ہیں اور نام اور تاریخ سر اور پاؤں کے رخ پر۔

۱۔ بخط نسخ

وفات یافت مرحومہ مبرورہ دلشاد بیگم در تاریخ ۹۵۷ [یہ زمانہ شاہ حسین ارغون کا ہے جس نے ۹۳۰ سے ۹۶۱ تک سندھ میں حکومت کی]

۲۔ بخط نستعلیق

محمد یادگار آن کو قضا شد	شہید و رفت تا جنت خرامان
چو دیدش از رہ تعظیم تاریخ	شدہ شاہ شہیدان گفت رضوان

۹۸۵

مادہ تاریخ سے ۹۸۵ حاصل ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں محمد باقی بن عیسٰی خان ترخان فرمانروائے سندھ تھا جس نے ۹۷۵ سے

۹۹۲ھ تک حکومت کی ×

۳۔ بخط نسخ

(ایک طرف) : در تاریخ ماہ رجب یہ محمد باقی ترخان کے جلوس کا سن ہے

(دوسری طرف) : وفات عالی جاہ مرحوم امیر ولی محمد بن مرحوم مغفور امیر صادق محمد واثق۔

۴

یہیں ایک پتھر نظر پڑا جس پر اوپر کی جانب نہایت نفیس ثلث میں آیات قرآنی درج ہیں۔ تاریخ اور نام نہیں ہے۔ مگر خط کے اعتبار سے یہ بہترین نمونہ تھا جو دیکھا گیا۔ ابھرے ہوئے الفاظ کو اس طرح ڈھالا اور پالش کیا گیا ہے، کہ نقش صنعت کاری کا اعلیٰ نمونہ بن گیا ہے ×

۵

وفات یافت جناب عصمت مآب فتح بیگی سلطان بنت امیر اعظم امیر مغفور........ (امیر کا نام پڑھ رہا تھا کہ توجہ کسی اور طرف ہو گئی اور یادداشت ناقص رہ گئی۔ کوئی مانوس نام نہ تھا۔ الخ یا اسی طرح کا ایک ہی لفظ تھا۔ افسوس ہے۔ کہ خط کا نوٹ بھی نہ لیا گیا)

(دوسری طرف)
در تاریخ بیست و هفتم شهر صفر سنه ستین و تسع
[یہ شاہ حسین ارغون کا زمانہ ہے]

۶

وفات یافت مرحوم مغفوره مجتبلة (کذا) در تاریخ ۹۵۸ -
(نام بظاہر مجتبة تھا مگر الف حسب بالا لکھا تھا۔ معلوم نہ ہوا کہ اس کا کیا محل ہے۔ یہ بھی شاہ حسین ارغون کا زمانہ ہے)

سکھر۔ بھکّر اور روہڑی

ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ صرف کتابوں ہی میں محفوظ نہیں ہے۔ اور بھی بہت سی یادگاریں ہیں۔ جو اس عہد کے مختلف ادوار کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے میں مفید ہیں۔ ان میں سے بہت سی یادگاریں مرور زمانہ سے تلف ہو گئیں۔ مگر بہت سی ابھی باقی ہیں۔ خصوصاً مغلیہ عہد کے لئے جو ہم سے نسبتاً قریب ہے مواد کی کافی افراط ہے۔ اس مواد میں قدیم شہر، ان کے کھنڈر، ان کی عمارات اور خرابے، سکے، مخطوطات، تصاویر، وصیلیاں، صناعی کے نمونے اور کتبے شامل ہیں۔ اس مواد کو نظر غور سے دیکھا جائے تو تاریخی کتابوں کے مضامین کی تصدیق یا تکذیب کے علاوہ بعض اوقات بالکل نئی باتیں اس سے معلوم ہوتی ہیں اور اس وقت کی طرز معاشرت، مذاق، لوگوں کی ذہنی حالت اور اسی قسم کے اور بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں۔ گویا اس عہد کی زندہ تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

ہمارے مطلب کے قدیم شہروں میں سکھر۔ بھکر اور روہڑی کا شمار بھی ہے۔ یہ تینوں شہر ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں۔ ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۳۷ء کو میں ڈیڑھ

دن تک وہاں مقیم رہا۔ اور میں نے وہاں کی بعض عمارتوں اور خرابوں کو دیکھا۔ صفحات ذیل میں جن جن مقامات کو میں نے دیکھا اور جو جو کتبے میں نے وہاں سے نقل کئے ان کا حال پیش کیا جائے گا۔ ترتیب وہی ہوگی جس ترتیب سے میں نے ان مقامات کو دیکھا۔

افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ان شہروں کی قدیم یادگاروں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارے سندھ کی اسلامی یادگاروں پر گزیٹیر نویسوں اور محکمہ آثار قدیمہ نے کافی توجہ نہیں کی ہے۔ صوبہ سندھ اور اس کے ضلع وار گزیٹیروں میں اس موضوع پر جو کچھ درج ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ سندھ کے کتبوں کی نقول اگر محکمہ آثار قدیمہ نے حاصل کی ہوئی ہیں تو وہ شایع نہیں ہوئیں۔ کم سے کم راقم حروف کو محکمہ کے بعض حکام سے کوئی اطلاع ان آثار کی نقول کے متعلق حاصل نہ ہو سکی۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے باوجود عجلت اور عدم قیام کی قلت کے راقم سطور نے سعی بلیغ سے جس قدر کتبوں کو نقل کرنا ممکن ہو سکا کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بعض کتبوں کے چربے حاصل کئے جاتے۔ گر اتنا وقت نہ تھا۔ شاید کوئی اور صاحب

---

[1] بعض کتبے جو غالباً بالکل صاف اور واضح ہیں ان کی نسبت ضلع سکھر کے گزیٹیر میں مبہم سے بیانات دیئے گئے ہیں مثلاً دیکھئے گزیٹیر مذکور ص ۴۱ و ۵۳

اس کی توفیق پائیں اور اس کام کو کماحقہ سر انجام دے کر ان مساعی کو تکمیل و تتمیم تک پہنچائیں ؂

سکھر اور اُس کے نواح کی اجمالی تاریخ

ضلع سکھر کے گزیٹیر طبع ۱۹۰۹ء میں (ص ۵۳ پر)، جو حال سکھر وغیرہ کا دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

سکھر دو ہیں قدیم اور جدید۔ ان دو بستیوں کو ریل کی پٹڑی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ نئی آبادی ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے آس پاس بسی ہوئی ہے۔ جو دریاے سندھ کے کنارے شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا ہُوا ہے۔ یہ سلسلہ در اصل روہڑی سے شروع ہوتا ہے۔ دریاے سندھ اس سلسلے کو کاٹ کر گذرتا ہے۔ پھر روہڑی کے مقابل دریا کے پار سکھر کی جانب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو کر قریباً ۵۰ میل تک دریا کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ دریا کے بیچ میں بھکر کا جزیرہ ہے۔ وہ بھی اسی سلسلۂ کوہ میں شامل ہے۔ بھکر چونے کے پتھر کی ایک چٹان ہے، جو ۸۰۰ گز لمبی اور ۳۰۰ گز چوڑی اور قریباً ۲۵ فٹ اونچی ہے۔ کہتے ہیں کہ دریاے سندھ پہلے اَلور کے پاس بہتا تھا۔ بعد میں آغاز عہد عباسیہ یعنی ۷۵۰ھ کے قریب دریا نے ان

؂ ضلع سکھر کا گزیٹیر ص ۶۰

پہاڑیوں کو کاٹ کر موجودہ راستہ بنا لیا۔ بھکر کے سنگلاخ کو دریا نہ کاٹ سکا اور وہ شروع ہیں شاید بصورت شبہ جزیرہ اور آخر بصورت جزیرہ دریا میں قائم رہا۔ دریا کا عرض بھکر اور سکھر کے درمیان سو گز ہے۔ زیادہ نہیں ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مقام پہلے اس سے بھی زیادہ قریب قریب ہوں گے۔ اور ان کے مشابہ نام بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ جلال الدین خوارزم شاہ کے حملہ کے حالات میں جوینی نے ان مقامات کا نام اکر و بکر لکھا ہے[1]۔ اور یہی صورت اس نام کی اس تانبے کے سکے پر ہے جو مجھے اُکور سے ملا اور جس کا ذکر آگے آئے گا۔

فوجی نقطۂ نظر سے جزیرہ بھکّر کو بہت اہمیت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ ہی میں اس کو قلعہ کی صورت دے دی گئی اور تاریخ میں بھکر کا نام سکھر سے زیادہ نمایاں طور پر مذکور ہوتا رہا۔

۹۲۶ھ = ۲۰-۱۵ء کے قریب شاہ بیگ ارغون نے بھکر کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اس غرض سے بھکر کی فصیل اور برج و بارو کو پہلے سے زیادہ مستحکم کر دیا۔ بھکر کی آبادی

---

[1] جہانکشای جوینی ۲ : ۱۳۶ پر ہے: د قباچہ در کشتی یاکر و بکر دو قلعہ است در جزیرۂ الخ مگر بعض نسخے جو وہیں حاشیے میں دیئے گئے ہیں زیادہ درست معلوم ہوتے ہیں یعنی: "جزیرہ ایست و قلعۂ در آن جزیرۂ"۔ "کہ قلعہ ایست در جزیرۂ"۔ "قلعہ ایست در جزیرہ"۔

کو اس نے وہاں سے باہر منتقل کرنا ضروری سمجھا اور یہ لوگ روہڑی اور سکھر میں جا بسے۔ تب سے ان بستیوں کو روزافزوں ترقی حاصل ہوئی۔ ۹۸۲ھ میں اکبر نے بھکر لیا اور صوبہ ملتان میں شامل کر دیا۔ حملہ نادریہ کے بعد ماورائے سندھ کا علاقہ ایران سے ملحق ہوا اور اس میں بھکر اور سکھر بھی شامل تھے۔ انیسویں صدی کے ربع اوّل میں یہ علاقہ تالپوروں کے قبضہ میں آیا اور ۱۸۳۲ء میں سرکار انگریزی سے متعلق ہوا۔ اس وقت بھکر کو فوجی چھاؤنی بنایا گیا۔ اور چھاؤنی نے تجارت پیشہ لوگوں کو کھینچا جنھوں نے دریا کے کنارے کنارے سکھر جدید کو آباد کیا۔ ۱۸۶۵ء میں چھاؤنی توڑ دی گئی۔ جب ریل نے کراچی کو کوٹڑی اور ملتان کو لاہور سے ملا دیا، تو کوٹڑی اور ملتان کے درمیان تجارت اور آمد و رفت جہازوں کے ذریعہ ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں سکھر کو بہت اہمیت حاصل رہی جو پنجاب اور سندھ کے درمیان ریلوے لائن کے مکمل ہونے سے کم رہ گئی۔ ہمارے زمانہ میں سکھر[2] کے بند نے سکھر کو پھر رونق

---

[1] تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۴ پر ہے : بہر حال آن (بکھر)، جای قدیم و لوہری و سکھر ازان جدید ...... قلعہ وی (یعنی بکھر) را شاہ بیگ از خشتہای الور اساس دادہ سادات ساکن درون قلعہ را بروں در لوہری اقامت دادہ، تا وز شاہ بادشاہ قلعہ را خراب ساخت.

[2] Sukhur Barrage

تازہ بخشتی ہے۔ اب میں ان مقامات کا ذکر کرتا ہوں جو میں نے مارچ ۱۹۳۷ء میں دیکھے۔

روہڑی

روہڑی دریائے سندھ کے مغربی کنارے پست چٹانوں پر واقع ہے اور بہت پرانی بستی ہے۔ سکھر گزیٹیر (بذیل روہڑی) میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے دور حجری کے آثار یہاں بکثرت ملتے ہیں۔ قریب بہ یقین ہے کہ عربوں کے حملہ سندھ کے وقت یہاں کوئی قابل ذکر بستی نہ تھی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دریا کا گزرگاہ روہڑی کے پاس نہ تھا۔ جب دریا نے اپنا راستہ بدلا تو روہڑی اور سکھر دریا کے داہنے اور بائیں کنارے پر بس گئے اور بھکر کی قلعہ بندی کر دی گئی۔ پھر ارغونوں کے زمانے میں سادات بھکر یہاں بسا دیئے گئے۔ عہد اسلامی کی متعدد یادگاریں یہاں اب تک موجود ہیں۔ ۱۸۴۷ء کے قریب تھارنٹن (Thornton)

---

[1] افسوس ہے کہ آثار ذیل کا دیکھنا ممکن نہ ہوسکا:۔

عیدگاہ جو ۱۵۹۳ء میں بنائی گئی۔ خیرالدین۔ آدم شاہ اور میر عبدالباقی پورانی کے مقبرے۔ میر صفائی کی جامع مسجد۔ ست بھین۔ درگاہ خواجہ خضر۔ میر معصوم کی مسجد جس میں اب کسی کا بنگلہ ہے۔ شاہ خیرالدین اور پورانی کا حال تحفۃ الکرام ۳: ۱۳ بعد پر دیا ہے۔

کا اندازہ تھا کہ اس میں ۴۰ آباد اور ۸۰ ویران مسجدیں موجود ہیں ۔ ریلوے سٹیشن کے تھوڑے ہی فاصلے پر رضوی سیدوں کی قلعہ نما بستی ہے ۔ جو ایک کچی فصیل کے اندر واقع ہے ۔ یہ حضرات شیعہ ہیں گر باوجود محرّم انھوں نے ازراہ عنایت مجھ کو بعض چیزیں جو اُن کے ہاں موجود ہیں دکھائیں ۔ انھی سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ان کے بزرگ سیّد میر یعقوب[1] علی رضوی بھکری بن سید میر میران رضوی النقوی عہد عالمگیری میں بھکر کے حاکم تھے ۔ ایک معافی نامہ عہد عالمگیری کا جو سید یعقوب علی کی اولاد کے نام ہے ، اُن کے پاس موجود ہے ۔ وہ میں نے دیکھا ۔ ایک سیدھی سیف اُن کے پاس موجود ہے ۔ دستہ پر سنہری کوفت کاری ہوئی ہے اور حال ہی میں تلوار پر اُن کا نام بھی کندہ کرا دیا گیا ہے ۔ لیکن معلوم نہیں کہ تلوار کو موصوف سے منسوب کرنا کہاں تک درست ہے ۔ یہ تلوار ان حضرات کو کسی اور گھرانے سے دستیاب ہوئی ہے ۔ ان کے پاس متعدد تصویریں اولیاءاللہ کی ہیں ۔ جن میں بیشتر اولیاء ہند کی ہیں ۔ ایک کتاب وظائف کی ہے ۔ جس میں دوازدہ امام رضی اللہ عنہم کی رنگین تصاویر ہیں ۔ یہ بارھویں صدی کا کام معلوم ہوتا ہے ۔ اس کتاب

---

[1] یہ اُن کی اولاد کا بیان ہے ۔ تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۸ پر سیّد یعقوب خان کو "از بنایر میر میران" لکھا ہے ۔ اور میر میران کا مختصر سا حال بھی اسی کتاب میں ۳ : ۱۲۵ پر دیا ہے ۔

کو ایک پیپر ماشی کے بکس میں رکھا ہوا ہے، جس پر جہانگیر کی تصویر اور شکار گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس بستی کے پاس ہی میر یعقوب علی شاہ کی مسجد ہے، جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ مگر ابھی ٹائلیں اس میں بعض جگہ باقی ہیں۔ سکھر گزیٹیر ص ۲۲۷ پر اس کی تاریخ تعمیر ۱۶۷۷ء دی ہوئی ہے۔ اس بستی سے کچھ فاصلے پر سید سلطان رضوی کا شکستہ سا مقبرہ ہے جس کے دروازے پر کچھ کاشی کاری ابھی باقی ہے اور تاریخ تعمیر ذیل کے کتبے میں درج ہے۔

سید سلطان رضوی چون ازین دار سپنج
زد بدولت چار تکبیر و بجنت کرده جا
سبز پوشان بهشتی را چمن پیرای خلد
داد سر بهفت از پی آن سید نعم الفتا
سال نقل او ز پیر عقل می کردم طلب
از سروش غیب در گوش من آمد این ندا
یک هزار و صد ز هجرت گر بدان و بیزده
در جمل بشمر حروف جملہ این مصراع را
بعد سه سال دگر از اہل بیت آن امام
یافته تعمیر نو این روضه مینو نما
تا بود بر پای این رنگین حصار ہفت خوان
چار رکنش بر بساط شش جهت ماند بجا
سال تاریخ بنائیش چون جستم از خرد
گفت در گوش ضمیرم روضه آل عبا
۱۱ ۱۴

خانقاہ دین پناہ کے متصل کی مسجد

یہ چھوٹی سی شکستہ مسجد دریا کے کنارے پر واقع اور پختہ گچ کار بنی ہوئی ہے۔ باہر چھوٹا سا صحن ہے۔ ایوان تین حصوں میں منقسم ہے۔ چھت گنبدی ہے۔ محراب کے اوپر لکھا ہے محمد عربی الخ صحن کی جانب ایوان کے باہر کی طرف ذیل کا کتبہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر بعہد شاہ اورنگ زیب ۱۰۹۲ھ میں شروع اور ۱۰۹۶ھ میں ختم ہوئی۔ کتبہ دو لمبی سطروں میں لکھا ہوا ہے۔ ہر سطر کے شروع اور آخر میں تین مصرعوں سے کچھ زیادہ دائیں اور بائیں طرف کی دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں مگر بیشتر حصہ سامنے کی طرف لکھا ہے۔ کتبہ یہ ہے۔

سطر اوّل

در زمن بادشاہ صاحب تیغ و قلم
مأمن تخت و کلاہ مفتخر خافقین
حامی فرض و سنن ماحی آثار کفر
مالک گنج و حشم فتنہ بر شور و شین
جالس اورنگ عدل، آور دکنذا، دین و دول
گوہر دیہیم ملک، زیب دہ مشرقین

عادل خاقان دہر، عالم گیر آنکہ اوست
خسرو عالی مقام پادشہ مشرقین
خواجہ محمد حسین مسجد عالی کہ ہست
مسجد اقصی نمای زینت اسلام عین
کرد بنا خیر کو قدر و منزلت
کرد دو تا چون فلک قدّ فرقدین
جامع اسرار حق فایض انوار دین
معبد نیکو بنای سجدہ گہ عالمین

سطر دوم

کعبۂ طاعت[1] طاعات حق؟ مقصد حاجات خلق
قبلہ انس و ملک، تاج سر قبلتین
گنبد تابانِ او مردم چشمِ سپہر
شمسۂ رخشان او خیرہ کن مقلتین
گوشۂ محراب او کرسی محراب عرش
منبر مہ پایہ اش منبر اوج بُطَین[2]
باد چو بیت العتیق سالم ز افات دہر
تا اثر آب ہست در دَھَن دو دغین[3]

---

[1] بظاہر یہ مصرع ناقص نقل ہوا۔ شاید کعبہ طاعات حق تھا مگر یقینی نہیں۔

[2] منازل قمر میں سے دوسری منزل کا نام ہے۔

[3] بادل جو آسمان پر چھایا ہوا ہو۔

سال دو تاریخ را ملہم غیبی ادا
کرد بدنیسان مرا زانکہ بود بود دین
جامع اسرار حق مسجد اقصیٰ نمای
*مسجد نیکو ازان خواجہ محمد حسین
مصرع اول بود صالح آغاز سال
مصرع ثانی ہمی یافت ز اتمام زین
بظاہر صالح شاعر کا تخلص ہے جس نے یہ قطعہ تاریخ تصنیف کیا۔

جامع مسجد روہڑی

عہد اکبری کی یہ مسجد لب دریا ایک پُر فضا مقام پر واقع ہے ۔ داخل ہونے کا دروازہ بالکل معمولی سا ہے ۔ البتہ اس پر ایک کتبہ ہے ۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے ۔ پرانے بیرونی دروازے کے باہر تھوڑی سی جگہ ہے، جس میں نیم کے متعدد بہت بڑے بڑے اور پرانے درخت ہیں ۔ دروازے سے داخل ہوں تو مساجد کی عام ترتیب کے مطابق پہلے صحن ہے ۔ پھر ایوان یا مسقف حصہ ۔ ایوان کا فرش نیلی ٹائلوں کا ہے اور چھت گنبدی ہے ۔ عمارت سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے ۔ ایوان عرضاً دو حصوں میں منقسم ہے ۔ ایک

---

* دوسرا مصرع پہلے ہے اور پہلا مصرع بعد میں درج ہوگیا ہے۔

حصہ صحن سے متصل اور دوسرا اس سے آگے جو تین حصوں میں منقسم ہے اور جس کے وسطی حصہ میں محراب ہے ۔ ذیل کا تقریبی سا خاکہ صرف ایوان کی عام شکل ظاہر کرتا ہے۔ محراب



کے متصل دو کوٹھڑیاں ہیں ۔ اور جنوبی دیوار میں دریا کی جانب کھڑکی ہے ۔ اور ایک سوراخ دار پنجرہ جو خوشخط حرفوں میں قل ھو اللہ احد الخ لکھ کر بنایا گیا ہے ۔ گویا یہ پنجرہ بھی ہے اور خوشخط قطعہ بھی ۔ ایوان بعد کے زمانے کی مساجد کی طرح زیادہ فراخ نہیں ہے ۔ البتہ عمارت اس کی بہت مضبوط بنی ہے ۔ محراب والے حصہ میں مشرقی دیوار کو چھوڑ کر باقی تینوں جانب میں چینی کار سطح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ انا فتحنا الی اجرا عظیما بخط ثلث درج ہے ۔ اسی حصہ کے بیرونی کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت رجب ۹۹۲ھ میں کسی شخص حبیب نامی کے اہتمام سے مکمل ہوئی ۔ بانی "خان جم قدر مسند دوران" فتح خان

ہے۔ ۱۳۶۰ھ میں بادشاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے موقعہ پر کلب علی مختار کارسرکار کے اہتمام سے اس مسجد کی مرمت بھی ہوئی۔

یہ مسند دوران فتح خان کون ہے ؟ تاریخ سندھ میر معصوم (نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۳۵ ب) میں مذکور ہے، کہ ۱۰ ربیع الاول ۹۸۶ھ کو اعتماد خان والی بھکر اپنے پیاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوا، تو ولایت بھکر بشرکت جاگیر مسند عالی فتح خان مہاوتؔ اور راجہ پرمانند خویش راجہ ٹوڈر مل کو تفویض ہوئی۔ اور رجب ۹۸۶ھ میں مذکورین بھکر پہنچ کر محال متعلقہ پر متصرف ہوئے۔ دو سال کے بعد پرمانند بحکم چوکی دربار درگاہ بادشاہی کی طرف روانہ ہُوا۔ مادھو داس اس کے بھائی کو قبیلہ داریجہ کے لوگوں نے قصبہ اُلور میں گھیر لیا۔ فتح خان نے اپنے آدمی بھیج کر مفسدوں کو شکست دی اور شورش کو فرد کیا۔ انہی دنوں میں فتح خان عازم درگاہ ہُوا۔ بادشاہ نے اس کا منصب بڑھایا۔ اور پرمانند کی جاگیر اس کو تنخواہ میں دی۔ فتح خان مرد سادہ لوح زر دوست تھا۔ لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا۔ اس کے وکیل شہاب خان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے خان نابر کے آدمیوں سے اس کا فساد ہو گیا۔ جس میں فتح خان کے بہت سے آدمی مع شہاب خان کے مقتول ہوئے۔ جب یہ رپورٹ بادشاہ کے پاس پہنچی تو فتح خان کی جاگیر بدل دی گئی، اور اس کی بجائے نواب محمد صادق کو والی بھکر مقرر کیا

گیا۔ جو ۲ ربیع الاول ۹۹۶ھ میں بھکر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ فتح خان کی حکومت بھکر کا زمانہ ۹۸۶ تا ۹۹۳ھ تھا۔

غرض بانی مسجد جامع یہی مسند عالی فتح خان ہے۔ مسند عالی افغانوں کے ہاں لقب تھا۔ یہ شخص پہلے اسلام شاہ کے امراء میں سے تھا۔ اکبر کے ۳۶ سال جلوس یعنی (۹۹۷ھ) میں وہ فوت ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین اکبری ص ۵۲۳) اس کو فتو افغان بھی کہتے تھے۔ طبقات اکبری (طبع کلکتہ ج ۲ ص ۴۶۶) میں ہے کہ وہ دو ہزاری منصب تک پہنچ کر فوت ہوا۔ بلاخمن کے بیان سے گمان ہوتا ہے کہ مسند عالی فتح خان اور فتح خان فیل بان (جس کو تاریخ سندھ میں مہاوتہ لکھا ہے) دو مختلف آدمی ہیں۔ مگر میر محمد معصوم نے واضح کر دیا ہے کہ مسند عالی فتح خان ہی فتح خان فیل بان ہے۔ اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مسجد کے بیرونی مشرقی دروازے کے اوپر بیرونی جانب بر یہ کتبہ کاشی کار ٹائلوں پر پانچ ٹکڑوں میں درج ہے خط نستعلیق ہے۔ مگر بعض خصوصیات تعلیق اس میں باقی ہیں۔ اصل کی ترتیب کے مطابق یہ کتبہ درج ذیل ہے۔

چون فردوس برین	ردی زمین	اتمامش از صدق	مرادش بیقین	مے اوانخواشی وتسعین وتسعمایہ العمارہ تاریخ
این مسجد باصفا	بی مثل فتاد در ہمہ	چون کرو حبیب	خواہم کر دہد خدا	تمت الشریفہ شہر رجب المرجب سنہ

یعنی

این مسجد باصفا چون فردوس برین
بی مثل فتاد در ہمہ روی زمین
چون کرد حبیب اہتمامش از صدق
خواہم کہ دہد خدا مراوش بیقین

تمت العمارۃ الشریفۃ فی تاریخ اواخر شہر رجب المرجب سنۃ اثنی (کذا) و تسعین و تسعمایہ

۲- ایوان کے بیرونی طرف درمیانی قوس کے اوپر ذیل کا کتبہ درج ہے۔ کتبہ قوس کے دائیں طرف کی دیوار سے شروع ہوتا ہے قوس کے اوپر اس کا بیشتر حصہ آیا ہے، اور بائیں جانب کی دیوار پر وہ ختم ہوتا ہے۔ خط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ بھی ٹائلوں پر لکھا ہوا ہے۔ ترتیب تحریر حسب نمونہ بالا ہے یعنی

شاہ	ستان	سریر	زمان	
پناہ اکبر	بخش ملک	چرخ	مقتدای	الخ الخ
خسروی دین	کہ بود تاج	شاہ انجم سپاہ	حامی شرع و	

اب اس کتبے کو مفصل درج کیا جاتا ہے۔

خسروی دین پناہ اکبر شاہ — کہ بود تاج بخش ملک ستان
شاہ انجم سپاہ چرخ سریر — حامی شرع و مقتدای زمان
بندگانش چون قیصر و فغفور — چاکرانش چو ملزل و خاقان
بندۂ کمترین او یعنی — خان جم قدر مسند دوران
سروری نیک رای دریا دل — منبع جود و مجمع احسان

فتح خان آن کہ تیغ خون یزش ٬٬ کرد بنیاد ظلم را ویران
مسجد جامع از برای ثواب ساختہ بر امید قصر جنان
دل کشا ہمچون مسجد کعبہ جان فزا ہمچون روضۂ رضوان
تا بود گنبد فلک برپا باد سالم ز آفتِ دوران
سال تاریخش از خرد جستم
مسجدی کرد خان بگفت روان

۹۹۲ ھ

ایوان کی درمیانی قوس کے دائیں اور بائیں ہمارے زمانے کی کاشی کار ٹایلوں پر ذیل کا کتبہ درج ہے:

دائیں جانب

تاج پوشیدہ خسرو دوران زینت [زینتی] یافت خانۂ یزدان
مسجد یادگار اکبر شاہ اوفتادہ ز مدتی ویران
در زمان [ایڈورڈ] شاہ جہان کردہ کلب علی مرمت آن

بائیں جانب

آنکہ مختار کار سرکار ست زیر فرمان روای ہندوستان
سال ترمیم مسجد اکبر ددش بودم بجان و دل جویان
با سر ناز ۵۰ ہاتفم فرمود
کار گلدستہ بر لب مہران

۱۳۲۰ = ۱۲۷۰

کہتے ہیں ' ایڈورڈ ' کا لفظ مٹ گیا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کا سنہ جلوس ۱۹۰۱ء ہے مگر تاجپوشی ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ کار گلدستہ بر لب مہران کے عدد ۱۲۷۰ ہیں اور اس میں سرناز یعنی ن کے ۵۰ عدد جمع ہوں گے ؛

زیارت گاہ موی مبارک

جامع مسجد کے متصل موی مبارک کی عمارت ہے جس کے اندر ہیں نہ جا سکا۔ تحفۃ الکرام ۳ : ۲۲۴ میں بذیل بلدہ بھکر لکھا ہے:

بوجود تبرک آثار شریف اعنی موی مبارک کہ حسب مرویات صحیحہ یکی از دو نیم مو است کہ از آنحضرت برای زیارت یادگاری مومنان ماندہ مخصوص کرامت۔

سکھر گزیٹیر ص ۴۷ پر ہے کہ یہ موی مبارک عبد الباقی ختن شیخ نظام الدین صدیقی سندھ میں لائے وہ روہڑی میں آباد ہوگئے مگر موی مبارک کو ظاہر نہ کیا۔ آخر ایک بزرگ کو خواب میں اس کے وجود سے آگاہ کیا گیا۔ ظاہرا اس سے بہتر سند موجود نہیں ؛

ڈھک بازار والی مسجد

اس مسجد میں محراب کے اوپر ۱۱۰۶ھ کا ایک کتبہ ہے

بخشش اللہ از اللہ بخش مسجدی را داد درگیتی ثبات

سال تاریخ بنائیش را خرد
ثبت کرد الباقیات الصالحات
۱۱۰۶ ھ

کتبہ لکھنے والے نے اس پر دستخط یوں کئے ہیں۔


(شاید یہ نام سید محمد بخش ہو)

صفہ صفا

روہڑی میں لب دریا قلعہ بھکّر کے مقابل ایک پہاڑی پر میر ابوالقاسم نمکین کے خاندان کا گورخانہ ہے۔ اس پر میر ابوالقاسم اور اس کے عزیز و اقارب کی کئی قبریں ہیں۔ دریا کی طرف سنگین پشتہ بندی کی گئی ہے۔ اور اس کے مقابل کی سمت (جنوب) میں بہت سی سیڑھیوں کو چڑھ کر قبروں والے چبوترے تک پہنچتے ہیں۔ جنوبی سیڑھیوں کے درمیان میں دروازہ اور ڈیوڑھی سی بنی ہے۔ جس میں کچھ نقاشی بھی ہوئی ہے۔ جس سطح پر قبریں ہیں۔ اس کا فرش سرِ بسر پختہ ہے۔ اکثر قبروں پر نفیس سنگتراشی سے زنجیرے اور کتبے کندہ ہیں۔

صفۂ صفا میر ابوالقاسم نے خود بنایا اور اس کا نام بھی خود ہی تجویز کیا[1]۔ یہ جگہ نہایت منزّہ اور خوش منظر ہے۔

لہ مآثر الامرا ۳: ۷۷۲

اس کے دامن میں دریا بہتا ہے۔ سامنے قلعہ بھکّر ہے۔ دُور دُور تک باغوں اور عمارات کا نظارہ یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ صاحب مآثر نے لکھا ہے کہ چاندنی راتوں میں یہاں کا منظر بے نظیر عالم[1] ہے۔

میر ابُو القاسم بن ملا میر هرات کے حسینی سیدوں میں سے تھے۔ پہلے میرزا محمد حکیم کے پاس نوکر تھے۔ پھر اکبر بادشاہ کے ملازموں میں داخل ہوئے۔ بھیرہ اور خوشاب جاگیر میں ملے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کو رکابی اور پیالہ نمک کا بنوا کر پیش کش کیا۔ تو نمکین کی پھبتی ان پر کسی گئی۔ اس مردم خیز عہد کی بہت سے لوگوں کی طرح میر بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ پیش گاہ اکبری میں ان کو قرب و منزلت حاصل تھی۔ داؤد خان کررانی کی جنگ میں موجود تھے۔ پھر کچھ عرصہ تک سوات، باجور اور تیراہ کے کروڑی اور فوجدار رہے۔ اس کے بعد ۱۰۰۷ھ میں حکومت بھکر پائی۔ مگر رعایا سے بدسلوکی اور ان کی شکایت پر معزول ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے پھر مہربانی کی۔ اور اضافۂ منصب اور خطاب خانی اور تیولداری گجرات (پنجاب) سے ان کو سرفراز کیا۔ شروع عہد جہانگیری میں خسرو کو گرفتار کرنے پر منصب میں ترقی ہوئی اور دوبارہ بھکّر کی حکومت

---

[1] مآثر ۲: ۷۴، بلاخمن (ترجمہ آئین اکبری) ۴۷۰، تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷ بقول صاحب تحفہ ملا میر متولی درگاہ امام موسٰی رضا تھے۔ سکھر گزیٹیر ص ۴۸ پر صفہ صفا کا عام نام تھان قاسم شاہ دیا ہے۔

ملی۔ اب کے میر نے بھکر کو وطن بنا لیا۔ اور اسی زمانہ میں صفہ صفا تعمیر کیا۔ سکھر کی ایک عالیشان مسجد بھی میر ہی نے بنوائی۔ تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷ پر ہے کہ میر جنگ قندھار میں قتل ہوئے۔

اس گورخانہ میں بہت سی قبریں ہیں۔ جو اسی قسم کے زرد پتھر کی بنی ہوئی ہیں جو ٹھٹہ کے نواح میں کوہ مکلی کی قبروں پر استعمال ہوا ہے۔ قبروں پر ۱۰۱۸ھ سے ۱۰۷۰ھ تک کے کتبے میں نے خود دیکھے۔ لیکن سکھر گزیٹیر ص ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتبے بعد کے بھی ہیں یعنی ۱۳۰۱ھ کے یہ کتبے نفیس نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر میر ابوالقاسم کی قبر ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں۔

پائیں

خان زمانہ میر ابوالقاسم آنکہ او — لوح وجود از رقم غیر سادہ کرد
نبراس دودمان وفا گلبن حیا — سال وفات او طلب از داغ دادہ کرد
۱۰۱۹ھ

لہ مآثر ۳ : ۷۵ افسوس ہے کہ قیام سکھر کے اثنا میں یہ معلوم نہ تھا کہ میر ابوالقاسم نے سکھر میں کوئی مسجد بھی بنوائی تھی۔ جس پہاڑی پر صفہ صفا ہے۔ اس کا نام سکھر گزیٹیر میں ست بہین دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام اس عمارت کی وجہ سے ہے جو پہاڑی کے جنوبی جانب ہے۔ میں نے اس کو فقط دور سے دیکھا۔

بالین

گر بود بستر از حریر چسود　　چون نهد مرگ زیر بالین خشت
خلف او ز داغ ابی　　چونکہ تاریخ سال فوت نوشت
۱۸　۱۰
گفت ملہم مرا بگوش ضمیر
سال فوتش کہ یاد جاش بہشت
۱۸ ھ ۱۰

بظاہر داغ دادہ میں ایک عدد زاید ہے۔
میر ابوالقاسم کثیر الاولاد تھے۔ مآثر میں ہے کہ ان کے ۲۲[1] بیٹے تھے۔ جس چبوترے پر میر کی قبر ہے اس پہ تین اور قبریں جو غالباً میر کے لڑکوں یا اور عزیزوں کی ہیں ان کے کتبے درج ذیل ہیں۔

مصدر خُلق امیر خان کہ بسی　　خَلق عالم بخُلق او آسود
تا درین دہر بود صاحب جاہ　　در رضای خدای خود می بود
کوس رحلت چو زد ز دارفنا　　رخت آسودگی بخلد کشود
سال نقلش بگفت ہاتف غیب
ہادی دین امیر خان آسود
۱۰۵۷

یہ امیر خان میر ابوالبقا ابی القاسم نمکین ہے (دیکھو

---

[1] توزک جہانگیری (ترجمہ ۱: ۳) میں تیس لکھے ہیں۔

بلاخمن کا ترجمہ آئین ص ۷۲ء) اس ابوالبقا کے بیٹے عبد الرزاق کی قبر بھی یہیں ہے جو ۱۰۶۲ھ میں کسی سنّی شیعہ فساد میں مارا گیا۔ اس کی قبر کے بالین پر یہ کتبہ ہے۔

عبدالرزاق کہ روحش قرین باد نہ ایزد بہزار آفرین
سنی و شیعہ چون در افتادہ دید تیغ شجاعت زمیان بر کشید
ہمت عالیش عنان گرم تاخت جام شہادت زقضا نوش یافت
ترک ازین عالم فانی گرفت
ملک بقا آل حسینی گرفت
۱۰۶۲

یہیں ایک قبر عتیق اللہ مرزا کی ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں۔

پائین

بتاریخ احد پنج شنبہ شہر رجب المرجب ۱۰۳۷ھ بدرجہ شہادت رسید۔

بالین

عتیق اللہ مرزا کز فراقش محبان را جگرہا چاک آمد
چو در خیل شہیدان شد خرامان فلک را دیدۂ نمناک آمد
ز روی درد گفتا سال تاریخ
عتیق اللہ شہید پاک آمد
۱۰۳۷ = ۱۰۳۳ +

اس چبوترے کی قبروں کے علاوہ باقی کئی قبروں پر بھی کتبے ہیں۔جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

شمالی جانب کی قبریں

۱۔ وفات یافت مرحومی مغفوری میرزا ابو نصر بتاریخ شہر ذی الحجہ ۱۰۶۵ھ

۲۔ وفات یافت مرحومی مغفوری میرزا محمد صلاح بتاریخ شہر ذی الحجہ ۱۰۶۲۰ھ

۳۔ چونکہ مرحوم محمد افضل   رفتہ زین عالم خاکی باجل
عقل تاریخ وفاتش گفتا   آہ آسود محمد افضل

۱۰ ۸۰

مشرقی جانب کی دو قبریں

۴۔ تاریخ فوت مرحومہ یازدہم شہر محرم الحرام ۱۰۷۰ھ

۵۔ فی التاریخ بیست ہفتم شہر صفر ختم بالخیر و الظفر ۱۰۳۱ھ

۶۔ پائین

میر والا نژاد سعد الدین   آن بہر فن یگانۂ کامل
دل ازین خاکدان گرفت او را   جنتِ عدن ساخت سر منزل
سال فوتش چو جستم از دل گفت
شد بفردوس میر صاحب دل

۱۰ ھ ۳۷

صفہ صفا کے دامن میں جنوبی طرف ایک عورت کی قبر پر پائیں جانب ذیل کا کتبہ ہے۔

چون بدون شد ز جہان صالحہ
کز خدا بود بہشتش امید
سال تاریخ وفاتش گردون
زد رقم شد بہشت جاوید

۱۰۳۷ھ

الرور

الرور۔ ارُور یا اَلُور کا خرابہ روہڑی سے ۵ میل جنوب مشرق کو ہے[1]، محمد قاسم کے حملہ کے وقت یہ مقام سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اس زمانے سے قریباً دو صدی بعد یہ بستی اجڑ گئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے اجڑنے کی وجہ یہ تھی کہ دریا نے اپنا راستہ بدل لیا۔ اور یہاں کی آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ روہڑی میں جا بسے۔ اور اپنی پرانی بستی کا نام بھی ساتھ لیتے گئے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس وقت سے اَلُور میں کامل ویرانی ہو گئی۔ کیونکہ عہد مغلیہ میں اس کی آبادی کا ذکر تاریخوں

---

[1] سکھر گزیٹیر ص ۱۲۱ تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۲

[2] اَلُور کے اجڑنے کے متعلق عام قصہ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۴۴ بعد پر دیکھئے

میں موجود ہے۔ مارچ گذشتہ میں میں اس کو دیکھنے گیا تو میرا بھی خیال تھا کہ وہاں صرف کھنڈر ہی کھنڈر ملیں گے لیکن میں نے اس میں ایک بستی کو آباد پایا۔ ہاں پرانی بستی کے کھنڈر بھی نئی آبادی کے پہلو بہ پہلو موجود ہیں لوگوں نے کھود کھود کر اس کھنڈر میں گہرے گڑھے بنا دیئے ہیں۔ اور دور ہنود کی بڑی بڑی اینٹیں ہر طرف اس میں نظر آتی ہیں۔ بستی کے پاس گو اس سے قریب ہی شاہ اورنگ زیب کے زمانے کی ایک مسجد بھی ہے جو ویران اور ناقابل استعمال ہے۔ گو اس کے بعض حصّے ابھی قائم ہیں۔ اُوپر میں سید شکر گنج شاہ اور سیّد خلق الدین شاہ (رکلدا) کی قبریں بھی ہیں۔ آخر الذکر کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ حضرت لال شہباز قلندر مدفون سہوان کے معاصر تھے۔ بستی پہاڑی کے اوپر ہے۔ اس کے دامن میں دریا کی سابق گذرگاہ ابھی تک صاف اور واضح نظر آرہی ہے۔ بستی سے دریافت کرنے پر بعض لوگوں سے کچھ تانبے کے سکے ملے۔ جن میں سے ایک غالباً ناصرالدین محمود بن التمش (۶۴۴ تا ۶۶۴ھ) کے زمانے کا ہے۔ اور دوسرا جس کے ایک طرف اکر اور دوسری طرف بکر لکھا ہے۔ پروفیسر شیرانی اس کو خط کے اعتبار سے ارغونوں کے عہد کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بستی والوں سے پوچھا گیا کہ کوئی کتبہ بستی میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ عربی کا ایک کتبہ دریا کی خشک وادی

میں موجود ہے۔ جس کو ان کی اصطلاح میں نیںؔ ونگو کہتے ہیں۔
بستی سے قریباً آدھ میل کے فاصلے پر اترائی اتر کر ہم خشک
گذرگاہ میں ایک جھاڑی کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بڑا
سا سفیدی مایل زرد پتھر ملا جو روہڑی میں عام طور پر نظر
آتا ہے۔ اور چونہ کے پتھر کی قسم کا ہے۔ اس پر دو سطروں
میں ذیل کا فارسی کتبہ نفیس نستعلیق میں لکھا ہوا ملا:

بردار قدم چون رہ نوردان	در بادیہ پای نہ چون مردان
بفرمودہ سیاست پناہ امیر محمد معصوم مرقوم ۱۰۰۸ھ	

میر محمد معصوم نامی کا ذکر آگے آتا ہے۔

سکھر

سکھر کی نہایت نمایاں عمارت میر معصوم بھکری کا مینار
ہے۔ اس مینار کے متصل ایک مثمن گنبدی ہے۔ اور اس کے
متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ ہے۔ تینوں پر کتبے
ہیں۔ ان کا مفصل حال آگے آتا ہے۔
میر محمد معصوم کو مغلیہ زمانہ کی کتابہ نویسی میں جو اہمیت

لہ ونگ سندھی میں محراب نما چیز کو کہتے ہیں۔ ونگ پنجابی میں ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں۔
نیں ندی کو کہتے ہیں۔

حاصل ہے۔ شاید ہی کسی شخص کو ہوگی وہ خود خوشخط کتابہ نویس تھا۔ اور اس کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان سے تبریز و اصفہان تک جہاں موقعہ ملا۔ اس نے رستوں اور منزلوں پر مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں کو اپنے اشعار سے آراستہ کیا۔ کوہ قندھار میں ایک پتھر پر صرف کثیر سے اسامی ممالک محروسہ اکبر شاہی کندہ کئے[1]۔ آج بھی اس کے کتبے ہندوستان میں موجود ہیں۔ اُوپر کے کتبے کا ذکر ابھی ہوا۔ دروازہ قلعہ آگرہ اور مسجد جامع فتح پور کا کتبہ اسی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سکھر کے مینار اور اس کے متصل مقامات میں بیسیوں کتبے ہیں۔ جن میں سے شاید بعض اس کے اور بعض اس کے ملازمین کے لکھے ہوئے ہیں۔ آثر (۳ : ۳۲۸) میں ہے کہ اس نے بہت سے بقاع خیر یادگار چھوڑے۔ خصوصاً سکھر میں جو اس کا منقط الراس ہے، اس نے کئی عمارتیں اور باغات بنوائے۔ دریائے سندھ کے اندر بیتا سر کے نام سے ایک عمارت بنوائی۔ جو بقول

---

[1] تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷۔ قندہار میں ایک پہاڑ پر بابر نے ایک پیش طاق بنوا کر اس پر کتبہ کندہ کروایا تھا۔ میر معصوم نے بھکر سے خوشنویس اور سنگ تراش بلوا کر ہمایوں اور اکبر کا نام اور اکبری سلطنت کے شہروں اور ممالک کے نام "از فضای حدود بنگالہ تا بندر لاہری و از کابل و غزنین تا دکن" وہاں درج کرائے۔ قریباً چار سال میں یہ کام تمام ہُوا (ایلیٹ ۱ : ۲۳۹ "تاریخ سندھ نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۷۱ ب)

صاحب مآثر نوادر روی زمین سے ہے۔ سکھر گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ سوائے مینار کے سکھر کی متعدد اور عمارتیں میر معصوم کی طرف منسوب ہیں۔ دریا کے کنارے نئے تالاب (RESERUOIR) کے نیچے ایک مسجد اور آرام گاہ (REST HOUSE) ہے جس کو انگریزی عہد میں دروازے کھڑکیاں لگا کر رہائشی مکان کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پر ایک کتبہ بھی ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ میر معصوم نے یہ عمارت نماز اور مسلمانوں کے آرام کے لئے بنوائی۔

دیرانے سکھر میں ایک جامع مسجد ہے جو کہتے ہیں کہ میر معصوم کے والد میر صفائی نے بنوائی تھی،

مینار وغیرہ کا حال بیان کرنے سے پہلے میر کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ غیر معمولی شخص بیک وقت خطاط، شاعر، مورخ، منشی، طبیب، بہادر سپاہی اور مرد سیاسی (ڈپلومیٹ) ہونے کی حیثیت سے فخر روزگار تھا۔ میر معصوم کے بزرگ سادات ترمذ میں سے تھے۔ درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے بڑے دروازے کے پہلو میں میر نے ایک کتبہ لکھا ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے:

قایلہ و کاتبہ محمد معصوم نامی ابن سید صفائی الترمذی اصلاً و البھکری مسکناً و المنتسب انا الی سید شیر قلندر بن

ـــــــــــــــــ

لہ مآثر میں گنبد دریائی (۱۰۰۷ھ) اس کی تاریخ دی ہے (باقی صفحہ ۳۵۸ پر دیکھیں)

بابا حسن ابدال السبزواری مولداً و القندھاری موطناً (دیباچہ تزک جہانگیری مرتبہ سید احمد علی گڑھ ۱۸۶۴ء حاشیہ ص ۴ جہاں یہ پورا کتبہ درج ہے)

مآثر الامرا (۳ : ۳۲۶) میں ہے کہ دو تین پشت پہلے ان کے بزرگ قندہار ہیں آ بسے۔ اور بعض اور سادات کی شرکت سے بابا شیر قلندر کے مقبرہ کے متولی بنے۔ میر معصوم کے والد میر صفائی بھکر آئے۔ اس زمانے میں سلطان محمود (میرزا شاہ حسین ارغون والی سندھ م ۔ ۹۶۳ھ کا کوکہ) حاکم بھکر تھا۔ وہ بہت عزت سے پیش آیا۔ اور میر صفائی بھکر ہی میں بس گئے۔ سیوستان کی ایک سید زادی سے شادی کی اور میر معصوم اور ان کے دو بھائی بھکر ہی ہیں پیدا ہوئے۔ ابھی تحصیل علم کی نوبت نہ آئی تھی کہ ان کے والد میر صفائی کا انتقال ہؤا۔ میر معصوم نے ملا محمد ساکن کنگری (از توابع بھکر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷ : ٥ میر نے سید شیر کا مفصل حال "تاریخ سندھ میں دیا ہے۔ دیکھو نسخہ پنجاب یونیورسٹی۔ ورق ۷۴ بعد

لہ بہ سادات سیوستان نسبت نمود۔

ٰ تحفۃ الکرام ۳ : ۱۳۵ پر ہے کہ کنگری پادشاہ پور، بہرالو سے ۴ کوس پر اور بہرالو لوہری سے تقریباً ۸ کوس ادھر۔ سید صفائی کو سلطان محمود خان نے شیخ الاسلام بھکر بنایا۔ ان کا سن وفات ۹۹۱ھ ہے (تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷)، یہی سنہ ان کے لوح مزار کے کتبے سے حاصل ہوتا ہے۔

کی خدمت میں علوم تحصیل کئے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد چونکہ میر نے شکار کا شوق حد سے زیادہ پیدا کر لیا تھا۔ وہ اکثر اسی میں مشغول رہنے لگے لیکن یہ حالات جلد ہی بدل گئے اور میر کو مفلسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے ہم وطن اور ہم سبق شیخ اسحاق فاروقی۔ خواجہ نظام الدین احمد ہروی دیوان گجرات کی سرکار میں ملازم صاحب اختیار تھے۔ میر معصوم نے پا پیادہ گجرات کا رخ کیا۔ شیخ نے خواجہ سے ملاقات کرا دی۔ اتفاق سے خواجہ ان دنوں میں طبقات اکبری کی تالیف میں مشغول تھے۔ میر معصوم تاریخ دانی میں یگانہ روزگار تھے۔ اس لئے خواجہ نے ان کے آنے کو غنیمت سمجھا اور میر (اور بعض دوسرے اہل کمال) اس کتاب کی تالیف میں شریک رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میر شہاب[2] الدین احمد خان صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ شجاعت و مردانگی میں ناموری حاصل کی[3]۔ خصوصاً خانخانان کے ہمراہ

---

[1] مآثر ۱: ۶۶۳

[2] میر شہاب الدین پنج ہزاری امرا میں سے تھا۔ بہت سے کارہائے نمایاں اس سے ظہور میں آئے۔ وہ مدتوں تک گجرات کا اور سالہا سال تک مالوہ کا حاکم رہا۔ ۹۹۹ھ میں اجین میں فوت ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین ص ۳۳۲)

[3] اکبرنامہ میں ۹۹۸ اور ۱۰۰۲ الٰہی کے درمیان میر کی فوجی کار گذاریوں کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ اور اس کا شمار 'دلاوران' اور 'کار آگاہان' اور (باقی صفحہ ۳۶۰ پر)

تسخیر سندھ میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ۔ آخر اکبر بادشاہ سے روشناسی پیدا ہوئی اور چالیسویں سال جلوس (یعنی ۱۰۰۳-۱۰۰۴ الہی) میں ان کو دو صد و پنجاہی منصب ملا اور بتدریج تقرب اور اعتبار بادشاہی بڑھا۔ تاآنکہ ان کو ایران کی سفارت پر بھیجا گیا اور وہ دانائی اور کاردانی کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے مورد عنایت بنے تکمیل، اکبر نامہ میں (۳ : ۸۲۵ پر) شیخ عنایت اللہ نے لکھا ہے کہ میر معصوم بھکری کو ۲۷ آذر ماہ ۱۰۴ الہی کو بتقریب سفارت ایران جانے کی اجازت ملی ۔ وہ محاصرہ قلعہ ایروان کے اثنا میں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ شاہ نے ان کی بزرگ داشت میں بہت مبالغہ کیا۔ شہنشاہی خط کو ادب کے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا۔ حضرت شاہ بابا امؐ کا حال پوچھا۔ تخایف ایک وسیع بارگاہ میں چنوا کر ملاحظہ کئے اور برابر دو تین دن تک ایلچیان گرجستان اور سرداران ترکستان اور باہر کے آدمیوں کو ان تحایف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۹: خدمت گزینیان کار شناس' اور مجاہدان اخلاص گر' کے زمرہ میں ہوا ہے ۔ بھیرہ اور رہتاس میں وہ محب علی کے ہمراہ رہے اور بہار میں میرزا کوکہ خان اعظم کے کمکیوں میں شامل ہے ۔ پہلے کئی برس تک شورش گجرات کے فرو کرنے میں مدد دیتا ہے ۔ پھر خانخانان کے ہمراہ مہم قندہار میں شمولیت کا حکم پاتا ہے ۔ اور فتح سندھ میں خانخانان کا معین کار ہے (دیکھو فہرست اکبر نامہ طبع کلکتہ ج ۳ بذیل میر معصوم بھکری تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷) یہ مضمون تکمیل اکبر نامہ سے ماخوذ ہے ۔ ابوالفضل ۱۰۱۱ھ میں مارا جا چکا تھا ؛

کے دیکھنے کے لئے بھیجا۔[1]

نقی کاشی نے لکھا ہے کہ میر معصوم کے ساتھ ایران میں ایک ہزار ملازم تھے (فہرست اودھ ص ۳۷) روز روشن (ص ۶۷۹) پر ہے کہ میر موصوف "در اصفہان با حکیم شفائی و محمد رضا فکری و تقی اوحدی در مشاعرات ہم طرح ماند و بعد ورود ہندوستان انداز ادای سفارت او پسندیدہ محمد اکبر شاہ پادشاہ افتاد و بحضور پادشاہ قبولی عظیم یافت"۔

ایران سے واپسی کے بعد جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۱۵ھ میں ان کو امین الملک بنا کر بھکر بھیجا اور میر وہیں فوت ہوئے (مآثر) سنہ وفات ان کا روز روشن میں (ص ۶۸۰ پر) ۱۰۱۹ھ دیا ہے اور تاریخ وفات بودہ نامی صاحب ملک سخن - یہ

ھ ۱۰ ۱۹

مصرع اس قطعہ تاریخ سے لیا گیا ہے۔ جو نامی کی قبر پر کندہ ہے اور جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ میر معصوم کا منصب

---

[1] عالم آرای عباسی (طبع تہران ج ۲ ص ۴۴۸) پر اس کے برعکس لکھا ہے ۔ کہ سردیوں کا زمانہ تھا۔ بادشاہ محاصرہ میں مصروف تھا۔ ملواٹے ایک تلوار کے جس کو تفاول کے لئے بادشاہ نے منگوا لیا ۔ باقی چیزیں در دولت خانہ پر بارخانہ میں پڑی رہیں ۔ اور باوجود شدت سرما چار مہینے تک میر کے آدمی ان چیزوں پہ پہرہ دیتے رہے ۔ یہ شاہ عباس کے ۱۷ سال جلوس کا واقعہ ہے ۔ ۱۸ سال جلوس (۱۰۱۳ھ) میں میر کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت دی (عالم آرای ۲ : ۴۶۱) (باقی صفحہ ۳۶۲ پر)

رفتہ رفتہ ہزار اکبری تک پہنچ گیا تھا۔

میر مکارم اخلاق سے بدرجہ اتم متصف تھے۔

طبقات اکبری (طبع کلکتہ ۲: ۵۰۰) میں ان کی نسبت لکھا ہے : جوانیست بصلاح و تقویٰ آراستہ و سالہا بفقیر ہمدم و مصاحب بود۔ مآثر (۳: ۳۲۸) پر ہے: زہد و تقوی بکمال داشت و ہمت و سخاوت را بجائی رسانید کہ تا بردم اجلاف بھکر سوغات از ہندوستان می فرستاد و بہ اکابر و اصاغر مسانہہ و مشاہرہ و میاومہ و فصلانہ و جمعگی مقرر کردہ بود۔ ہاں یہ ضرور لکھا ہے کہ آخری دنوں میں میر وطن آیا تو وہ سلوک نہ رہا بلکہ ایک خاص وجہ سے لوگوں نے اپنا پائی۔

روز روشن ص ۶۷۹ پر ہے : مرد درویش مزاج و خوش خلق، لطیف الطبع، سخی و شجیع و متدین و متقی بود۔

مآثر میں ہے کہ میر معصوم صاحب دیوان تھا اور نامی اس کا تخلص تھا۔ مآثر میں ہے کہ دیوان نامی، مثنوی معدن الافکار در جواب مخزن الاسرار، تاریخ سندھ[1] اور طب کی ایک مختصر کتاب موسوم بمفردات معصومی اس نے تالیف کیں۔ مگر تقی کاشی (فہرست اودھ ص ۳۷) نے لکھا ہے کہ نامی نے

حاشیہ صفحہ ۱۶۳:[2] معلوم نہیں ایوناف نے کس بنا پر اس کا سال وفات ۱۰۱۵ھ دیا ہے (فہرست ۱۸۵)

[1] یہ کتاب غالباً ۱۰۰۸ھ میں ختم ہوئی (ریو بذیل "تاریخ سندھ")

پانچ مثنویاں لکھیں جن میں ۱۰ ہزار بیت ہیں۔ ایک ہفت پیکر کے، دوسری سکندر نامہ کے بحر میں، تیسری لیلے مجنوں کے بحر جس کا نام پری صورت ہے، چوتھی یوسف زلیخا کے بحر میں جس کا حسن و ناز ہے[1]۔ پانچویں مخزن الاسرار کے بحر میں۔ نیز اس نے دو دیوان غزلیات اور دو ساقی نامے لکھے۔ روز روشن میں اس کو طب نامی کا مصنف بھی بتایا ہے۔ جو بیلو ص ۲۹۱ کے نزدیک مفردات معصومی سے الگ کتاب ہے۔ میں نے سکھر میں سنا کہ دیوان نامی بخط مصنف اس کی اولاد کے ہاں اب تک محفوظ ہے۔ تاریخ سندھ کے نسخے عام ہیں۔ مفردات نامی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے (دیکھو فہرست ایوناف عدد ۱۵۵)

میر نے عمارتوں، املاک اور باغات پر کثیر رقم صرف کی ہوگی۔ باوجود اس کے اس نے تیس چالیس لاکھ روپیہ نقد چھوڑا (مآثر) اب ہم میر کے مینار وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں، جو ایک پہاڑی پر واقع ہیں[2]:

---

[1] تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷ پر ہے کہ نامی نے ناز و نیاز در قصہ سسی و پنوں لکھی ہے۔ شاید یہ وہی کتاب ہے [2] تحفۃ الکرام ۳: ۱۷۴ پر ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک گراں قدر حرمین بھیجی تھی وہ واپس آئی۔ میر معصوم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس رقم سے نشیمن ہائے پاکیزہ اور منارہ معروفہ یادگاری ترتیب دیئے۔ اگر یہ درست ہے تو یہ عمارتیں بادشاہی خرچ سے تیار ہوئیں۔

میر معصوم کی بنا کردہ عمارتیں

یہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک مینار، اس کے متصل ایک گنبد دار مثمن عمارت، اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ۔ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً یہاں ۹۹۱ھ میں میر صفائی اور میر ابوالقاسم کی قبریں بنیں۔ پھر ۱۰۰۲ھ میں اس جگہ پتھر کے ستونوں اور قبوں والی عمارت کھڑی کی گئی۔ یہی گور خانہ میر معصوم ہے۔ کہتے ہیں اس کی تاریخ تعمیر عمارت سر کوہ

۱۰۰۲ھ

ہے۔ اسی سال یعنی ۱۰۰۲ھ میں مینار کی تعمیر شروع ہو کر ۱۰۱۳ھ میں ختم ہوئی۔ غالباً میر معصوم اس زمانہ میں سفر ایران سے ابھی واپس نہ ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے لڑکے میر بزرگ نے مینار کی عمارت اپنے اہتمام سے ختم کی۔ مثمن کی عمارت ۱۰۰۴ھ میں ختم ہوئی۔ اس کی تاریخ مکان بافیض

۱۰۰۴ھ

ہے۔ ۱۰۱۹ھ میں خود میر معصوم کو گور خانہ مذکور میں دفن کیا گیا۔

منار میر معصوم

یہ منار جو مخروطی سی شکل کا اور سرخ اینٹوں سے

بنا ہوا ہے ۔ عمود سے قدرے ایک طرف کو مائل ہے ۔ اس کے قاعدے کا محیط ۸۴ فٹ اور بلندی تقریباً ۱۰۰ فٹ ہے۔ سیڑھیاں اوپر تک جاتی ہیں ۔ چوٹی پر اس زمانے میں ایک آہنی پنجرہ لگا دیا گیا ہے کہ کوئی گر نہ جائے۔ مینار کی بلندی کی وجہ سے شہر اور اطراف کا نہایت شاندار منظر اوپر سے دکھائی دیتا ہے (سکھر گزیٹیر ص ۵۹) مینار کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت ۱۰۰۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰۱۳ھ میں تمام ہوئی۔[1] ذیل کا کتبہ جس میں تاریخ بھی ہے منار کے دروازے کے اوپر کندہ ہے۔ اور میر بزرگ[2] بن محمد معصوم کی تصنیف ہے ۔ یہ کتبہ تین حصوں میں منقسم ہے ۔ جیسا کہ ذیل کے خاکے سے ظاہر ہوگا۔ متن کتبہ کا یہ ہے:-



(ا)

بنی ہذا المنار فی زمان سلطان جلالدین (کذا) محمد
اکبر بادشاہ غازی

---

[1] گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ منارہ کی تعمیر میر معصوم کے لڑکے نے "تاریخ بنائے عمارت یعنی ۱۰۰۲ھ سے ۱۴ سال بعد ختم کی۔ لیکن ۱۴ نہیں ۱۱ سال کہنا چاہیئے۔

[2] میر بزرگ کا حال آثر ۳ : ۳۲۸ پر دیا ہے اس میں میر بزرگ کی نسبت کہا ہے : در نظم و نثر ہم مربوط بود و خوش می نوشت۔ تحفۃ الکرام ۳ : ۱۳۱ پر میر بزرگ کی اولاد کا حال بھی دیا ہے۔

(ب)

بدُرِ فلکِ علا محمد معصوم   کز وی بزمانہ هیت نیکو نابیست
افراشت چنین بناء عالی کہ ز قدر   افراختہ سر بچرخ مینا فابیست
تاریخ بناء او ملایک از عرش   گفتند جہان نما منار نابیست

۱۰۰۲ھ

(ج)

میر معصوم آن رفیع القدر   کہ اندر کار دین باآئین است
کرد طرح منار تا گویند   کین بی یادگار دیرین است
پیر چرخ از برای تاریخش
طاق عرشی برین بگفت این است

۹۵۲ + ۶۱ = ۱۰۱۳ھ

قایلہ میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم

مثمن گنبدی

یہ مثمن جو ۱۰۰۴ھ میں تعمیر ہوا۔ منار میر معصوم کے متصل اور اس کے اور میر معصوم کے گور خانہ کے درمیان واقع ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں۔ باقی چار محرابیں بند ہیں۔ اندرونی جانب تمام چینی کار ہے۔ دروازوں کے اوپر شمال و جنوب میں روشندان ہیں۔ جو چھوٹے چھوٹے نشیمنوں کی وضع کے بنے ہوتے ہیں۔ ان نشیمنوں کی چھت پر رباعیات ذیل بخط نستعلیق کندہ ہیں جو فرش پر سے پڑھی

جا سکتی ہیں۔

جنوبی نشیمن

سر منزل درد ما ہوای دارد　　ویرانۂ غم نیستر صفای دارد
دیوانۂ دل مرا ملامت نکنید　　این وادی نیز رہ بجای دارد

شمالی نشیمن

فرہاد رحیل از ہمہ کس مشنوی　　آواز دراز پیش و پس مشنوی
کردہ ہمہ شب گیر بسر منزل دور "کذا"　　تو خفتہ برہ بانگ جرس مشنوی

مثمن کے اندر دروازوں سے اوپر ذیل کا کتبہ مسلسل صورت میں لکھا ہے:

جانب مغرب

ای بندہ نواز ذرہ پرور　　از لطف تو ذرہ مہر انور
روزی کہ چو سبزہ سر برآرم　　ز ابر کرمت امید دارم
ہر چند کہ خار بوستانم　　بخشا بطفیل گلستانم
نوری بدلم فگن خدائی　　تا با تو رسم بروشنائی
من بیخود و رفتہ دل ز دستم　　دستی ! کہ بخاک اندہ پستم
صد دیو گریزد از برونم　　زین دیو کہ ہست در درونم
کو دیدہ کہ ہرچہ اوست بینم　　بکشایم و روی دوست بینم
ہر چند کہ چشم ماست ناپاک　　یک رشحۂ لطف بس برین خاک

جانب مشرق

چون مو تتن ار گناہ روید　　عفو تو ز ابر لطف شوید
بخشش .بو ار بہ نیک کاران　　پس وای بما تبہ کاران
ہر چند گناہ، رحمتت بیش　　زان روی امیدوارم از خویش
من خفتہ و دشمنم نگہبان
از دشمن خانہ چون برم جان

جانب شمال

نامی کہ چون خاک آستان است　　زان خاک سرش بر آسمان است
ای خاک برآن کہ خاک نبود　　بر خاک ورت ہلاک نبود

جانب مغرب

این گنبد با شکوہِ نامی　　کز قدر شد آسمان بافیض
چون بود محل فیض ازان رو
تاریخ شدش مکانِ[1] با فیض

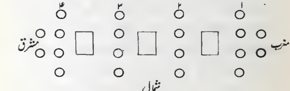
میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ

یہ عمارت جو مثمن گنبذی کے متصل ہے۔ تمام پتھر سے

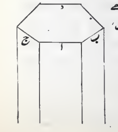
---

[1] مادہ تاریخ کے نیچے ہر جگہ اعداد میں نے لکھے ہیں۔

بنی ہوئی ہے۔ درمیان میں قبریں ہیں۔ میر صفائی، میر معصوم اور میر ابو القاسم کی قبروں پر قبے ہیں۔ اور قبوں کے اندر اور قبروں کے اوپر کتبے لکھے ہیں۔ درمیانی قبہ دار حصے کے اطراف میں سنگین ستونوں پر برآمدہ قایم ہے۔ ان ستونوں پر بھی کتبے ہیں۔ اس عمارت کا تقریبی خاکہ ذیل کے نقشے سے سمجھ میں آئے گا۔ گول دائرے ستونوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ قبریں درمیان میں ہیں



قبروں کے اطراف کے درمیانی آٹھ ستونوں کو چھوڑ کر باقی ہر ستون کے چار طرف کتبے لکھے ہیں۔ دیکھو ذیل کے خاکے میں الف، ب، ج اور د



میر صفائی اور میر معصوم کی قبروں کا پتھر سنگ کھڑ ہے۔ اس گور خانہ کے تمام عربی اور فارسی کتبوں کا خط نستعلیق ہے۔

ستونوں کے کتبے

میں نے صرف جنوبی ستونوں کے کتبوں کو نقل کیا۔ ان میں سے بھی پہلے ستون کے صرف دو کتبے نقل ہوئے۔ ہر نئی سطر کو کھڑی لکیر سے ظاہر کیا گیا ہے

ستون ۱

الناس علی اربعۃ اقسام | الاول سعید | فی الحال و المال یعنی | یعیش مومنا و یموت | مومنا و الثانی مشقی (شقی) فی | الحال و المآل یعنی یعیش | کافرا و یموت کافرا | و الثالث شقی فی الحال | سعید فی المآل یعنی یعیش | کافرا و یموت مومنا و | الرابع سعید فی الحال | شقی فی المآل یعنی یعیش | مومنا و یموت کافراً۔

جانب د

سالت الدار اخبرنی عن الاحباب ما فعلوا
فقالت لی اقام القوم ایاماً و قد رحلوا
فقلت فقلتنا؛ این اطلبھم و ای منازل نزلوا
فقالت فنوا فی القبور [والصواب: فی القبور فنوا] لقو واللہ ما عملوا

ستون ۲

جانب ا و عن بعض الحکماء | الدنیا دار و دایرہا | دایرۃ و

ذخایرہا بایرۃ | لذتہا فانیۃ و طاعتہا باقیۃ، حاصلہا فوت | و آخرہا موت غناءہا | فقر و قصرہا قبر اصلہا سم و مالہا ضم | فاخذ ردا (کذا)| حتی اذا جاءکم | الموت[1]......

و عن سلیمان دارانی (کذا)، | اصل کل خیر فی الدنیا | و الآخرۃ الخوف و | مفتاح الدنیا الشبع | و مفتاح الآخرۃ الجوع

جانب ب

و عن حاتم الاصم | رحمۃ اللہ علیہ | ما من صباح | الا و یقول | الشیطان لی | ما تاکل و ما تلبس و | این تسکن | فاقول لہ | آکل الموت و | البس الکفن و | اسکن القبر | و عن ابی بکر الصدیق | رضی اللہ عنہ عز الدنیا | بالمال و عز الآخرۃ | بالاعمال

جانب ج

و عن سفیان | الثوری انہ قال | کل معصیۃ فی | الشہوۃ فانہ یرجی | غفرانہا و کل | معصیۃ فی الکبر | فانہ لا یرجی غفرانہا | الان [و الصواب، الا] ان معصیۃ | ابلیس کان من الکبر و | معصیۃ آدم کان اصلہا | من الشہوۃ

جانب د

و عن بعض العباد | انہ قال | فی المناجات : الہی | طول

---

[1] افسوس ہے کہ اس کے بعد کے دو فقرے نقل ہونے سے رہ گئے۔

الامل غرنی | و حب الدنیا الکنی | و الشیطان الرجیم اضلنی | والنفس الامارۃ عن الحق منعنی | (و) قرین السوء علی المعصیۃ اعاننی | فاغثنی یا غیاث المستغیثین | فان لم تفعل فمن ذا الذی یرحمنی | و عن بعض الحکماء من اذنب | ذنبا وھو یضحک فو اللہ | اذا کان یوم القیمۃ یدخل | النار و ھو یبکی و من | اطاع اللہ وھو یبکی فو اللہ | یدخل الجنۃ و ھو یضحک۔

ستون ۳

جانب الف

و عن علی رضی اللہ | من اشتاق الی الجنۃ | ساع الی الخیرات | و من اشفق عن النار | نہی عن الشہوات | و من تفکر (کذا) الموت نہی | عن اللذات و | من عرف الدنیا ہانت علیہ المصیبات | بعضی (کذا) الحکماء | لا تحقرن الذنوب | الصغایر فانہا تشعب منہا | الذنوب الکبایر۔

جانب ب

و عن عثمان | ابن عفان | رضی اللہ عنہ | ہم الدنیا | ظلمۃ فی القلب | و ہم الآخرۃ | فودا (کذا) فی القلب | و عن یحیی | ابن معاذ الرازی | انہ قال ما | عصی اللہ | کریم و ما | آثر الدنیا | علی الآخرۃ | حکیم۔

جانب ج

و عن علی | رضی اللہ عنہ | کن عند اللہ | خیر الناس و | کذا کررا) کن عند | نفسک شر | الناس | وکن عند | الناس | احدا من الناس ۔

جانب د

و عن علی رضی اللہ عنہ | ان من نعیم الدنیا یکفیک | الاسلام نعمۃ و ان من | الشغل یکفیک الطاعۃ | شغلا و ان من العبرۃ | یکفیک الموت عبرۃ | و عن الاعمش رضی اللہ عنہ من کان رأس | مالہ التقوی کلّت الالسن | عن وصف ربح دینہ | و من کان رأس مالہ الدنیا | کلّت الالسن عن | وصف خسران دینہ۔

ستون ۱۴

جانب ا

و عن ابراہیم النخعی | رحمۃ اللہ علیہ | انہ قال انما | ہلک من | ہلک من | قبلکم | ثلثۃ | اشیاء | بفضول الکلام | وفضول الطعام | و فضول المنام | قال علیہ السلام | من دخل القبر | بغیر زاد فکانما | رکب البحر | بلا سفینۃ۔

جانب ب

و عن حسن | البصری رحمۃ | اللہ علیہ من لا | ادب لہ لا

علم له | و من لا صبر له | لا دین له من لا | ورع له لا | زلفی له | و قال علیه السلام | المقرّ بالتقصیر | محمود و | الاقرار بالتقصیر | علامة | القبول ۔

جانب ج

و عن بعض الحکماء | طوبیٰ لمن | کان عقله | امیرا وھواہ السر [اسیرا] | و الویل | لمن کان | عقله اسیرا | و ھواہ امیرا ارّی طالب | الدنیا و ان طال | عمرہ و نال من | الدنیا سرورا | او | والصواب : و | انعما کیان | ابنی | بنیانه فاتمه | ..... نوی | ما قد بنا رو، تہدما۔

جانب د

عزیزی را گفتند | دلہای ما خفتة | است و سخن تو | ورد اثر نمی کند | حکیم گفت | کاشکی که رکذا، خفتة | بودی کہ بچون خفتة | را بجنبانی بیدار | شود دلہای شما | مردہ است ہر | چند می جنبانید | بیدار نمی شود | قال علیہ السلام | خصلتان لا شیٔ

لہ یہ شعر ہیں :

ارى طالب الدنیا و ان طال عمرہ
و نال من الدنیا سرورا و انعما
کبان یُبْنِی بنیانه فاتمه
...... نوی ما قد بنی و تہدما

چوتھے مصرعہ سے فوراً کے برابر ایک لفظ مٹ گیا ہے

افضل منہما الایمان | باللہ و النفع للمسلمین ؛

میر صفائی والد میر معصوم کی قبر کے کتبے

یہ قبر میر معصوم کی قبر کے پاس مغربی جانب پر ہے۔ قبر کے ہر طرف کتبہ لکھا ہے جو خط نستعلیق میں ہے۔ درمیان میں خطوط سے مستطیل بنا کر پھر اس مستطیل کے چار طرف اس طرح سے جہاں خاتمۂ سطر میں نے ضبط کیا ہے۔ اس کو میں نے کھڑے خط سے ظاہر کیا ہے۔

جانب جنوب درمیان میں

ماہ قرشی سید صفائی　　کافراشت فلک لوای نورشں
ناگاہ ازین جہانگہ سیر　　افتاد بآن جہان عبورشں

تامی ز برای سال تاریخ
گفتا پر نور باد گورشں

۹۹۱ھ

درمیانی کتبے کے گردا گرد چار طرف مسلسل کر کے لکھا ہے:-

اے آمدہ بر سر مزارم　　از آمدنت امیدوارم
حسرت زدہ ام بخاک ماندہ　　افتادہ درین مغاک ماندہ

یک فاتحۂ بخوان باخلاص
تا حق کندت بمغفرت خاص

جانب شمال: درمیان میں

نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا | شریک لہ الملک و لہ الحمد | یحیی و یمیت و ھو حی لا یموت | بیدہ الخیر و ہو علیٰ کل شئی قدیر۔

درمیانی کتبے کے چار طرف

من زار قبرا فقال اللہم انی اسالک بحق محمد و آل محمد ان لا | تعذب ہذا المیت رفع العذاب عنہ الی یوم القیام | بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ | من قرء علی قبر رفع العذاب عنہ ۔ اربعین سنۃ

اوپر کی جانب

درمیان میں

یا اللہ | لا الہ الا اللہ | محمد الرسول اللہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین تا المفلحون

جنوب مشرقی کنارہ

اللہ لا الہ الا ہو الحی تا العظیم

شمال مغربی کنارہ

آمن الرسول تا کما حملتہ

جانب مشرق

کنارہ پہ اوپر کی جانب کا کتبہ یوں ختم کیا ہے۔

علی الذین من قبلنا .... الکافرین ۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث || ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو تا الشہادۃ |

ھو الرحمٰن الرحیم تا اسماء الحسنیٰ یسبح لہ | ما فی السموٰت تا الحکیم۔

درمیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا یرہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قل ھو اللہ الخ

جانب مغرب

درمیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الھکم التکاثر تا النعیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا جاء نصر اللہ تا توابا۔

کناروں پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اعوذ برب الناس | تا و الناس بسم اللہ الخ قل یا ایھا الکافرون | لا اعبد تا ولی دین قل اعوذ برب الفلق تا و من شر | النفاثات تا حسد۔

اس قبر کے بنیادی پتھر (PLINTH) پر چار طرف ابیات ذیل کندہ ہیں۔

مغرب

اے آمدہ بر مزار نامی		وز آمدنت شدہ گرامی
چون آمدۂ زیارتی کن		از فاتحہ یک اشارتی کن
از مرحلہ جہان غمناک		شد منزل ما سراچہ خاک
رحمی رحمی کہ بس غریبم		از عیش زمانہ بی نصیبم

مشرق

جان قاصد راہ آن جہان است اینجا دو سہ روز میہمان است
ہمپائی شعلہ کن برفتار ہمگامی برق کن شرر وار
سنگی کہ نہادہ بر مزار است سرتا سرش از غمم فگار است
بشگافی اگر درون این سنگ
گر سنگ بود دلت شود تنگ

شمال

این راہ بود دراز و تاریک وین خانۂ گور تنگ و تاریک

جنوب

محتاج لطیفہ دعائیم گو فاتحۂ کہ بی نوائیم

میر صفائی کی قبر کے گنبد اور ستونوں کے درمیان کا کتبہ

گنبد ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں اور گنبد کے درمیان پتھر کی سلیں ہیں۔ جن پر ذیل کے کتبے ہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ مثلاً شمال کی جانب اوپر کے پتھر پر سے از نیک و بد زمانہ الخ لکھا ہے۔ پھر اس کے نیچے سے مکن در ماتم خود نوحہ بنیاد لکھا ہے۔ علی ہذا القیاس۔ میں نے ان قطعہ اور رباعیوں کو یکجا کر کے لکھا ہے:۔

الف

جنوب

چون دانستی ماحصل دنیا را امروز بگیر توشۂ فردا را

مشرق

فردات چون ہمی دست دہد   زنہار بفروا مفگن سودا را

شمال

از نیک و بد زمانہ پرہیز و برو   زین کہنہ رباط پر خطر خیز و برو

مغرب

چون کار زمانہ سربسر درد سراست   دستی (بہ) سرخود نہ و بگریز و برو

(ب)

جنوب: بیا نامی دمی از مرگ کن یاد
شمال: بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد

مغرب

بیا تا یک نفس بر خود بگریم   خدا رحمت کناد از خود بگوییم

مشرق

قرین مغفرت باد آشنائی   کہ گوید بعد ما بر ما دعائی

میر معصوم متخلص بہ نامی کی قبر کے کتبے

پائین

میر معصوم آن مہ برج شرف   آفتاب شرع و دین فخر زمن
روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت   عازم جنت بامر ذوالمنن

سال فوتش از خرد جستم بگفت
بود نامی صاحب ملک سخن

مادہ تاریخ سے ۱۰۱۴ھ حاصل ہوتے ہیں۔ گر روز روشن

ص ۶۸۰ پر بوده الخ بجای بود الخ ہے جس سے ۱۰۱۹ھ تاریخ نکلتی ہے۔ مآثر الامرا میں ہے کہ میر معصوم کو ۱۰۱۵ھ میں امین الملک بنا کر بھکر بھیجا گیا۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ میں نے بود بجائے بوده غلط لکھا ہے اور غالباً روز روشن کا مادہ صحیح تاریخ ہے۔

قبر کے اوپر کی جانب کا کتبہ

درمیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین تا الضالین الم تا المفلحون

گرداگرد

اللہ لا الہ الا ہو تا العلی العظیم۔ آمن الرسول تا علینا

جانب مشرق

کنارہ : اصرا تا کافرین، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث | ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو تا ہو العزیز الحکیم۔

درمیان میں : بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اذا زلزلت تا شرا یرہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ہو اللہ احد الخ

جانب مغرب

قل اعوذ برب الناس تا و الناس۔ بسم اللہ الخ الھکم

التکاثر تا النعیم بسم اللہ الخ اذا جاء نصر اللہ الخ لا الہ الا
اللہ محمد رسول اللہ بسم اللہ الخ قل یا ایہا الکافرون الخ
بسم اللہ الخ قل اعوذ برب الفلق الخ

جانب شمال

درمیان میں : اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ
الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر
و ہو علی کل شئ قدیر۔

گرداگرد

من زار قبراً فقال اللہم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد
ان لا تعذب ہذا المیت رفع العذاب۔

میر معصوم کی قبر کے قبہ کے کتبے

اس قبے کے اندرونی جانب اوپر سے نیچے تک دس منطقوں
میں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں یہ کتبے لکھے
ہوئے ہیں۔ اوپر کے تین اور نیچے کے تین کتبے ابھرے
ہوئے حرفوں میں ہیں۔ درمیانی چار کھدے ہوئے حرفوں میں
خط نستعلیق ہے۔ گنبد کے نیچے اور ستونوں سے اوپر پتھروں
کی سلوں سے مثمن بنایا گیا ہے جس پر گنبد قایم ہے۔

لے ٹوٹ کرنے سے رہ گیا، قیاساً بڑھایا گیا۔

منطقوں کے کتبے درج ذیل ہیں - اوپر کے منطقہ سے شمار شروع کیا گیا ہے - اصل کے مطابق ہر ننے مقولے کے قایل کا نام ترچھا لکھا گیا ہے - ابیات کو کتبوں میں مسلسل لکھا گیا ہے یعنی نثر کے طریق پر - میں ان کو ذیل میں شعروں کے طریق پر لکھ رہا ہوں -

۱- قال بعض البلغاء الامل حجاب الاجل - قال سعید بن المسیب لیس قبل الموت شیٔ الا الموت شئی[1] اشد منہ و لیس بعد الموت شیٔ الا الموت الیسر منہ

۲- قال رسول ﷺ من حاسب نفسہ ربح و من اغفل عنہا خسر - قال ﷺ مثل الدنیا و الآخرۃ مثل ضرتین ان ارضیت احدہما اسخطت الاخری ﷺ قال عیسیٰ علیہ السلام الدنیا قنطرۃ فاعبروہا و لا تعمروہا

۳- نی گل برخ باد صبا می خندد
نی نی ہمہ بر غفلت ما می خندد
گویم گویم کہ او چرا می خندد
بر یک دمہ عمر بے وفا می خندد

از تفرقۂ دہر اگر رستی ہیچ
در جای شدت بلند در پستی ہیچ
چون آخر کار بایدت خاک شدن
دانستی ہیچ ور ندانستی ہیچ

۴- ﷺ الذنب لا ینسی و البر لا یبلی الدیان لا یموت

---

[1] میری نقل میں اسی طرح ہے

فکن کما شئیت فکما تدین تدان.

بیان عیسیٰ علیہ السلام الدنیا لا بیس مزرعہ و اہلہا حراث بیہ بہ نحن نرید ان نموت حتی نتوب و نحن لا نتوب حتی نموت ۔ قیل الفقر ملک لیس فیہ محاسبۃ

۵۔ نامی کہ ز دست دہر در تاب شدہ
پژمردہ گلیست کز رخش آب شدہ
زود است کہ بنگری تو آن غمزدہ را
آسودہ بزیر خاک و در آب شدہ

جز غم دل اہل درد خندان کہ کند
جز نالہ دوای مستمندان کہ کند
جز گریہ نوازش حزینان کہ کند
جاروب مزار خاکساران (کذا) کہ کند

۶۔ در دہر اگر گدا و گر محتشم است
آخر ہمہ را روی بسوی عدم است
عمر تو اگر بیش بود کم ز کم است
زیرا کہ چون نیک بنگری یکدو دم است

روزی کہ دلم ز دہر نومید شود — جان نیز بسر منزل جاوید شود
ذرات وجودم کہ بمہرش شدہ خاک — کمتر ذرہ از و چون خورشید شود

۷. مثل الدنیا مثل الحیة لین مسها قاتل سمها
ما آمده بودیم درین باغ بگشت
چون ابر بروی سبزه چون باد بگشت
چون نرگس پر خمار ناگاه از خواب
تا چشم کشادیم نه بهم عمر گذشت

هان تا می هان بخویش یک دم پرواز
مردانه بساز توشهٔ رفتن ساز
داری در پیش بس ره دور و دراز
ای کاش امید آمدن بودی باز

---

۸. در موسم گل چمن رخ مُنقش گون کرد
دل دیده بیاد دوستان پُر خون کرد
سبزه بنود بخاک ما غمزدگان
غم سبز شد و ز خاک سر بیرون کرد

این اهل قبور بین بخواب اند همه
آسوده ز دادن جواب اند همه
از نشأهٔ جام واپسین تا دم حشر
در زیر زمین مست خراب اند همه

ناآمی من ازین دیر پشیمان رفتم
نا چیده گل ازین گلستان رفتم
بودم دو ہزار آرزو در دل ریش
نا کرده یکی ازان بسامان رفتم

۹- ای آنکہ جہان گرفتۂ خوش بکنار
دانی کہ ترا بوقت کار آید کار
گر ملک حبش داری و در ملک تتار
با خود نبری ہیچ بغیر از کردار

ما قصہ نگفتیم کلام آخر شد
حرفی ننوشتیم پیام آخر شد
صبح طربم نا شده شام آخر شد
چون نوبت ما رسید جام آخر شد

زد نیشۂ چرخ سنگ بر ساغر ما
خون شد چو انار دانہ دل در بر ما
گردی نشستہ بود بر افسر ما
اکنون بنگر خاک ببیہ بر سر ما

۱۰- [illegible] الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا لا شفیع
انجح من التوبۃ لا بیع الدنیا بالاخرۃ تربح لا بقیۃ العمر

لا قیمۃ لما ؎ تدارک فی آخر العمر ما فاتک فی اولہ ؎
تطرف تبرک الذنوب ؎ ثواب الآخرۃ خیر من نعیم الدنیا
؎ خف اللہ تامن لغیرہ (کذا) ؎ خالف نفسک
تسترح ؎ قیل ای عیش یطیب و لیس للموت طبیب
؎ من تأمل ان یعیش غدا فانہ تأمل ان
یعیش ابدا۔

قبہ قبر میر معصوم کا کتبہ ختم ہوا۔

قبہ اور ستونوں کے درمیان پتھر کی چار سلیں ہیں۔
ان سلوں کے اوپر اور سلوں سے ہشت پہلو شکل بنا
کر قبہ اس پر قائم کیا گیا ہے۔ اوپر اور نیچے کی سلوں
پر فارسی اشعار کندہ ہیں۔ نیچے کی سلوں پر چار طرف
۱۵ شعر ہیں۔ جن میں سے جانب شمال و جنوب کے
شعر درج ذیل ہیں۔

شمال

امیر سید فاضل محمد معصوم بروی کوہ بنا کرد منزلی بشکوہ
عجب خجستہ مقامی کہ خلق می آیند پی زیارتش از ہرطرف گروہ گروہ
چون از دبیر سال این بنا جستم
قلم گرفت و رقم زد عمارت سرکوہ
۱۰۰۲ھ

جنوب

نامی ز گنہ روی سیاہ آوردہ وز کردۂ خود با تو پناہ آوردہ
گویند بجامیان بود مغفرتت
تو غفاری و من گناہ آوردہ

نامی بکشا چشم بصیرت در یاب
بنیاد زمانہ ہمچون نقشیست بر آب
با تو گویم کہ حاصل دنیا چیست
بیداری یک زمان و باقی ہمہ خواب

میر ابو القاسم کی قبر کے کتبے

میر معصوم اور اُن کے والد کی قبروں کے کتبوں کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ان سے مشرق کی جانب ایک تیسرا قبہ ہے جو اُن دونوں سے پست تر ہے۔ اس کے نیچے ایک قبر ہے۔ جس پر جانب جنوب ذیل کا کتبہ درج ہے:

چو شد میر ابوالقاسم نیک رای سوی دار عقبی ز دار فنا
چو نامی طلب کرد تاریخ او خرد گفت رفتا (کذا) بدار بقا

ھ ۹۹۱

اس قبہ کے نیچے اور ستونوں کے اوپر ذیل کے اشعار کندہ ہیں
فتیم چون از میان یاران رحمی بر حال خراب دل فگاران رحمی

چون خاک شدیم خاک ما گشت غبار
رحمی رحمی بجناکساران رحمی

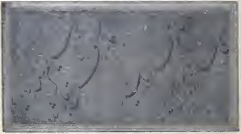
شادی زمانه جز غمی بیش نبود
وین عمر گران مایه دمی بیش نبود
سودای بتان جز المی بیش نبود
خونابهٔ دیده جز نمی بیش نبود

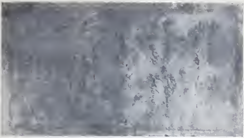
چون خاک شود ز غم وجود پاکت
وز حادثه برباد دهد افلاکت
جز سبزه کسی سر نکشد بر گورت
جز باد کسی پا نه نهد بر خاکت

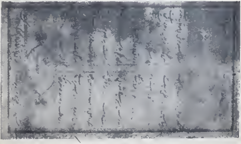
نزا گر آسمان منزل نشین است
ہم آخر جای تو زیر زمین است

اوپر مذکور ہُوا کہ قبے قبروں کے اوپر ہیں۔ ان قبوں کے اطراف میں برآمدہ ہے (دیکھو خاکہ) اس برآمدہ میں ۸ سنگین چھتیں شامل ہیں جو ستونوں پر کھڑی ہیں۔ستونوں کے اوپر اور چھتوں کے نیچے پتھر کی سلوں پر ۸×۴ = ۳۲ شعر کندہ ہیں جو یہاں درج نہیں ہوئے ؛









ضمیمہ

خطاطی کے نمونوں کی تشریح

۱۔سلطان علی مشہدی ۔ جس کی وصلی کا فوٹو شایع کیا جا رہا ہے ۔ وہی مشہور خطاط ہے ۔ جس کا حال اس کتاب کے صفحہ نمرہ ۱۵ پر درج ہے ۔ اصل کی محرر سطح کی تقطیع ۷٫۲ × ۳٫۵

۲۔محمود شہابی کا ذکر تحفۂ سامی میں نہیں آیا ۔ گو وہ اسی زمانہ کا خطاط ہے اس کے حال کے لئے دیکھو "تاریخ عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ (بذیل مولانا محمود اسحاق سیاؤشانی) اورینٹل کالج میگزین جلد ۲ نمبر ۲ ص ۱۴ ۔ اس کا سن وفات ۹۹۱ھ ہے ۔ محمود بن اسحاق شہابی کی ایک وصلی کا عکس مسلم ریویو کلکتہ ج ۲ نمبر ۲ پلیٹ ۲ میں بھی چھپا تھا ۔ یہی شخص محمود اسحاق سیاوشانی ہے ۔ دیکھو ہیوار (HWART) کی کتاب شرق اسلامی کے خطاط[1] اور مصور ص ۲۲۸ صاحب عالم آرای عباسی کہتا ہے کہ وہ مولانا میر علی کا شاگرد تھا ۔ "دران عصر نستعلیق را کسی بنزاکت و اندام مولانا محمود مذکور ننوشت" ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "خط او اعتبار تمام دارد و قطعہ او را باطراف و جوانب عالم خصوصا ہند و ماوراءالنہر

---

[1] LES CALLIGRAPHES ETE PARIS 1908

می بروند" اصل کی محررسطح کی تقطیع: ۶/۶ × ۳/۲

۲- عبدالرحمٰن الخوارزمی - اس کے تذکرہ کے لئے دیکھو ہیوار کی کتاب مذکورہ بالا ص ۲۵۷ - یہ خطاط مولانا انیسی اور عبدالکریم پادشاہ کا باپ ہے - ان کا ترجمہ سام مرزا نے دیا ہے - دیکھو یہی کتاب ص نمبر ۲۵ و ۲۶- بقول ہیوار عبدالرحمٰن بھی سلطان یعقوب قراقو ینلو کے دربار کا خطاط تھا - اس نے اور اس کے دو بیٹوں نے نستعلیق کی پرانی طرز کو بدلا اور بعد کے لوگوں نے اس طرز کا تتبع کیا۔

دیوان حافظ کے ایک نسخہ سے جو عبدالرحمٰن مذکور نے ۸۵۹ھ میں لکھا وہ مختلف صفحے بطور نمونہ کے لئے گئے - تقطیع اصل: ۶/۲ × ۲/۷ انچ -

ذیل کے خطاطوں کی تحریر کے نمونے اس کتاب میں شایع کئے گئے ہیں۔

۱- میرعلی تبریزی (دیکھو اقتباس از مرآۃ العالم ص) خواجو کی تین مثنویاں ہمای و ہمایوں، کمال نامہ اور روضۃ الانوار، میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی کی یکجا لکھی ہوئی برٹش میوزیم میں موجود ہیں - ان کو میر علی نے ۷۹۸ھ میں لکھا۔ دیکھو فہرست ریو ص ۶۲۰- کمال نامہ کے آخری صفحہ کا عکس یہاں دیا جاتا ہے - روضۃ الانوار کے پہلے صفحہ پر اس نے لکھا ہے - کہ یہ کتاب "کتب خانہ شہریار ابوالفتح بہرام جم اقتدار" کے لئے لکھی گئی۔ مشہور یہ ہے کہ میر علی تبریزی

بودیم اما که دیدیم از نوش
چون بخشم کال هر من دید
شد که ان و جان ده واصل
ذالی هر هر ضعیف از یمن
شد بتاریخ هفصد و چل و چار
گرچه خواجو من شنکر بشینی
آن سخن هر سخن دری دگرست
جوهری گشتش بماند کس
گوهر عالم فضیل حجت ماست
منزل ما مقام بی جایست
هدهد قدسی تدروی باغ است
دل خرم که مرغ بال زنست
دلم از تیغ و فضل کشت ملول

چیدم اما که چیدم از گلدستش
خار نقصان زدامنم بر چید
کشف ارواح شد مرا حاصل
بنهفته در زیر همچون جوشنش
کار این نقش آذری و نگار
نیست در این زبانیم همسنی
وین سخن از و فنی دگرست
فیبت آن خدای اند و بشنش
خرد بیر عقل صحبت ماست
دانشش الطاف دانا بست
عقل علوی چراغ این راغ است
عندلیبی ز طرف نه چمنست
گر مقیدست عقل و فضل فضول
غیر و بیکار تا کنم چو نا سبب
علم آمد ز دست مرد و بجان

فرزه داده و اجازتم عشر بود
نام نظم کمال نامه نهاد
مدی بود و جسرح سخاوی
نزکوهی که بوده تا آب
هیچ صورت بدین معانی نیست
من ز آنم که این ورق میخواند
تو چه دانی که این سخنها چیست
مدعی گو بترک دعوی گیر
قرار شاخ ارغوان قیت
نقش روح کیدم از دل ماست
شمع توفیق را شبستان نیست
چند گویم سخن که لایل شدم
هر که این شاخ چند بتوان چید
خامه و نامه را در آتش و آب
کین ده روییت و آن یکی دو زبان

راه یک هستیم نمود
روز کار فیتم نمیکشت د
داده پس پرده های سیاه ...
وز تف تیغ هر گشته ...
جنبهٔ جان بدین روانی نیست
وین حکایت بدین نسق میداشت
کسر ندانی که آن سخن ورگیست
با بر در مقام دعوی هیبر
و غائب از نیازها عاقبت
شب هر یک نم از گل ما
گل تحقیق گلستان نیست
همچو مرغی شکسته بال شدم
هین این باغ چند بتوان چید

بنشکم چشم جان سپیداد و زم
و آتش دل ز تن چب افروزم

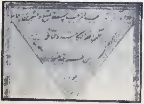
جون . بمسخن بگیه کامل
طمع از سر جسب غیر حق دیدم

در شکستم ورق ز بیم ملالی
بو نه بقطع و سید بیرهم

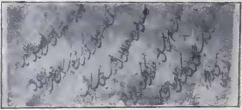
تم الکتاب الموسوم بکمال نامه من منظومات فضل المتأخرین کمال الدین محمود المشتهر بخواجو الکرمانی فی ثامن عشرین جمادی الاول سنه ثمان وتسعین وسبعمایه الهجریة المکاتبه على يد العبد الضعيف الحسن علی بن الیاس البرکی الباورچی غفر الله ذنوبها وستر عيوبهما ۵

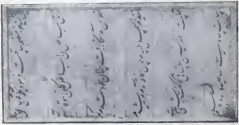


۲ الف



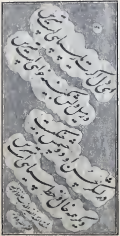
۲ ب







۵ الف



۵ ب

موجد نستعلیق ہے۔ تقطیع اصل : ۱۲$\frac{3}{4}$ × ۹$\frac{1}{4}$

۲ و و ب سلطان محمد نور دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ،

یہ سبحۃ الابرار جامی کے آخری اور ایک درمیانی صفحہ کا عکس ہے۔ سلطان محمد نور نے اس نسخہ کو ۹۲۹ ھ میں تمام کیا۔ اصل کی تقطیع $\frac{1}{4}$۷ × $\frac{3}{4}$۴

۳۔ اختیار منشی دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ، اس وصلی پر عبارت ذیل لکھی ہے:

سطر۱۔ للہ الحمد و المنہ کہ اشجار معدلت از رشحات سحاب احسان و افاضت طراوت یافتہ۔

سطر۲۔ و نہال گلزار نصفت از قطرات مطرات مکرمت نضارت پذیرفتہ سکنہ آن ۔ در [دُر ؟] ولایت درمہا دامن داماں آرامش دیدند (مشکوک)

سطر۳۔ و متوطنان آن دیار در ظلال عدل و حرمت باسایش می گذرانند [ے]

سطر۴۔ آرام یافت در حرم امن وحش و طیر
و آسودہ گشت در کنف عدل انس و جان۔

سطر۵۔ و ارباب داعیان و مقیمان و متوطنان آن ملک اقامت مراسم طاعت و ادامت ....

سطر۶۔ مشق بندہ فقیر و حقیر

سطر۷۔ اختیار منشی

تقطیع اصل ″ × $\frac{1}{4}$۳″

۴۔ میر علی ہروی (دیکھو اقتباس خط و سواد کا دیباچہ ص
بعد و اقتباس مرآۃ العالم ص) اس وصلی پر لکھا ہے:
المذنب میر علی در بلدہ ہراۃ تحریر نمود۔ تقطیع اصل ۹ × ۶ ½
۵ (و ب) میر علی اور حافظ نور اللہ۔ میرے نزدیک ۵ ؤ
میر علی کاتب الہروی ہی کی تحریر ہے۔ جیسا کہ اس کے اور
نمبر ۴ کے مقابلہ سے معلوم ہوگا۔ حافظ نور اللہ کی تحریر اس
وصلی کی پشت پر ہے۔ متاخرین اکثر متقدمین کی وصلیوں
کی پشت پر اپنی تحریر سند اور اعتراف تلمذ کے طور پر
لکھ دیتے تھے (مثلاً دیکھو نمبر ۱۱ و و ب)
حافظ نور اللہ کا حال دیکھو تذکرہ خوشنویسان ص پر
یہ بارھویں صدی کے آخر کا کاتب ہے۔
تقطیع اصل ۵ ؤ : ۷ ½ × ۴ ½
تقطیع اصل ۵ ب : ۸ ½ × ۴
۶۔ بایزید دوری (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص)
یہ امیر خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خان کا آخری صفحہ
ہے جس پر سلطان بایزید بن میر نظام مشہور بدوری
کے دستخط ہیں۔ یہ نسخہ جو میر بایزید نے ۹۷۶ھ میں لکھا۔
ایک زمانہ میں اکبر کی ایک بیگم سلیمہ سلطان بیگم کے کتابخانہ
میں تھا۔ پھر شاہ جہان کے کتاب خانہ میں رہا۔ اب
ریاست کپور تھلہ کے سرکاری کتاب خانہ میں ہے (دیکھو روئداد
اجلاس ہشتم انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن منعقدہ ۱۹۲۵ء ص ۲۶

پس از من هر که آید گر آید
بی اندر پی رسد آنجا که شاید

مرا این عقل و هش پیش دار
نخفد اندر خرابهای بسیار

ز نیرین ما دیه تا کار دانم
مگر گرگ سپاند استخوانم

ولی با این همه امید دارم
که غافل نیست رهبر از شمارم

ز صالح ناقه گر تنگ زد نیرنگ
برارد ناقه خود صالح از سنگ

بزی کور اجسته از پیش و از پس
عصای راه خوب شبان بس

شدم تسلیم سر او دانم پس
که من این ره نیارم رفت از خویش

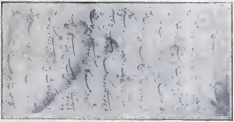
بد و فضل خدایم کرد تسلیم
هم او صدق و یم بخشد تعلیم

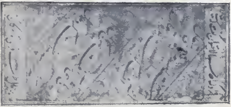
خداوندا بسویت ره نمایم
که با این رهنما سوی تو آیم

همه کس حاجت آرند در پیش
چه حاجت من که گویم حاجت خویش

نمیخواهم ز تو بخشش چو هر کس
تو چندرو هر چه می بخشی همان بس

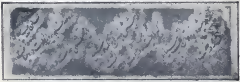
الفقیر الحقیر المذنب سلطان بایزید
ابن میر نظام مشهور بدوری
[illegible]







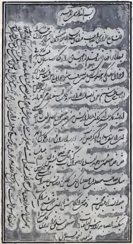
ب



ز



۱۱ الف



۱۱ ب

تقطیع اصل : ½ ۷ × ۴

۷ - ۸ - عماد الحسنی و میر عماد۔ دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ، برٹش میوزیم میں اس کی ایک وصلی ہے جو ۱۰۱۷ھ میں لکھی گئی اور جس پر بظاہر "محمد عماد الحسینی" لکھا ہے۔

دیکھو فہرست ریو ۷۸۳ و - نمبر ۸ پر فقط "عذر خواہ عماد" لکھا ہے۔

تقطیع اصل نمبر ۷ ¼۸ × ½۳ و نمبر ۸ ۱۰ × ۵

۹ - محمد مراد الکشمیری ، دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۔ ،

تقطیع ¼۷ × ½۳

۱۰ - جواہر رقم یعنی میر سید علی خان الحسینی تبریزی بن آقا مقیم ، رک بہ اقتباس مرآۃ العالم ص و تذکرہ خوشنویسان ص و فہرست ریو ص ۷۸۲

تقطیع اصل ¾۷ × ⅛۴

۱۱ (و ب) ملا عبد الرشید ، دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ؛ یہ میر عماد کا بھانجا اور شاگرد شاہ جہان کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوا یہ قطعہ اس نے ۱۰۷۶ھ (آخر عہد شاہ جہان) میں اکبرآباد میں لکھا۔ اس وصلی کی پشت پر اعجاز رقم خان کی تحریر ہے۔ اس کا حال دیکھو تذکرۂ خوش نویسان ص ۹۲ پر۔ صاحب تذکرۂ مذکور نے لکھا ہے:-

"اکثر نوشتہ آقا عبد الرشید قطعہ و مشق در سرکار او

(یعنی اعجاز رقم خان) بنظر آمده۔

تقطیع اصل:

۱۱ د   ۹ ۱/۲″ × ۴″

۱۱ ب   ۸ ۱/۸″ × ۴ ۳/۸″

غلطنامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	حاشیہ ۱	ص-۶-۷	صفحہ ۶
۳۳	حاشیہ ۵-۸	ص-۸-۷	صفحہ ۹
۱۰۳	۲	دیکھو ص-	دیکھو صفحہ ۸۹
۱۳۴	حاشیہ ۱	دیکھو ص حاشیہ	دیکھو ص ۱۳۵ حاشیہ ۳
۱۳۶	۵	کتاب کے صفحہ	کتاب کے صفحہ ۵۳

۲۳۵ حاشیہ ۱ خلیفہ مستعصم شوال ۶۰۹ھ میں پیدا ہوا اور صفر ۶۵۶ میں ہلاکو کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

۲ صفی الدین قریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۶۹۳ھ میں فوت ہوا۔ سیرت، نظم، شعر، انشاء، تاریخ، خلاف، موسیقی کا عالم تھا۔ خط منسوب اس کے زمانے میں اس جیسا کوئی نہ لکھ سکتا تھا۔ وہ خلیفہ مستعصم کا مقرب تھا، جب خلیفہ نے آخری دنوں میں ایک نیا کتب خانہ قائم کیا تو صفی الدین کو کتابدار مقرر کیا اور وہ کتاب خانہ میں خلیفہ کے لیے کتابت کرتا رہا (تاریخ بغداد للعزاوی ۱ : ۳۶۱)۔

۳ ۶۸۵ھ میں فوت ہوا (تاریخ بغداد للعزاوی ۱ : ۳۳۸)۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۹	۱	ایک بار	یعنی ۱۹۳۴ع میں
۲۹۲	۳	ص نمبر ۵	ص نمبر ۲۹۳
"	۵	ص نمبر ۶	ص نمبر ۲۹۳

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۹۲	۱۱	ص نمبر ۲	ص نمبر ۲۹۴
۲۹۹	۷	(تحفۃالکرام ۳: ۱۳۸)	(تحفۃ الکرام ۳ : ۱۸۳)
"	حاشیہ ۱	مانہ	نہ
۲۹۹	۱۳	اول ۲	الول
"	۱۵	متعلق	متعلق [بہ]
۳۰۱	حاشیہ ۱	دیکھو صفحہ حاشیہ	دیکھو صفحہ ۴۲ حاشیہ
۳۰۴	۳	صفحہ پر دیا ہے	صفحہ ۳۰۹ پر دیا ہے
۳۱۰	۷	کہٗ	[کہ]
۳۱۱	حاشیہ سطر ۴	۳ : ۱۳۵	۳ : ۱۰۵
۳۱۳	۱۵	قدیم حضرت	قدیم حضرت نصب
"	۱۵	نوشتہ نصب	نوشتہ
۳۱۴	خانہ نمبر ۴		ال
۳۱۵	٦	ص ۱۴۵	ص ۳۰۴
۳۲۰	۱۴	ادرارات مقرر	ادرارات مقرر ہوئے
۳۲۵	حاشیہ ۱	چھٹہ مرانی	چھٹہ حمرانی
۳۲٦	حاشیہ ۱	بلاذری کا	بلاذری کا آلرور'
۳۲۸	۲	ماہ رجب	ماہ رجب ۹۷۵
۳۲۹	۱	تسع	تسعمائۃ
۳۳۷	۲۱	جستم	بجستم
۳۳۹	۵	بنا خیر	بنا بھر خیر

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۳۳۹	۹	طاعات حق ؟	[طاعات حق ؟]
۳۴۰	حاشیه ۱	دوسرا مصرع	کتبہ میں دوسرا مصرع
۳۴۳	۱۴	حرخ	چرخ
۳۵۰	۲	خلف او	خلف خیر او
۳۵۱	۱۰	بتاریخ احد	بتاریخ روز
۳۵۲	۱۰ (۵)	بیست ہفتم	بیست و ہفتم
"	۱۱ (۶)	یگانہ کامل	یگانہ و کامل
۳۵۵	۸	سیاست پناہ	سیادت پناہ
۳۵۸	حاشیه ۲	تحفة الکرام (۳: ۱۲۷)	تحفة الکرام (۳ : ۲۷)
"	حاشیه ۱	بہ سادات سیوستان	بہ سادات کھابروت سیوستان
۳۶۳	۲	کے بحر	کے بحر میں
"	۴	کا حسن و ناز	کا نام حسن و ناز
"	حاشیه ۲	قدر حرمین	قدر رقم حرمین
۳۶۷	۱۲	الدہ پستم	ماندہ پستم
۳۷۹	۱	چون ہمی	چو امروز ہمی
"	۶	بنویم	بگویم
۳۸۶	۱۶	از دیر سال	از دبیر خرد سال